یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

اِسلام کی نامور خواتین کی سوانح حیات

اسلام کی نامور خواتین کی سوانح حیات

مؤلف الحاج ایوب نقوی مصطفےٰ آبادی
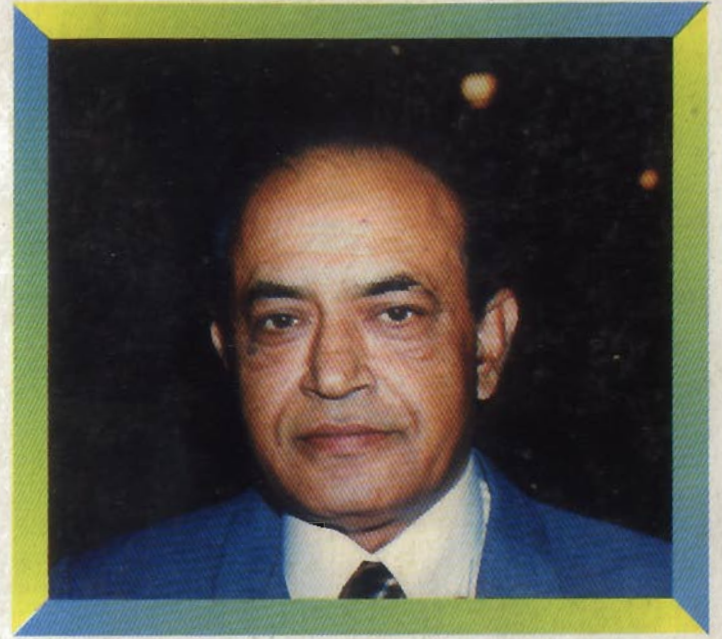
الحاج ایوب نقوی مصطفےٰ آبادی کی تصانیف

علیؑ مولا ..... دوسرا ایڈیشن

زینبؑ بنت علیؑ ..... چھٹا ایڈیشن

علمدار کربلا ..... چھٹا ایڈیشن

سکینہؑ سکینہ ہے ..... پانچواں ایڈیشن

کربلا کا ننھا شہید ..... تیسرا ایڈیشن

مختار نامہ ..... تیسرا ایڈیشن

ہمارا آخری امامؑ ..... پہلا ایڈیشن

تاریخ کربلا حسینؑ ابن علیؑ ..... پہلا ایڈیشن

جنگِ جمل ..... پہلا ایڈیشن

عصمہ پبلیکیشنز پی۔او باکس نمبر:- 18168 کراچی 74700 پاکستان

سید نذر عباس رضوی

اِسلام کی نامور خواتین

کی

سوانح حیات

* مؤلف *

الحاج سید محمد ایوب نقوی مصطفیٰ بادی

عصمة پبلیکیشنز

پی۔او باکس نمبر:- 18168
کراچی 74700 پاکستان

فرمانِ رسولِ اکرمؐ

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي
مَنْ آذَاهَا فَقَدْ آذَانِي

(فاطمہؑ، میرے وجود ہی کا حصہ ہے جس نے انہیں اذیت پہنچائی، اُس نے درحقیقت مجھے اذیت پہنچائی)۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ)

〃 : اِنَّ ابْنَتِیْ سَیِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ،
(میری بیٹی، جنت کی عورتوں کی سردار ہے)۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری، کنز العمال
بحار الانوار، صحیح ترمذی وغیرہ)

〃 : مَثَلُهَا كَمَثَلِ مَرْيَمَ...
(میری بیٹی، (جناب) مریم کی طرح ہے)

(ریاحین الشریعہ وغیرہ)

(نیز) آپ نے اُمت مسلمہ کی خواتین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

فَاَیُّمَا اِمْرَأَةٍ صَلَّتْ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَةِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَصَامَتْ شَهْرَ رَمَضَانَ، وَحَجَّتْ بَیْتَ اللهِ الْحَرَامِ، وَزَكَّتْ مَالَهَا، وَاَطَاعَتْ زَوْجَهَا وَوَالَتْ عَلِیًّا بَعْدِیْ : دَخَلَتِ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ اِبْنَتِیْ فَاطِمَةَ، وَاَنَّهَا لَسَیِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ

(جو عورت، روزانہ، دن و رات کے (مقررہ اوقات میں) پانچوں (واجب) نمازیں پڑھے

نام کتاب ــــــــ اسلام کی نامور خواتین
مؤلف ــــــــ الحاج سید محمد ایوب نقوی مصطفےٰ آبادی
ناشر ــــــــ عصمہ پبلیکیشنز کراچی پاکستان
تعداد ــــــــ ۱۰۰۰ (ایک ہزار)
طباعت ــــــــ پرنٹنگ محل ناظم آباد نمبر 2 کراچی
ایڈیشن ــــــــ پہلا ایڈیشن مئی 2001
ہدیہ ــــــــ 100 روپیہ

اسٹاکسٹ

۱۔ مکتبۃ الرضا۔ ۸ بیسمنٹ میاں مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور
۲۔ افتخار بک ڈپو۔ اسلام پورہ کرشن نگر۔ لاہور
۳۔ رحمت اللہ بک ایجنسی کھارادر۔ کراچی
۴۔ حسن علی بک ڈپو۔ کھارادر۔ کراچی
۵۔ محفوظ بک ایجنسی۔ مارٹن روڈ۔ کراچی
۶۔ عباس بک ایجنسی۔ رستم نگر۔ لکھنؤ
۷۔ خراسان بک سینٹر بندر روڈ۔ کراچی
۸۔ ویلکم بک پورٹ (پرائیویٹ) لمیٹڈ مین اردو بازار کراچی
۹۔ احمد بک ڈپو۔ رضویہ سوسائٹی۔ کراچی۔
۱۰۔ علمدار جعفری بک ڈپو۔ انچولی۔ کراچی
۱۱۔ المحسن بک ڈپو مسجد باب العلم۔ نارتھ ناظم آباد کراچی

انتساب

اپنی پیاری بہن

محترمہ سلمیٰ خاتون

کے نام

مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے:

۱۔ سیرتِ امیرالمومنینؑ — مولانا مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ،
۲۔ مکتبۃ العرب — مولانا سید غلام عسکری صاحب قبلہ مدظلہ،
۳۔ تاریخِ اسلام — مولانا سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ مدظلہ،
۴۔ چودہ ستارے — مولانا سید نجم الحسن کراروی صاحب قبلہ مدظلہ،
۵۔ انتخابِ طبری — مولانا سید صفدر حسین نجفی صاحب قبلہ مدظلہ،
۶۔ ابوطالبؑ مومنِ قریش — مولانا سید ذیشان حیدر جوادی صاحب قبلہ مدظلہ،
۷۔ سیرتِ عائشہؓ — علامہ مولانا سید ... ایمان نا
۸۔ اسلام کی مثالی خاتون — علامہ ابراہیم آمینی دا | احب قبلہ مدظلہ،

نوٹ:۔ اس کتاب کی پروف ریڈنگ بار بار کی گئی ہے اس پر بھی اگر کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں تو اردو زبان کے کاتبوں کی بے مایگی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کاتب کی غلطی کو نظر انداز کر دیجئے گا۔

شکریہ
پبلشر

فہرست

(۱۱۰/...)

مولائے کائنات

ابو الائمہ حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام

کی مناجاتوں میں سے ایک مناجات

إلٰهي كَفىٰ بي عِزًّا أَنْ أَكُونَ لَكَ عَبْدًا وَكَفىٰ بي فَخْرًا أَنْ تَكُونَ لي رَبًّا أَنْتَ كَمَا أُحِبُّ فَاجْعَلْنِي كَمَا تُحِبُّ

میرے اللہ میری عزت کے لیے یہی کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور میرے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ تُو میرا پروردگار ہے۔ تو ویسا ہی ہے جیسا میں چاہتا ہوں پس تُو مجھ کو ویسا بنا لے جیسا تُو چاہتا ہے

پیش لفظ

تمام مذاہب عالم میں دین اسلام کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام اپنے بانی کو اپنے نظام زندگی کا مجسم نمونہ لور پیکر بنا کر پیش کرتا ہے بانی اسلام حضرت محمد ﷺ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے حیثیت ایک پیغمبرؐ جو پیام دیا جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔

جن حضرات کو تاریخ سے لگاؤ ہے۔ لور جو اپنی عمر کا کچھ حصہ گزری ہوئی تاریخ پر نظر رکھتے ہیں۔ اس وقت کی شخصیات اور معروف خواتین کے حالات زندگی کے مطالعہ میں صرف کرتے ہیں کچھ لوگ تاریخی کتب کا مطالعہ محض ایک مشغلے کے طور پر کرتے ہیں۔ میری نظر میں ایسے لوگ تاریخ اس غرض سے پڑھتے ہیں کہ وقت گزاری کے ساتھ ساتھ تعجب آور لور دلچسپ قصے بھی یاد کر لیے جائیں لور پھر ان کہانی لور قصوں کو دوستوں کی محفل میں پورے آب و تاب کے ساتھ بیان کیا جائے۔

لیکن ایک لور گروہ تاریخ کا مطالعہ ایک آلا لور بلند مقصد کے تحت تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے۔ لور ایسے حضرات بزرگوں کے حالات زندگی کا مطالعہ سبق آموزی کی غرض سے کرتے ہیں۔ وہ حضرات تاریخ میں ان بزرگوں کی عظمت لور کامیابی کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ ان بزرگوں کے

اعمال اور افعال کو اپنی زندگی کے لیے مشعل راہ قرار دے سکیں۔ یہ حضرات اس طرح تاریخ کے ذریعے قوموں کی اور افراد کی شکست اور فتح کے عوامل و اسباب معلوم کر سکیں۔ تاکہ خود ان میں گرفتار نہ ہوں اور اپنے معاشرے کو اس سے محفوظ کر سکیں۔

اسلام نے عورتوں کے حقوق اور ترقی کے لیے خاص احکام قوانین وضع کئے ہیں۔ جس کے ذریعے اسلام کی خواتین اور اسلامی تربیت کے درخشاں آثار اور نتائج کو دیکھا جا سکتا ہے۔ مکتب وحی کی تربیت یافتہ خواتین سے ہم سب شناسائی حاصل کر سکیں۔ اور ان بلند و بالا خواتین کی زندگی کی جزئیات کا تحقیق و گہری نظر سے جائزہ لیں سکیں۔

جناب فاطمہؑ تمام اسلامی خواتین میں صف اول پر فائز ہیں کیونکہ صرف یہی وہ خاتون ہیں جو خود معصوم۔ ان کے والد گرامی معصوم۔ اور ان کے شوہر معصوم ہیں۔ آپ کے رہن سہن اور تربیت کا ماحول عصمت و طہارت کا ماحول تھا۔ آپ نے دو معصوم فرزندوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی تربیت فرمائی۔ اور دو شیر دل اور جاں نثار بیٹیوں کو اسلامی معاشرے کے سپرد کیا۔

ہر انسان کی شخصیت بڑی حد تک اپنے خاندان کے حالات۔ اپنے ماں باپ کے اخلاق اور اس ماحول سے وابستگی رکھتی ہے جس میں وہ نشو نما پاتا ہے والدین ہی بچے کی شخصیت کی اساس اور بنیاد رکھتے ہیں اور اس بچے کی نشو نما کو اپنے کردار اور اخلاق کے سانچے میں ڈھال کر معاشرے کے سپرد کرتے ہیں۔ یہ حقیقت اس حد تک واضح ہے کہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر اولاد اپنے ماں باپ کی

شخصیت اور ان کے طرز تربیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

حضرت فاطمہؑ کی والدہ حضرت خدیجہؑ بنت خویلد تھیں۔ حضرت خدیجہؑ قریش کے ایک شریف اور معزز خاندان میں پیدا ہوئیں اور اس ماحول میں پرورش پائی۔ آپ کے خاندان کے تمام افراد دانشمند، اہل علم اور خانہ کعبہ کی حفاظت کرنے والے لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ جناب خدیجہؑ کسی تعریف و توصیف، وضاحت اور تشریح کی محتاج نہیں ہیں آپ کی عظمت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ خداوند عالم نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ کہ

اور آپ اخلاق کے بلند ترین درجہ پر فائز ہیں

(سورۂ قلم ۶۸۔ آیت ۴)

اسلامی خواتین کی صفات حیرت انگیز اور فکر خیز ہیں ذہن میں سوال اٹھتا ہے کہ ان بلند و بالا خواتین کی برتر شخصیت کی تعمیر میں کن عناصر کا حصہ ہے۔ صفات کے اس سدا بہار گلشن میں رنگ و بو کا بے نظیر سرمایہ کہاں کہاں سے آیا ہے۔

علامہ اقبال کہتے ہیں

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز

از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز

بارگاہ خداوندی میں بحق آئمہ معصومینؑ و بطفیل ساکن غیبت دست دعا ہوں کہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد کوئی ایک خاتون جو ہوائے مغرب کے گمراہ جھونکوں میں اڑ کر قانون شریعت سے دور چلی گئی ہوں وہ لوٹ کر اپنے اس

اسلامی دائرے میں آجائے جو کنیزانِ فاطمہؑ کا دائرہ ہے۔

محترم جناب ایوب نقوی مصطفےٰ آبادی لائقِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اسلامی خواتین کی سوانح حیات پر قلم اٹھایا اور موضوع سے متعلق تمام پہلوؤں کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ موصوف کی یہ کاوش بارآور ثابت ہو اور نسلِ نو اس کے ذریعہ اپنے ذہنوں کی اصلاح کر سکیں۔ آمین

معلمہ ذاکری خانم عذرا الحسن
قم ایران
۲۰ مئی ۲۰۰۱

حرفِ آغاز

اسلام نے عورت کو اس کے پیدائشی حقوق دیئے اور اس کے لیے ترقی کی راہیں ہموار کیں۔ اس فضا میں بڑی بڑی نامور خواتین دنیا اسلام میں پیدا ہوئی ہیں۔ انھیں بلند مرتبہ خواتین کی صف میں بہت سی مثالی خاتون رہیں۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ آج تک جتنے بھی معرکے ہوئے ہیں ان سب میں حق پرستوں کے مورچوں کی کمان مردوں نے کی ہے اور ہمیشہ یہی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ عورتوں کو میدان جنگ سے دور رکھا جائے دنیائے عالم نے ہمیں بہت سی ایسی خواتین عطا کی ہیں جو کہ پاکیزگی عبادت گزاری حق شناسی میں بے مثال رہی ہیں۔

عرب کا دستور تھا کہ وہ بیٹیوں کو بہت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اپنے یہاں بیٹی کی پیدائش کو رسوائی اور ذلت سمجھتے تھے چنانچہ اسی بنا پر وہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی دفن کر دیتے تھے اور جو بے چاریاں اس خراب رسم کی زد سے بچ جاتیں تھیں ان کی اولاد حقیر سمجھی جاتی تھیں۔

اسلام کی تاریخ کا ایک تاریک پہلو یہ بھی ہے کہ بنی امیہ اور عباسی بادشاہوں کے عہد میں من گھڑت، فرضی حدیثوں اور روایتوں کی بنیاد پر جو

تاریخیں لکھی گئیں ان میں آلِ محمدؐ اور آلِ ابو طالبؑ کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور وہ طریقہ اپنایا گیا کہ بہت سے سادہ لوح حضرات جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ سمجھ بیٹھے۔ فرضی اور بے بنیاد حدیثوں اور روایتوں کے اس زبردست سیلاب نے اسلام کے مقصد کو جو بے پناہ نقصان پہنچایا اس کی تلافی پھر ممکن نہ ہو سکی۔ کیوں کہ ان فرضی حدیثوں اور روایتوں میں سے بہت سی حدیثیں مقبول ہو کر رواج پا گئیں۔ جن کی وجہ سے ہزاروں حدیثیں اور روایتیں آلِ محمد ﷺ و آلِ ابو طالبؑ کی طرف منسوب ہو گئیں۔

علامہ شبلی نے اپنی کتاب 'سیرۃ النبیؐ' میں تحریر کیا ہے کہ مذکورہ علماء حدیثوں کے امام ہیں لیکن اس کے باوجود یہ لوگ خلفا اور صحابہ کے فضائل میں بے تکلف ضعیف حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔

ان تاریخ دانوں نے خانوادہ رسالتؐ کے جو حالات تحریر کئے ہیں ان کی تحریروں پر غور و فکر کرنے سے یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ ان کے دل ان کے ضمیر اور ان کے قلم حکومت وقت کے ہاتھوں بکے ہوئے تھے۔

اسلام کی نامور خواتین کی تالیف میں میں نے یہ خصوصی لحاظ رکھا ہے کہ اس میں ان خواتین پر بھرپور نظر رکھوں ان کے متعلق واقعات مصائب کسی بھی لحہ نظر انداز نہ ہونے دوں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا

جب کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہو جاتی تو شرم سے اس کا منہ کالا ہو جاتا اور وہ غیرت کے مارے لوگوں کی نظروں سے

چھپتا پھرتا اور سوچتا کہ ذلت و رسوائی کے لئے اسے زندہ رہنے دے یا زمین میں دفن کر دے۔

(نحل آیت نمبر ۵۸-۵۹)

اللہ نے عرب کے اس عقیدہ فاسدہ کو باطل کرنے کے لئے رسولؐ اللہ کو لڑکی دی اور جناب فاطمہ زہراؑ کو ابنائے رسولؐ قرار دیا۔ میراث رسولؐ میں بھی جناب فاطمہؑ کو شریک بنایا اور اوصاف رسولؐ میں فضل و شرف میں بھی اور روحانی اقتدار میں بھی شریک کیا۔

اسلام کی ان بلند و بالا خواتین نے صنف نازک کی دوسری ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور بنی نوع انسان کو حقیقت کی پاکیزہ راہ دکھانے میں جہاں مریمؑ، خدیجہؑ، فاطمہؑ الزہراؑ کی عبقری شخصیتیں اپنے مقدس کردار کی روشنی میں ہمیشہ کے لئے جبین تاریخ کی زینت بن کر نمونہ عمل ثابت ہو رہی ہیں۔ وہاں جناب زینبؑ بھی اپنے عظیم باپ حضرت علیؑ کی عظمت بن کر انقلاب کربلا کا مقدس پرچم اٹھائے ہوئے حق و باطل ایمان و کفر اور عدل و ظلم کے درمیان حد فاصل کے طور پر پہچانی جاتی ہیں۔ صبر و استقامت کا کوہ گراں بن کر علیؑ کی بیٹی نے ایسا کردار پیش کیا جس سے ارباب ظلم و جور کو شرمندگی اور ندامت کے سوا کچھ نہ مل سکا۔

برادرم سید مطیع حسن عابدی مقیم جرمنی کے مسلسل حکیمانہ اصرار کے نتیجے میں اسلام کی نامور خواتین کے عنوان سے میں یہ کتاب آپ لوگوں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ میں بھائی سید رضا صادق مقیم نیو جرسی امریکہ کا

بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے میری گذارش پر جناب فضہؑ پر تحقیق کر کے مواد ہم تک پہنچایا۔ میں جناب رحمت بھائی مقیم ساؤتھ افریقا کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے جناب خدیجہؑ پر اپنی تحقیق ہم تک پہنچائی آخر میں اپنے دوست عثمان صدیقی مقیم الہ آباد بھارت کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے اپنی تحقیق جناب ام البنین بنت خرام کلابیہ ہم تک پہنچائی۔ میرے چاہنے والے ساری دنیا میں موجود ہیں یہ مولا کا کرم ہی تو ہے کہ مجھے موقعہ دیا کہ میں اپنی تحریر آپ لوگوں تک پہنچاؤں۔

میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں یہ فیصلہ تو آپ کریں گے۔ اس سے پہلے بھی میں نے آپ لوگوں کی خدمت میں زینبؑ بنت علیؑ ترجمان کربلا۔ عباسؑ ابن علیؑ۔ علمدار کربلا۔ مشکل کشا علیؑ مولا۔ سکینہؑ سکینہؑ ہے۔ کربلا کا ننھا شہید۔ مختارؒ نامہ۔ پیش کر چکا ہوں ان تالیف کو آپ لوگوں نے بے حد پسند فرمایا۔ آپ لوگوں کی یہ محبت ہی تو ہے جو مجھے حوصلہ دیتی ہے مولا علیؑ کا کرم ہی تو ہے کہ میری یہ کوشش اسلام کی نامور خواتین کے نام سے آپ تک پہنچانے میں کامیاب ہو رہا ہوں۔

جن بزرگواروں کی تحریر و تالیف و مواعظ سے میں نے اس کتاب کی تالیف میں مدد لی ہے۔ ان میں سے جو زندہ ہیں اللہ ان کو دینی و دنیاوی درجات پر فائز کرے۔ جن کو تو اپنے پاس بلا چکا ہے ان کی ارواح کو بطفیل پنجتن پاک راحت و چین عطا فرما۔ ’آمین‘

میں نے کوشش کی ہے کہ صحیح واقعات اور حالات قلمبند کروں۔

دنیاوی مشاغل وافکار میری راہ میں ہمیشہ حائل رہے ہیں اس لئے حسب خواہش میں پوری لگن سے کام نہ کر سکا۔ اگر آپ کو کتاب میں نقائص و مصائب نظر آئیں تو ہم کو ضرور مطلع فرمائیے تاکہ آئندہ اشاعت میں وہ خامیاں دور کر سکوں۔

خداوندا اگر تیرے نزدیک اس ناچیز کی کوشش کی کوئی حیثیت ہے تو اس کا ثواب میرے جوان سال بھائی مرحوم سید محمد تنویر ابن سید محمد نصیر نقوی کے حضور پیش کرتا ہوں اس امید پر کہ میرا بھائی خداوند عالم کی بارگاہ میں سرخرو ہوگا۔

والسلام

الحاج ایوب نقوی مصطفےٰ آباد

۱ اگست ۲۰۰۱ء

دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں

۱۔ تم اللہ کو جانتے ہو مگر اس کی اطاعت نہیں کرتے ہو۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے ہو مگر ان کی پیروی نہیں کرتے ہو۔

۳۔ حضرت امام علیؑ کو جانتے ہو مگر ان کی کہی ہوئی باتوں پر عمل نہیں کرتے

۴۔ قرآن پاک پڑھتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے ہو۔

۵۔ اللہ کی نعمت کھاتے ہو مگر اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

۶۔ جانتے ہو جنت اطاعت کرنے والوں کیلئے ہے مگر اسکی طلب نہیں کر

۷۔ جانتے ہو دوزخ گناہ گاروں کیلئے ہے مگر اس سے نہیں ڈرتے ہو۔

۸۔ شیطان کو دشمن جانتے ہو مگر اس سے دوستی کرتے ہو۔

۹۔ دوستوں اور اقارب داروں کو اپنے ہاتھوں سے دفن کرتے ہو۔ مگر نہیں پکڑتے ہو۔

۱۰۔ موت کو برحق جانتے ہو مگر اس کا سامان نہیں کرتے ہو۔

۱۱۔ دوسروں کی عیب جوئی کرتے ہو مگر اپنی برائیوں کو ترک نہیں کرتے

۱۲۔ اپنے مفاد کے لئے جھوٹ بولتے ہو مگر سچ کو اپناتے نہیں۔

حضرت آمنہؑ والدہ گرامی رسول اللہ ﷺ

ابن سعد کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو جناب آمنہؑ نے ایک شخص کے ذریعہ ولادت رسول اللہ ﷺ کی اطلاع حضرت عبدالمطلبؑ کو دی اس وقت جناب عبدالمطلبؑ خانہ کعبہ کے مقام حجر اسود پر اپنے فرزندوں اور سرداران مکہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ پوتے کی ولادت کی خبر سن کر بے حد خوش ہوئے اور اسی وقت کھڑے ہو گئے اور گھر کی طرف چل دیئے آپ کے ہمراہی بھی ساتھ ہو لئے۔ جب آپ جناب آمنہؑ کے پاس تشریف لائے تو انھوں نے تمام حالات سے آپ کو مطلع کیا۔ اس کے بعد آپ نے مولود کو اپنی آغوش میں لے لیا اور سینے سے لگائے ہوئے سیدھے خانہ کعبہ میں لے آئے۔ خداوند عالم کا شکریہ ادا کیا اور آنحضرت ﷺ کی سلامتی کے لئے دعا فرمائی۔ آپ نے فرمایا پروردگار اس نعمت کے عوض میں کس زبان سے تیری حمد و ثنا کروں۔ پالنے والے تو نے ہمیں وہ فرزند عطا کیا ہے جو میرے لخت دل عبداللہ کی نشانی اور یادگار اور تمام خلائق میں پاک و پاکیزہ ہے۔ اے سارے جہان کے مالک تو اس مولود کو اپنے حفظ و امان میں رکھ اور انھیں رسوا کر جو اس کا برا چاہیں۔

(طبقات ابن سعد حالات ولادت آنحضرت ﷺ)

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں تحریر فرمایا ہے کہ آنحضرت کی ولادت کے

ساتویں دن عبدالمطلبؑ نے تقریب عقیقہ منعقد کر کے قریش کو مدعو کیا۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو انھوں نے عبدالمطلب سے پوچھا کہ اس مولود کا نام کیا رکھا ہے۔ جس کی ولادت کی خوشی میں آپ نے ہم سب کو مدعو کیا ہے۔ عبدالمطلب نے فرمایا 'محمدؐ' لوگوں نے کہا ایسا نام آپ نے کیوں نہیں رکھا جیسا کہ اب تک آپ کے گھرانے میں رکھا جاتا رہا ہے جناب عبدالمطلب نے فرمایا میں نے اس نیت سے یہ نام رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بچہ کو ممدوح فرمائے۔ سماوات میں اور مخلوق خدا زمین پر اس کی مداح ہو (تاریخ احمدی ص ۸)

علامہ دیار بکری تاریخ خمیس میں رقم طراز ہیں کہ رسول اکرمؐ کی ولادت کے موقع پر عبدالمطلب نے اونٹ ذبح کرائے اور قبیلہ قریش کے لوگوں کی دعوت کی۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی تو لوگوں نے پوچھا کہ جس مولود کی خوشی میں آپ نے ہمیں مدعو کیا ہے اس کا نام کیا رکھا ہے۔ عبدالمطلبؑ نے فرمایا 'محمدؐ' اس پر لوگوں نے کہا کہ کیا آپ کو اپنے بزرگوں کے ناموں سے رغبت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ نام اس لئے رکھا ہے تاکہ یہ بچہ زمین و آسمان پر محمود ہو۔ یہ قول بھی تاریخوں میں ملتا ہے کہ آپ کی مادر گرامی جناب آمنہؑ نے بشارت کی بنا پر آپ کا نام 'محمدؐ' رکھا تھا۔

اہل اسلام کا یہ کہنا ہے کہ جناب آمنہؑ کے بعد سرکار دوعالم ﷺ کو ثویبہ اور حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا۔ کچھ مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سعادت کی تقدیم کا شرف ثویبہ کی خوش قسمتی کا حصہ تھا جسے ابولہب نے اپنی کنیزی سے آزاد کر دیا تھا۔ آزادی کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمات رضاعت

سے حلیمہ سعدیہ مشرف ہوئیں۔ چنانچہ ابن سعد کا کہنا ہے کہ حضرت آمنہؑ کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا۔ کیونکہ حلیمہ اس وقت نہیں آئیں تھیں۔ آنحضرتؐ سے قبل ثویبہ ہی نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؑ اور ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو بھی اپنا دودھ پلایا تھا (طبقات ابن سعد ۱۸)

علامہ زرقانی حضرت آمنہؑ کی مدت رضاعت کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ آپ نے حضور اکرمؐ کو کل نو (۹) دن دودھ پلایا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ تین دن حضرت آمنہؑ نے دودھ پلایا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ سات دن تک دودھ پلایا۔ ان سب اقوال کو تاریخ خمیس نے لکھا ہے (زرقانی ج ۱ ص ۱۶۷)

ثویبہ کے ایام رضاعت کی کوئی خاص مدت کسی تاریخ میں نہیں ملتی البتہ زرقانی کی تحریر سے یہ واضح ضرور ہوتا ہے کہ حلیمہ کے آنے سے پہلے ثویبہ نے چند روز تک آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا۔ اس کے بعد یہ خدمت حلیمہ سے متعلق ہوگئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ثویبہ کی رضاعت کے دوران عرب کے قدیم دستور کے مطابق عورتوں کی مختلف جماعتیں دودھ پلانے کا کام تلاش کرتی ہوئی مکہ آتی تھیں اسی قافلہ میں حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔

حلیمہ سعدیہ کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزی تھا جو قبیلہ ہوازن کی قریبی شاخ بنو سعد سے تھے یہ قبیلہ عرب میں اپنی فصاحت و بلاغت کے لئے خاص طور پر مشہور تھا۔ اس طرح حلیمہ کی ہمراہی عورتوں کو تو شرفا اور رؤساء کے بچے رضاعت کے لئے مل گئے۔ مگر حلیمہ کو اتفاق سے کوئی بچہ نہ مل سکا۔

حلیمہ اسی فکر و تلاش میں حضرت عبدالمطلب کے دولت سرا تک پہنچی۔ جناب
آمنہؑ نے انہیں اپنے یتیم بچے کی رضاعت کے لئے پسند فرمایا عوض مالی منفعت کی
امید بچے کے باپ ہی سے ہوا کرتی ہے۔ پھر اپنے متعلق یہ سوچ کر کہ میں
معطل رہ جاؤں گی انھوں نے اس خدمت کو قبول کیا اور آنحضرت ﷺ کو اپنے
ہمراہ لے کر مکہ معظمہ سے اپنے قبیلے کی طرف پلٹ آئیں۔

ابن اسحاق نے اپنی 'سیرت' میں تحریر فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ چھ
برس تک حلیمہ سعدیہ کے پاس ان کے قبیلے میں پرورش پاتے رہے۔ حلیمہ نے
اس شش سالہ (۶) مدت میں یہ اصول قائم رکھا کہ ہر چھ ماہ بعد آپ کو اپنے ہمراہ
لے کر مکہ آتی تھیں اور ہفتہ دس دن جناب آمنہؑ کے گھر میں رہ کر پھر واپس
آنحضرت کو اپنے ساتھ لے جاتیں تھیں۔

عرب میں شہر کے ماحول کو زبان کے خراب ہونے کا ذمہ دار سمجھا جاتا
تھا اس لئے بچوں کو زمانہ رضاعت ہی میں بادیہ نشین عربوں میں بھیج دیا جاتا تھا
جن کے متعلق یہ امر مسلم تھا ان کی زبان اپنی اصلی فصاحت پر باقی تھی۔ چنانچہ
حضرت رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی پیدائش کے بعد ایسا ہی انتظام کیا گیا تھا اور
قبیلہ بنی سعد کی ایک خاتون حلیمہ بنت عبداللہ آپ کی مرضعہ مقرر ہوئیں آپ
نے جوان ہونے تک اسی قبیلہ میں قیام کیا۔ (تاریخ اسلام ص ۴۲)

علامہ عبدالباقی زرقانی کا بیان ہے کہ رضاعت کے دو برس تمام
ہوئے تو حلیمہ حسب دستور آپ کو جناب آمنہؑ کے پاس مستقل طور پر چھوڑنے
کے لئے آئیں مگر چونکہ ان دنوں میں مکہ میں وبائی امراض کی کثرت تھی۔ آپ

کے لئے ہوا موافق نہ تھی اس لئے حضرت آمنہؑ کی خواہش پر حلیمہ پھر اپنے
ساتھ واپس حضرت رسول اللہ ﷺ کو لے گئیں اور مزید دو سال تک اپنے پاس
رکھا اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو لا کر جناب آمنہؑ کو دے دیا۔

اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ تمام مورخین، محدثین اور مفسرین
نے ثویبہ اور حلیمہ سعدیہ کے متعلق یہ تحریر کیا ہے کہ ان عورتوں نے سرکار دو
عالم رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ مگر عقل سلیم رضاعت کی ان روایات کو
قبول کرنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ دنیا کی کوئی تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ کسی نبیؑ کو
اس کی ماں کے علاوہ کسی غیر عورت نے اپنا دودھ پلایا ہو اور نہ ہی حضرت آدمؑ
سے حضرت عیسیٰؑ تک کسی مثال کے ذریعہ اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت
ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے واقعات گواہ ہیں کہ کن ناسازگار حالات میں
قدرت نے ان کی ماؤں کو ان تک پہنچایا اور جب ماں کے پہنچنے میں کسی مجبوری کی
وجہ سے تاخیر ہوئی تو خود اسی بچہ کے انگوٹھے سے دودھ کا دھارا جاری کر دیا۔

جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ہوا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر بچے کو
ماں کا دودھ نہ ہو سکے تب بھی وہ شکم سیر ہوتا رہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ
انبیائے ماسبق کے اصولوں اور طریقوں سے ہٹ کر رسول اللہ ﷺ کو ماں کے
علاوہ کسی دوسری عورت کے دودھ پلانے کو کیونکر تسلیم کیا گیا۔ خصوصاً ایسی
صورت میں جبکہ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ دودھ سے جو گوشت، پوست اور
خون بنتا ہے وہ نسب کے گوشت و پوست کے مانند ہوتا ہے۔ (مفردات امام
راغب اصفہانی) پھر ایسی صورت میں جب کہ آپ کی والدہ جناب آمنہؑ موجود

تھیں اور عہد رضاعت کے بعد تک زندہ رہیں۔ لہذا فطری طور پر یہ خیال
ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جناب آمنہؑ نے دودھ پلایا تھا اور ثویبہ و حلیمہ
آپ کی پرورش و پرداخت کے فرائض انجام دیئے تھے۔ اس نظریہ کو قرآن مجید
کی اس آیت سے بھی تقویت پہنچتی ہے جس میں خداوند عالم حضرت موسیٰؑ کے
لئے ارشاد فرماتا ہے کہ :۔

ہم نے دودھ پلائے جانے کے سوال سے پہلے ہی موسیٰؑ پر تمام
دائیوں کے دودھ کو حرام کر دیا تھا (قرآن مجید پ ۲۰ رکوع ۴)

بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ خداوند عالم حضرت موسیٰؑ کو تو ماں کے
دودھ کے علاوہ دیگر عورتوں کے دودھ سے بچانے کا اتنا اہتمام کرے اور
موسیٰؑ حضرت محمد ﷺ کو اس طرح نظر انداز کر دے کہ ایسی عورتیں انہیں
دودھ پلائیں جن کا اسلام بھی واضح نہیں ہے۔

جب آپ چھ برس کے ہوئے تو آپ کی مادر گرامی جناب آمنہؑ آپ
اپنے ساتھ لے کر جناب عبداللہؑ کی قبر کی زیارت کو مکہ سے مدینہ تشریف
لائیں اور وہاں ایک ماہ تک مقیم رہیں۔ اسی اثنا میں بیمار پڑیں اور واپسی
ابواء کے مقام پر جو مدینہ سے تقریباً ۳۳ یا ۳۴ کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے آپ
نے انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئیں (جو جگہ اب ام رسول کہلاتی ہے)
جناب آمنہؑ کی خادمہ ام ایمن وہاں سے آنحضرت ﷺ کو اپنے ہمراہ لے کر مکہ
واپس آگئیں۔

پدر بزرگوار کا سایا تو پہلے ہی اٹھ چکا تھا۔ ۶ برس کا سن تھا کہ آپ

والدہ جناب آمنہؑ بھی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ جناب آمنہؑ آپ کو لیکر مدینہ
اپنے میکے والوں سے ملنے گئیں تھیں کہ واپسی میں بیمار ہوئیں اور مقام ابواء پر
آپ کا انتقال ہو گیا (طبقات ابن سعد و سیرت ابن ہشام اور تاریخ اسلام ج ۱
ص ۴۲)

حضرت فاطمہؓ بنت اسد والدہ گرامی حضرت علیؑ

فاطمہؓ بنت اسد جناب ابو طالبؑ کی زوجہ اور حضرت علیؑ کی مادر گرامی تھیں۔ آپ کے والد اسد قبیلہ بنت عامر کے بطن سے حضرت ہاشم کے فرزند تھے اس لحاظ سے آپ جناب ہاشم کی پوتی اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اور حرم ابو طالبؑ ہونے کی وجہ سے چچی بھی تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ جناب ابو طالبؑ کی کفالت میں آئے تو آپ ہی کی گود پیغمبرؐ ایسے ہادی اکبر اور رہبر اعظم کی گہوارہ تربیت بنی۔ اگر جناب ابو طالبؑ نے پیغمبر ﷺ کی نگہداشت و تربیت میں باپ کے فرائض انجام دیئے تو جناب فاطمہؓ بنت اسد نے اس طرح محبت و جاں سوزی سے دیکھ بھال کی کہ یتیم عبداللہ کو ماں کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا۔ آپ اپنے بچوں سے زیادہ ان کا خیال رکھتیں اور ان کے مقابلہ میں اپنی اولاد کی کوئی فکر و پرواہ نہ کرتیں۔ محبت شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب خرما کے درختوں میں پھل آتا تو روزانہ صبح تڑکے اٹھ کر خرموں کے کچھ صاف ستھرے دانے چن کر اپنے بچوں سے چھپا کر علیحدہ رکھ دیتی تھیں اور جب بچے اپنے اپنے کھیلوں میں ادھر ادھر ہوتے تو چپکے سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتی تھیں۔ اسی طرح جب دستر خوان بچھتا تو اس پر سے کچھ کھانا اٹھا کر الگ رکھ دیتیں تاکہ آنحضرت ﷺ اگر دوبارہ کھانے کی خواہش کریں تو وہ انھیں دے

سکیں۔ رسول اللہ ﷺ بھی فاطمہؓ بنت اسد کو ہی اپنی ماں سمجھتے تھے۔ ماں ماں کہہ کر پکارتے تھے اور فاطمہؓ بنت اسد کا ماں ہی کی طرح عزت و احترام کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ ان کی شفقت و محبت کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

'میرے چچا ابو طالبؑ کے بعد جناب فاطمہؓ بنت اسد سے زیادہ کوئی مجھ پر شفیق و مہربان نہ تھا'

آنحضرت ﷺ فاطمہؓ بنت اسد کی مادرانہ شفقت سے اس قدر متاثر تھے کہ منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد اپنے فرائض منصبی سے وقت نکال کر ان کے یہاں تشریف لاتے اور اکثر دوپہر کے اوقات انھیں کے گھر میں گزارتے تھے۔ ابن سعد اپنی کتاب (طبقات ج ۸ ص ۲۲۲) میں تحریر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آپ کی زیارت کو آتے اور دوپہر کو وہیں قیام فرماتے۔

جناب ابو طالبؑ ہاشمی تھے تو جناب فاطمہؓ بنت اسد بھی ہاشمیہ تھیں اور مادری و پدری دونوں نسبتوں سے ہاشمی ہونے کا شرف سب سے پہلے ابو طالبؑ کی اولادوں کو حاصل ہوا۔ جیسا کہ ابن قتیبہ نے تحریر کیا ہے کہ فاطمہ بنت اسد پہلی ہاشمیہ خاتون ہیں جن کے بطن سے ہاشمی اولادیں ہوئیں۔ (معارف ص ۸۸)

جناب فاطمہؓ بنت اسد اس خانوادہ سے تعلق رکھتی تھیں جو تہذیب و معاشرت اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے دوسرے خاندانوں سے ممتاز، جاہلیت

کے اثرات سے پاک اور انسانی اقدار کا نمائندہ تھا آپ میں موروثی صفات
خاندانی خصوصیات پوری طرح راسخ اور اجاگر تھیں۔ آپ اپنے آباء و اجداد کی
طرح مسلک ابراہیمی کی پابند، دین کی پیروکار اور کفر و شرک کی آلایشوں سے
پاک و صاف تھیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ سے خلقی و
اشتراک کے سلسلے میں فرمایا۔

خدائے بزرگ و برتر نے ہمیں حضرت آدمؑ کی صلب سے پاکیزہ صلبوں
اور شکموں کی طرف منتقل کیا۔ جس صلب سے میں منتقل ہوا اسی صلب سے
میرے ساتھ علیؑ بھی منتقل ہوئے یہاں تک کہ خداوندِ عالم نے مجھے آ
کے شکم سے اور علیؑ کو جناب فاطمہؑ بنت اسد کے شکم مبارک سے پیدا ک
(کفایت الطالب ص ۲۶)

جناب فاطمہؑ بنت اسد خاندانی رفعت، نسبتی شرافت اور پاکیزہ سیر
کے ساتھ بیعت اور ہجرت میں بھی سبقت کا شرف رکھتی ہیں۔ ابن صباغ
نے تحریر فرمایا ہے کہ جناب فاطمہؑ بنت اسد اسلام لائیں۔ پیغمبر ﷺ
ساتھ ہجرت کی اور سابق الاسلام خواتین میں سے تھیں۔ (فصول المہمہ ص

جناب فاطمہؑ بنت اسد ریاضت، عبادت، زہد، تقویٰ اور طہارت
بلند درجات پر فائز تھیں۔ رسول اللہ ﷺ سے جب فشار قبر، حشر و نشر
حساب و کتاب کا ذکر سنتیں تو خوف و دہشت سے لرز جاتیں۔ ایک مرتبہ
نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے جب یہ سنا کہ لوگ قیامت کے دن برہنہ
ہوں گے تو فرمانے لگیں کہ یہ تو بڑی رسوائی کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ

فرمایا کہ میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کو برہنہ نہ محشور کرے۔

۴ھ میں جب آپ نے رحلت فرمائی تو حضرت علیؑ روتے ہوئے
رسول اللہ ﷺ کو اطلاع مسجد مدینہ میں دینے آئے اور عرض کی میری مادر گرامی
نے انتقال فرمایا۔ یہ خبر سن کر رسول اللہ ﷺ بھی بے اختیار رو دیئے اور فرمایا
کہ اللہ کی قسم وہ صرف تمہاری ہی مادر گرامی نہیں تھیں بلکہ میری بھی ماں
تھیں۔ اور اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے صحابہ بھی سر جھکائے ساتھ ہو لئے۔
گھر آئے۔ مرحومہ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اپنا پیراہن اتار کر دیا کہ اسے کفن
کے طور پر پہنا دیا جائے اور جب غسل و کفن کے بعد جنازہ گھر سے باہر نکلا تو
آپ نے آگے بڑھ کر کاندھا دیا۔ جنت البقیع تک سر و پا برہنہ رسول اللہ ﷺ
ساتھ رہے۔ چند آدمیوں کو جگہ کی نشانی بتا کر قبر کھودنے پر مامور کیا۔ اور جب
قبر کھد کر تیار ہوئی تو خود بہ نفس نفیس اس میں اترے۔ اسے کناروں سے اور
کھود کر کشادہ کیا اور اپنے ہاتھوں سے لحد تیار کی پھر آپ تھوڑی دیر کے لئے اس
لحد میں لیٹ گئے اور دائیں بائیں کروٹیں لینے کے بعد باہر آئے اور روتے ہوئے
فرمایا۔

اے مادر گرامی! خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ بہترین ماں
تھیں۔ (تاریخ خمیس ج ۲ ص ۵۳۶)

اس امتیازی برتاؤ کو دیکھ کر کچھ صحابہ کہنے لگے۔ یا رسول اللہ ﷺ یہ
برتاؤ کسی اور کے لئے آپ سے سرزد نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ
میرے چچا ابو طالبؑ کے بعد مرحومہ کے احسانات میرے سر پر سب سے زیادہ

ہیں۔ خود بھوکی رہ کر میرا پیٹ بھرتی رہیں اور خود پھٹے پرانے کپڑے پہن
مجھے اچھا لباس پہناتی تھیں۔ خود تکلیفیں برداشت کر کے میرے لئے راحت
آرام کا سامان فراہم کرتی تھیں۔ میں نے اپنا پیرہن انہیں اس لئے دیا کہ
میں وہ پردہ پوش محشور ہوں اور لحد میں اس لئے لیٹا ہوں کہ فشار قبر سے
رہیں۔ اہل سنت کے ممتاز عالم شیخ علی مرزوقی تحریر فرماتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جناب فاطمہ بنت اسد کو خود دفن کیا اور ا
اپنے پیراہن کا کفن دیا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا گیا کہ آ
فرزند آپ کا فرزند۔ جب رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا
نے فرمایا کہ انبیاء کے بارے میں جب سوال ہوا تو آپ نے یہ آسانی جواب
لیکن جب امام کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ تردد میں مبتلا ہوئیں۔ چنانچہ
نے آپ کا فرزند آپ کا فرزند کہہ کر علیؑ کے نام کے متعلق تلقین کر
(کتاب الازمنہ والامکنہ ج ۲ ص ۲۸۰)

جناب فاطمہ بنت اسد کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی مگر جب اس
چاروں طرف چار دیواری بنائی گئی تو آپ کی قبر مطہر اس کے حدود سے باہر
اور اب ایک خستہ و خراب رہگزر پر واقع ہے۔ جب حجاج و زائرین ادھر
گزرتے ہیں تو اس قبر پر بھی فاتحہ خوانی کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ابن قتیبہ کا کہنا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کے چار بیٹے تھے۔
عقیل، جعفر اور حضرت علیؑ تھے اور ان سب میں دس دس برس کی
جدائی تھی۔ دیار بکری کا کہنا ہے کہ ان بیٹوں کے علاوہ آپ کی تین

تھیں۔ ریطہ، جمانہ اور فاختہ (ام ہانی) تھیں۔ جناب طالبؑ کے بارے میں
مورخین کا کہنا ہے کہ مشرکین مکہ نے جب آپ کو جنگ بدر کے موقع پر اپنے
ساتھ لے جانا چاہا تو آپ نے اپنے اشعار میں یہ دعا کی تھی کہ پروردگار اگرچہ
میں ان بھیڑیوں کے غول میں ہوں لیکن میری دلی دعا یہ ہے کہ مشرکین
مسلوب و مغلوب ہوں۔ چنانچہ جب آپ کی دعا قبول ہوئی تو طالبؑ کا پتہ نہ
مقتولوں میں چلا اور نہ قید ہوئی۔ واضح رہے کہ ہاشمی خانوادہ کہ ہجرت کے بعد
آپ مکہ ہی میں مقیم رہے اور حالت تقیہ میں رہ کر اسلام کی خدمت انجام دیتے
رہے۔ جناب عقیل ۵۹۰ء میں پیدا ہوئے اور حدیبیہ کے موقع پر مشرف
بہ اسلام ہوئے اور ۸ھ میں مدینہ آگئے۔ آپ نے جنگ موتہ میں بھی
شرکت کی تھی۔ بہت بڑے نسابہ تھے اور قبائل عرب کی نسبی کیفیت سے
خوبی واقف تھے۔ ۹۴ سال کی عمر میں ۵۰ھ مطابق ۶۷۰ء میں مدینہ
میں انتقال فرمایا۔ جناب جعفر صورت و سیرت میں رسول اللہ ﷺ سے بہت
مشابہ تھے۔ لہٰذا ابتدا ہی میں ایمان و اسلام سے مشرف ہوئے۔ آپ نے ہجرت
حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں میں شرکت کی جنگ موتہ میں آپ کے دونوں ہاتھ
قلم ہوگئے تو آپ نے علم دانتوں سے سنبھالا بالآخر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔
آپ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان کے ہاتھوں کے عوض اللہ
نے ان کو جنت میں دو پر عطا فرمائے ہیں اور آپ فرشتوں کے ہمراہ پرواز کیا
کریں گے۔ آپ کے جسم پر نوے (۹۰) زخم کاری لگے تھے۔ ۴۱ سال کی عمر
میں شہادت پائی۔ آپ کی زوجہ اسماء بنت عمیس تھیں آپ نے آٹھ بیٹے چھوڑے

تھے جن میں عبداللہ بن جعفر اور محمد بن جعفر کا نام زیادہ نمایاں ہے۔ یہی عبداللہ حضرت زینبؑ بنت علیؑ کے شوہر تھے۔ جناب محمد بن جعفر جناب ام کلثوم بنت علیؑ کے شوہر تھے علیؑ ابن ابو طالبؑ کی ولادت کے بارے میں تاریخوں اور حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی نوری تخلیق نور محمدی کے ساتھ حضرت آدمؑ کی خلقت سے چودہ ہزار سال قبل ہو چکی تھی (ریاض النضرہ ص ۱۶۴) لیکن انسانی شکل میں آپ کا ظہور وجود ۱۳ رجب ۳۰ھ عام الفیل مطابق ۶۰۰ء بروز جمعہ خانہ کعبہ میں ہوا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا کہنا ہے کہ روایات متواترہ سے ثابت ہے کہ امیر المومنین حضرت علیؑ بروز جمعہ ۱۳ رجب ۳۰ھ عام الفیل مطابق ۶۰۰ء کو وسط کعبہ میں فاطمہؑ بنت اسد کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ سے پہلے یا آپ کے بعد خانہ کعبہ میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ (ازالۃ الخفاء ص ۲۰۱)۔

خانہ کعبہ میں آپ کی ولادت کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی مادر گرامی فاطمہؑ بنت اسد کو جب درد زہ محسوس ہوا تو آپ خانہ کعبہ کے قریب تشریف لائیں اور اس کا طواف کر کے پشت دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئیں، دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے مضطرب نگاہوں سے آسمان کو دیکھا اور بارگاہ خداوندی میں عرض پرواز ہوئیں۔ اے پالنے والے اے میرے پروردگار میں تجھ پر اور تیرے نبیوں پر اور تیری نازل کی ہوئی کتابوں پر ایمان رکھتی ہوں اے میرے پروردگار تو اس بابرکت گھر اس گھر کے معمار (خلیل اللہ) اور اس مولود کے صدقہ میں جو میرے شکم میں ہے مجھ پر اس مشکل کو آسان کر دے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ مولود تیرے جلال و عظمت کی نشانیوں میں سے ایک روشن نشانی ہے اور تو ضرور میری مشکل آسان کرے گا۔

ادھر دعا شرف قبولیت سے ہمکنار ہوئی اور ادھر خانہ کعبہ کی دیوار شق ہوئی۔ فاطمہؑ بنت اسد بے جھجک کعبہ کے اندر داخل ہو گئیں۔ اس کے بعد دیوار کعبہ اسی اصلی حالت پر پلٹ آئی گویا اس میں کبھی شگاف پڑا ہی نہ تھا (وسیلۃ النجات ص ۶۰ اور مناقب ص ۱۳۲)

حضرت علیؑ کی ولادت کے بعد حضرت علیؑ نے آنکھیں نہیں کھولیں جس کی بنا پر فاطمہؑ بنت اسد کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید میرا بچہ بینائی سے محروم ہے مگر تیسرے دن جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور انھوں نے اپنی آغوش مبارک میں حضرت علیؑ کو لیا تو آپ نے آنکھیں کھول کر جمال رسالت پر پہلی نظر ڈالی اور السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر آسمانی صحیفوں کی تلاوت کی۔ بھائی نے بھائی کو گلے لگایا اور رسول خدا ﷺ نے اپنی زبان اقدس دہن امامت میں دے دی۔ علامہ اربلی کا بیان ہے کہ زبان رسالت سے بارہ چشمے جاری ہوئے اور علیؑ اچھی طرح سیر و سیراب ہو گئے۔ اسی لئے اس دن کو یوم الترویہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ترویہ کے معنی سیرابی کے ہیں۔ (کشف الغمہ ص ۱۲۲)

حضرت علی علیہ السلام نہ تو محکوم کفر تھے اور نہ ہی (معاذ اللہ) کافر پیدا ہوئے کیونکہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ بطن مادر سے آغوش لحد تک حضرت علیؑ کی حیات طاہرہ کا کوئی لمحہ کفر و شرک کی کثافتوں سے آلودہ نہیں تھا۔

پھر جب لوگوں نے حکیم بن حزام کی ولادت کا افسانہ بیان کیا تو انھوں نے بھی اس واقعہ کو ایک اتفاقی حادثہ قرار دیا ہے جس کی نہ کوئی اہمیت ہے اور نہ کسی شرف و برتری کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔

حضرت خدیجہؑ بنت خویلد والدہ گرامی جناب فاطمہؑ

حضرت خدیجہؑ بنت خویلد ممتاز قبیلہ قریش کی محترم خاتون تھیں آپ کا سلسلہ نسب تین پشتوں کے بعد رسول اللہ ﷺ کے نسب سے متحد ہو جاتا تھا۔

قصی بن کلاب

عبد مناف	عبدالقزی
ہاشم	اسد
عبدالمطلبؑ	خویلد
عبداللہؑ	خدیجہؑ
محمدؐ	

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جناب خدیجہؑ عمر میں حضرت رسول

اللہ ﷺ سے بڑی تھیں مورخین تحریر کرتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی عمر
وقت شادی خانہ آبادی ۲۵ سال کی تھی (ابن ہشام جلد ا ص ۱۱۸) اور جناب
خدیجہؑ کی عمر ۴۰ برس کی تھی (ابن سعد ج ا ص ۸۴) حضرت خدیجہؑ قریش
کے ایک شریف اور معزز خاندان میں پیدا ہوئیں اور اسی ماحول میں پرورش
پائی۔ آپ کے خاندان کے تمام افراد دانشمند، اہل علم اور خانہ کعبہ کے مدا
لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔

جس زمانے میں یمن کے بادشاہ 'تبع' نے حجرہ اسود کو خانہ کعبہ سے
اکھاڑ کر یمن لے جانے کا ارادہ کیا تو حضرت خدیجہؑ کے والد خویلد حجرہ اسود کے
تحفظ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی قدر کاری اور جدو جہد کے نتیجے میں
'تبع' اپنے ارادے سے باز آیا اور حجرہ اسود کو اس کی جگہ سے نہ لے جاسکا۔

حضرت خدیجہؑ کے جد اسد بن عبد العزی پیمان 'حلف الفضول' کے
نمایاں اراکین میں سے ایک تھے۔ مذکورہ پیمان عرب کی کچھ اہم و اعلیٰ کردار و
شخصیات نے باندھا تھا اور طے کیا تھا کہ مظلومین کا دفاع کریں گے اور بے آسرا
لوگوں کی مدد و معاونت کے سلسلے میں کوشش کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ
بھی اس انجمن کی رکنیت حاصل تھی آپ فرماتے تھے کہ میں عبداللہ بن جدعا
کے گھر میں تھا جب یہ پیمان باندھا گیا اور اگر مجھے دعوت دیں تو میں انتہائی شو
سے اس میں شرکت کروں گا۔

حضرت خدیجہؑ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بت پرستی کو ناپ
کرتے تھے اور مدتوں دین حق کی تلاش کے لئے تحقیق و جستجو میں مشغ

رہے۔

مکہ میں ایک تہوار کے موقع پر جب کہ قریش ایک بت کی پوجا میں
مصروف تھے چار افراد نے جن میں سے ایک ورقہ بن نوفل بھی تھے ایک خفیہ
اجلاس کا اہتمام کیا اور لوگوں کے ان اعمال کے بارے میں جو غلط فہمی کا شکار ہیں
اور دین ابراہیم کو بھول گئے ہیں ایسے بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ہی سن سکتے
ہیں اور نہ ہی دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں۔ پھر ان لوگوں
نے مختلف شہروں میں حضرت ابراہیم کے حقیقی دین کی تلاش کے لئے پھیل
جانے کا فیصلہ کیا۔ ورقہ بن نوفل وہی دانشمند شخص ہیں جب اللہ کی طرف سے
پیغمبر اسلام ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور آنحضرتؐ نے جبریلؑ کے آنے کی
داستان حضرت خدیجہؑ کے سامنے بیان کی تو حضرت خدیجہؑ فوراً اسلام لے آئیں
اور دوسرے دن ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لے گئیں اور پورا واقعہ بیان کیا
اور ورقہ بن نوفل نے جناب خدیجہؑ کو جواب دیا کہ جو احوال تم نے ہم کو بتلایا ہے
اس کے تحت جبرئیلؑ حضرت محمد مصطفیٰؐ پر نازل ہوئے اور اللہ کا پیغام محمد ﷺ
تک پہنچایا اور محمد ﷺ ہی اللہ کے پیغمبر ہیں میری طرف سے محمد ﷺ کو
مبارکباد پیش کرنا اور کہنا کہ اپنے کام میں جدو جہد اور پامردی کا مظاہرہ کریں
ہم سب انکے ساتھ ہیں۔

اگلے روز ورقہ بن نوفل کا مسجد الحرام میں محمد مصطفیٰؐ پیغمبر اسلام سے
سامنا ہوا تو ورقہ بن نوفل نے محمد مصطفیٰؐ سے عرض کیا۔ آپ نے جو کچھ دیکھا
اور سنا ہے مجھے بھی بتایئے۔ پیغمبر اسلامؐ نے جبرئیلؑ کے آنے کی وجہ تفصیل

سے ورقہ بن نوفل کو بتائی۔ ورقہ بن نوفل نے عرض کی میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں اور وہی فرشتہ جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا آپ کے پاس بھی آیا۔ جان لیجئے کہ آپ کو تکلیف اور اذیتوں کا سامنا ہوگا۔ جلاوطن ہوں گے اور لوگ آپ سے جنگ کریں گے اگر میں اس زمانے تک زندہ رہا تو اللہ کے دین کی نصرت آپ کے ساتھ کروں گا۔ پھر ورقہ بن نوفل نے پیغمبر اسلامؐ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور چلے گئے۔

ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خدیجہؑ کے خاندان کے لوگ صاحب علم تھے وہ فکر اور گہری سوچ کے مالک تھے اور حضرت ابراہیمؑ کے دین سے محبت کرتے تھے۔

اگرچہ تاریخ نے حضرت خدیجہؑ کی زندگی کے جزئیات محفوظ نہیں کیے ہیں لیکن جو کچھ بعض تاریخوں سے ملتا ہے اس سے آپ کی شخصیت نمایاں ہو جاتی ہے۔

حضرت خدیجہؑ نے اپنی جوانی کے ابتدائی ایام میں عتیق بن عائذ نامی شخص سے شادی کی لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد عتیق بن عائذ کا انتقال ہو گیا اور حضرت خدیجہؑ کو ورثے میں کافی مال و دولت ملی۔ آپ ایک مدت تک تنہا رہیں لیکن بعد میں بنی تمیم کے ایک دولت مند شخص ہند بن نباش سے آپ کی شادی ہو گئی لیکن ہند بن نباش ابھی جوان ہی تھے کہ دنیا سے رخصت ہو گئے اور ایک مرتبہ پھر حضرت خدیجہؑ بے حساب مال و دولت کے ہمراہ اکیلی رہ گئیں۔

حضرت خدیجہؑ کی بزرگی، بلند ہمتی، آزادی رائے اور استقلال نفس کا

اندازہ لگایا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کو اپنے دونوں شوہروں سے جو بے پناہ دولت ملی تھی اسے آپ نے یوں ہی جمع نہیں رکھا اور نہ ہی اسے سود پر اٹھایا تھا جب کہ اس زمانے میں سود کا کاروبار عروج پر تھا بلکہ آپ نے اپنی دولت کو تجارت میں لگایا آپ نے تجارت کے ذریعے بہت زیادہ دولت کمائی یہاں تک تاریخوں میں ملتا ہے کہ آپ کے کارواں میں ہزاروں اونٹ تھے جن کے ذریعے آپ کا کاروبار مصر، شام، حبشہ کے اطراف میں پھیلا ہوا تھا۔

ابن ہشام تحریر کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہؑ ایک ایسی شریف اور مالدار خاتون تھیں جو تجارت کیا کرتی تھیں اور حضرت خدیجہؑ نے بہت سے لوگوں کو اپنے پاس نوکر رکھا ہوا تھا جو ان کے پاس اجرت پر کام کیا کرتے تھے اتنے بڑے کاروبار کو چلانا اور وہ بھی اس زمانے میں اور بالخصوص جزیرہ عرب میں کوئی آسان اور معمولی بات نہ تھی اور خاص کر اس صورت میں جب کہ اس کاروبار کی کرتا دھرتا ایک خاتون تھیں اور وہ بھی اس زمانے میں جب کہ عورتیں معاشرتی حقوق سے محروم تھیں اور سنگدل مرد حضرات اپنی بے گناہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے تو کہنا پڑے گا کہ حضرت خدیجہؑ کو اللہ نے غیر معمولی ذہانت، شخصیت، استقلال نفسیاتی اور بہت زیادہ ذہین اور کاروباری معلومات کا حامل ہونا چاہیے تاکہ وہ اتنی بڑی وسیع و عریض تجارت کو بہ خوبی احسن سے چلا سکیں۔

حضرت خدیجہؑ کی زندگی کی نمایاں باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ نے حضرت محمد مصطفیٰؐ سے شادی کا ارادہ خود سے ظاہر کیا جب کہ آپ

کے چلنے اور دوسرے شوہر انتقال کر چکے تھے تو آپ میں ایک خود مختاری
مخصوص قسم کی آزادی پیدا ہو گئی تھی آپ عاقل، فہم و فراست، فکر اور سو
سوچ رکھنے والی خاتون تھیں اور آپ ماہر ترین مردوں کی طرح اپنی تجارت
کرتی تھیں۔ لیکن شادی کے لئے تیار نہ تھیں۔ حالانکہ آپ سے شادی
خواہشمندوں میں خاندانی لحاظ سے بلند اور مال و دولت رکھنے والے لوگ
شامل تھے اور بہت زیادہ مہر ادا کر کے بھی آپ سے شادی کرنے پر تیار
لیکن جناب خدیجہؑ نے بہت سختی سے شادی سے انکار کیا۔

لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ وہی حضرت خدیجہؑ ہیں جو رئیس ع
اور اس وقت کے سرمایہ داروں سے شادی کرنے پر تیار نہ ہوئیں تھیں مگر
شوق اور انتہائی لگاؤ کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ جو یتیم بھی
آنحضرت ﷺ کے پاس مال و دولت بھی نہ تھا آپ ان سے شادی پر آمادہ
گئیں۔

حضرت خدیجہؑ ان خواتین میں سے نہ تھیں جن کے لئے رشتوں
کوئی کمی ہو۔ معزز شخصیات حتی کہ مالدار حضرات بھی آپ سے شادی کے
تیار تھے مگر آپ نے سب رشتوں کو ٹھکرا کر پیغمبر اسلام محمد ﷺ کے
ازدواج پر نہ فقط راضی ہوئیں بلکہ خود جناب خدیجہؑ نے اسرار کیا اور اپنی طر
سے پیش کش بھی کی۔

پچیس (۲۵) سال کی عمر میں جب آنحضرت ﷺ کے حسن سیر
دیانت داری، راست بازی اور صدق و صفا کی شہرت عام ہو گئی اور آپ کو

میں صادق اور امین کا خطاب دیا جا چکا تو جناب خدیجہؑ بنت خویلد کے جو انتہائی
پاکیزہ نفس و پاک سیرت، خوش اخلاق، خوش اطوار اور عرب میں سب سے زیادہ
دولت مند خاتون تھیں آپ نے حضرت محمد ﷺ کے پاس اپنی شادی کا پیغام
پہنچایا جو منظور ہوا (تلخیص سیرۃ النبی علامہ شبلی ص ۹۹)

اس بات کے پیش نظر کہ عورتیں عام طور پر مال و دولت آرائش و
آسائشات سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں اور ان کی انتہائی آرزو ہوتی ہے کہ
انہیں مال دار اور معزز شوہر نصیب ہو تاکہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں عیش و آرام
سے زندگی گزار سکیں۔ ان سب باتوں کے برعکس حضرت خدیجہؑ اعلی فکر اور
تصور رکھتی تھیں اور کسی غیر معمولی اور نمایاں شخصیت کے حامل شوہر کے
انتظار میں تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؑ مال و دولت
رکھنے والے شوہر کی تلاش میں نہ تھیں بلکہ وہ کسی روحانی شخصیت کی تلاش میں
تھیں جو اس دنیا کو جہالت کے گرداب سے نجات دلا سکے۔

حضرت خدیجہؑ کے گھر کا ماحول چونکہ ادبی اور دانشمندوں سے بھرا ہوا
تھا آپ نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی اور اپنے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ حضرت
محمد ﷺ اللہ کے آخری پیغمبر ہوں گے اور حضرت خدیجہؑ کا اپنا عقیدہ بھی یہی
تھا جب آپ نے حضرت محمد ﷺ کو اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ روانہ کیا تو
آپ کو اپنے تجارتی قافلے کا امین بنایا۔

حضرت خدیجہؑ نے اپنے غلام 'میسرہ' کو اس سفر کا ناظر قرار دیا اور
غلام میسرہ نے سفر سے واپسی پر جناب خدیجہؑ کو سفر کے دوران حضرت

محمد ﷺ کے واقعات اور حوادث عجیبہ و حضرت خدیجہؑ کے سامنے بیان کیا
اب حضرت خدیجہؑ نے اپنے مطلوب و گمشدہ شخصیت اور اپنی تمنا اور آرزو کو پالیا
تھا اسی لئے آنحضرتؐ کو آپ نے اپنے پاس آنے کی دعوت دی اور آنحضرت محمد
ﷺ تشریف لے آئے تو آپ نے کہا محمد ﷺ کیونکہ میں نے آپ کو شریف،
امین، خوش اخلاق اور راست گو پایا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی امانت داری اور سچائی جس کا اس تجارتی سفر کے
سلسلہ میں جناب خدیجہؑ کو تجربہ ہو چکا تھا کچھ ایسا ان کے دل پر اثر انداز ہوا کہ
آپ نے خود ایک خاتون نفیسہ بنت منیہ کو بھیج کر حضرت محمد ﷺ کو اپنے پاس
آنے کی دعوت دی اور نفیسہ بنت منیہ کو اس پیغام کے ساتھ روانہ کیا کہ آپ کی
دلی خواہش حضرت محمد ﷺ تک پہنچا سکیں۔ نفیسہ بنت منیہ حضرت محمد ﷺ
کے پاس گئیں اور محمد ﷺ سے عرض کی آپ شادی کیوں نہیں کرتے ہیں۔
حضرت محمد ﷺ نے فرمایا۔ میرے پاس مال و دولت نہیں ہے۔ نفیسہ بنت
منیہ نے عرض کی اگر ان چیزوں کی ضرورت نہ ہو اور پھر بھی آپ کو ایسی شریک
حیات مل جائے جس میں حسن و جمال، دولت و مال، شریف اور عزت سب
اوصاف جمع ہوں اور وہ خاتون نسبتی حیثیت سے بھی آپ کے برابر والی ہوں تو۔
آپ نے غور سے نفیسہ بنت منیہ کی بات سنی اور فرمایا ایسی کون سی خاتون ہیں۔
نفیسہ بنت منیہ نے فوراً جواب دیا خدیجہؑ بنت خویلد ہیں۔ حضرت محمد ﷺ نے
فرمایا اس کی کیا صورت ہے۔ نفیسہ بنت منیہ نے کہا میں اس کی ذمہ داری
ہوں۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا اچھا تو مجھے منظور ہے۔ حضرت محمد ﷺ

یہ جواب سن کر نفیسہ بنت منیہ خوشی خوشی حضرت خدیجہؑ کی خدمت میں حاضر
ہوئیں اور یہ خوشخبری سنائی۔ یہ معلوم ہو جانے پر حضرت خدیجہؑ نے رسول
اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ فلاں دن فلاں وقت میرے غریب خانے
پر تشریف لائیں۔ اس کے علاوہ اپنے چچا عمرو بن اسد کو پیغام بھیجا کہ میری
شادی حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کر دیں۔ چنانچہ دن متعین پر حضرت مع
جناب ابو طالب اور دیگر رئیس مکہ کے ساتھ تشریف لے گئے جناب خدیجہؑ
کے دولت خانے پر۔ (اب سعد جلد ا ص ۸۴)

تاریخ کہتی ہے کہ جناب خدیجہؑ نے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کو
اختیار دیا کہ وہ آپ کی شادی محمد ﷺ سے کرادیں۔ جب ورقہ بن نوفل نے
جناب خدیجہؑ کو یہ خوشخبری سنائی کہ میں نے حضرت محمد ﷺ اور ان کے
رشتہ داروں کو آپ سے شادی پر راضی کر لیا ہے تو جناب خدیجہؑ نے اس خبر کی
خوشی پر اپنے چچا کو پانچ سو اشرفی کا نظرانہ پیش کیا۔ (اسلام کی مثالی خاتون
ص ۲۶)

حضرت محمد ﷺ نے اس مسئلہ کا ذکر اپنے چچاؤں اور عزیزوں سے کیا
وہ لوگ شادی کی غرض سے حضرت خدیجہؑ کے چچا کے پاس گئے اور اپنے مقصد
کو ایک خطبے کے ضمن میں بیان کیا۔ جناب خدیجہؑ کے چچا ایک دانشمند انسان
تھے۔ جناب خدیجہؑ کے چچا جناب خدیجہؑ کی خواہش کو جانتے تھے اس لئے وہ بھی
اس شادی پر تیار ہو گئے۔

تاریخ کہتی ہے کہ جب حضرت محمد ﷺ جناب خدیجہؑ کے گھر

تشریف لے گئے اور ساری باتیں ہو چکیں تو آپ جناب خدیجہؑ کے گھر سے
رخصت ہو کر باہر تشریف لے جانے لگے تو جناب خدیجہؑ نے محمد ﷺ سے
عرض کی میرا گھر آپ کا گھر ہے اور میں آپ کی کنیز ہوں۔ آپ جس وقت چاہیں
اس گھر میں تشریف لے آئیں۔

پیغمبر اسلام کے لئے یہ شادی بہت اہمیت کی حامل تھی کیونکہ ایک
طرف تو آپ تہی دست تھے اسی وجہ سے آپ پچیس (۲۵) سال کی عمر تک
شادی نہ کر سکے تھے اور دوسری طرف آپ تنہا بھی تھے اور اپنی اس تنہائی کو
محسوس بھی کرتے تھے۔ اس مبارک شادی کے ذریعہ آپ کی نیاز مندی اور
تنہائی دور ہو گئی اور آپ کو ایک بہترین مشیر و غمگسار بھی مل گیا۔

جناب خدیجہؑ کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد نے اور آنحضرت
محمد ﷺ کی طرف سے حضرت ابو طالبؑ نے آپ کا نکاح پڑھا (تلخیص سیرۃ النبی
علامہ شبلی ص ۹۹) مورخین کا بیان ہے کہ جناب خدیجہؑ کا مہر بارہ اونس سونا
اور پچیس (۲۵) اونٹ مقرر ہوا جسے حضرت ابو طالبؑ نے اسی وقت ادا کر دیا۔
(تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۶) جناب خدیجہؑ کی طرف سے عقد پڑھنے والے ان
کے چچا عمرو بن اسد تھے (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۸۷)

جناب خدیجہؑ کے گھر پر عقد کا انتظام کیا گیا حضرت ابو طالبؑ نے نکا
کا خطبہ پڑھا جس میں آپ نے فرمایا۔

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں ذریت ابراہیمؑ ن
اسمٰعیلؑ اولاد معد اور صلب مضر سے پیدا کیا۔ اپنے گھر کا نگہبان اور حرم کا پاس

بنایا اور اسے ہمارے لئے حج کا مقام اور جائے امن قرار دیا۔ نیز ہمیں لوگوں پر
حاکم بنایا۔ یہ میرے بھتیجے محمد ﷺ بن عبداللہ ہیں۔ جس شخص سے بھی ان کا
موازنہ کیا جائے گا تو شرف نجابت اور عقل و فضیلت میں ان کا مرتبہ بھاری رہے
گا اگرچہ دولت ان کے پاس کم ہے لیکن دولت تو ایک ڈھلتی ہوئی چھاؤں اور پلٹ
جانے والی چیز ہے خدا کی قسم ان کا مستقبل عظمت آفریں ہے اور ان سے ایک
عظیم خبر کا ظہور ہوگا (سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۱۳۹)

جناب ابو طالبؑ کا خطبہ اگرچہ مختصر ہے مگر اس سے حضرت ابو طالب
کے عقائد و نظریات اور سرکار دو عالم ﷺ کے متعلق حضرت ابو طالبؑ کے
خیالات کا بڑی حد تک اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں نے خطبہ کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد
و ثناء سے کی ہے جس سے ان کی توحید پرستی پر روشنی پڑتی ہے۔ حمد و ثناء کے
بعد ذریت ابراہیمؑ و نسل اسمٰعیلؑ سے اپنی وابستگی کا اظہار کر کے خانہ کعبہ کی
نگرانی، حرم کی پاسبانی اور عامۃ الناس پر حکمرانی کا ذکر اپنے خطبہ میں دو ٹوک
الفاظ میں کیا ہے۔ اس سے صرف یہی امر واضح نہیں ہوتا کہ وہ نسل ابراہیمؑ
میں سے ہونے کی بنا پر ان منصبوں اور عہدوں پر فائز ہوتے چلے آرہے تھے بلکہ
اس امر کی بھی نشاندہی ہوتی ہے کہ حرم کے عہدوں کے علاوہ ان کی تعلیمات
کے بھی وارث تھے۔ اگر وہ ان کی تعلیمات سے بیگانہ اور ان کے دین و آئین سے
بے تعلق ہوتے تو اس انتساب پر فخر کا کوئی مورد ہی نہ تھا۔ اس شرف انتساب
اور خصوصی امتیازات کے بعد آنحضرت محمد ﷺ کے کمال فہم و فراست اور
بلندی عقل و دانش کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے محاسن و کمالات کے مقابلہ میں مال

دنیا کی بے قدری و بے وقعتی کو واضح طور پر اپنے خطبہ میں شامل کیا ہے۔
اس طرح کہ مال و دولت کو ڈھلتے سائے سے تعبیر کیا ہے یعنی جس طرح مال
دنیا بھی غیر مستقل اور عارضی ہوتی ہے اس مال کے ذریعہ جو سربلندی اور
عزت حاصل ہو گی وہ سایہ کے مانند ناپائیدار ہو گی۔ آخر میں آپ نے آنحضرت
ﷺ کے درخشندہ مستقبل علو، منزلت اور عالمگیر نبوت کی طرف اشارہ کیا ہے
کہ وہ عنقریب آسمان ہدایت پر نیز درخشاں بن کر چمکیں گے اور اپنی تعلیمات کی
روشنی میں بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراط مستقیم سے ہمکنار کریں گے۔

اس خطبہ کے بعد جناب ابو طالبؑ نے عقد کا صیغہ پڑھا حضرت محمد
ﷺ کو شہزادی عرب جناب خدیجہؑ سے منسلک کر دیا۔ (تفسیر اسلام ج ۱ ص
۲۴۴)

جناب خدیجہؑ کی یہ دو خصوصیتیں متفق علیہ ہیں کہ آپ سب سے پہلی
اسلام کی خاتون ہیں جن سے حضرت محمد ﷺ نے عقد فرمایا اور یہ بھی کہ
حضرت محمد ﷺ نے جناب خدیجہؑ کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔
حضرت محمد ﷺ اور جناب خدیجہؑ نے ایک باصفا اور پیار و محبت سے بھرپور
گھرانے کی بنیاد رکھی۔

تاریخ اسلام کی یہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے حضرت محمد ﷺ کی
دعوت اسلام کو قبول کیا۔ یہ خاتون جناب خدیجہؑ ہی تھیں۔ اس باعظمت
خاتون نے اپنے تمام مال اور بے حساب دولت کو بغیر کسی قید اور شرط کے
حضرت محمد ﷺ کے اختیار میں دے دیا۔ جناب خدیجہؑ ان عورتوں میں سے

نہ تھیں جو معمولی مال اور خود مختاری پالینے سے اپنے شوہر سے بے پرواہ ہو جاتی
ہیں اور اپنے مال کو اس سے چھپاتی ہیں۔ جناب خدیجہؑ پیغمبر اسلام کے عالی
مقصد سے باخبر تھیں اور اس پر عقیدہ رکھتی تھیں لہذا اپنے تمام مال کو محمد ﷺ
کے قدموں پہ ڈال دیا اور انکے اختیار میں دے دیا اور محمد ﷺ سے فرمایا آپ
جس طرح مصلحت دیکھیں اس مال کو اللہ کے دین کی ترقی اور اشاعت پر خرچ
کریں۔

ہشام کہتا ہے کہ محمد ﷺ کو جناب خدیجہؑ سے بہت زیادہ محبت تھی اور
آپ ان کا احترام بہت کرتے تھے اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ بھی کرتے
تھے۔ جناب خدیجہؑ نیک اور روشن فکر خاتون تھیں اور ہمیشہ ایک اچھی وزیر اور
مشیر ثابت ہوئیں (فتوح البلدان ص ۲۷)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ خدیجہؑ اس امت کی عورتوں میں سے
سب سے بہترین عورت ہیں۔ (کشف الغمہ ج ۲ ص ۱۰۲)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جناب خدیجہؑ کی اتنی
اچھائی بیان کرتے تھے کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں
عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خدیجہؑ ایک بوڑھی عورت تھیں اللہ تعالی نے ان
سے بہتر ازدواج آپ کو عطا کی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی اس بات پر رسول اللہ
ﷺ غضبناک ہوئے اور فرمایا۔ خدا کی قسم اللہ نے اس سے بہتر کوئی عورت
مجھے عطا نہیں کی۔ خدیجہؑ اس وقت ایمان لائیں جب دوسرے کفر پر تھے۔
انہوں نے میری اس وقت تصدیق کی جب دوسرے مجھے جھٹلایا کرتے تھے۔

انہوں نے بلا عوض اپنا مال و دولت میرے اختیار میں دے دیا جب کہ دوسرے مجھکو اس سے محروم رکھتے تھے۔ اللہ نے میری نسل ان کی اولاد سے چلائی

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ اس دن کے بعد سے جناب خدیجہؓ کی کوئی برائی نہیں کروں گی (کشف الغمہ ج ۲ ص ۱۰۲)

جب جناب جبرئیل پیغمبر اسلام ﷺ پر نازل ہوتے تھے تو عرض کرتے تھے اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ کا سلام جناب خدیجہؓ کو پہنچا دیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ نے آپ کے لئے بہشت میں ایک خوبصورت محل تیار کیا ہے (کشف الغمہ ج ۲ ص ۱۰۲)

اسلام میں جس پہلے گھر کی بنیاد رکھی گئی وہ رسول اللہ ﷺ اور جناب خدیجہؓ کا گھرانا تھا۔ اس کے افراد خانہ کی تعداد تین سے زیادہ نہ تھی حضرت رسول اللہ ﷺ جناب خدیجہؓ اور حضرت علیؑ (تفسیر عیاشی ج ۲ ص ۲۸۷) یہ گھر اسلامی اور عالمی انقلاب کا مرکز تھا اور اسے کفر اور بت پرستی سے نبرد آزما ہونا تھا۔ دین اسلام کی توحید کو دنیا میں پھیلانا تھا۔ تمام عالم میں اس ایک کے سوا اور کوئی دوسرا اسلامی گھرانہ نہ تھا لیکن توحید کی پہلی چھاؤنی کے فداکار سپاہیوں کا یہ پکا ارادہ تھا کہ دنیا والوں کے دلوں کو فتح کریں گے اور دنیا میں عقیدہ توحید کو پھیلائیں گے۔ حضرت محمد ﷺ اس کاروانِ توحید کے سردار تھے اور آپ کے اخلاق کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اور آپ اخلاق کے بلند ترین درجے پر ہیں (تفسیر عیاشی ج ۲ ص ۲۸۷)

آپ جناب خدیجہؓ کو بہت زیادہ چاہتے تھے ان سے بے پناہ محبت کرتے

تھے اور ان کا احترام کرتے تھے یہاں تک کہ جناب خدیجہؓ کی سہیلیوں کا بھی آپؐ بہت احترام کرتے تھے۔

انسؓ کہتے ہیں کہ بسا اوقات جب آپؐ کی خدمت میں کوئی تحفہ پیش کیا جاتا تو آپ فرماتے تھے کہ یہ تحفہ جناب خدیجہؓ کی سہیلی کے گھر پہنچوا دیا جائے؛ (تفسیر عیاشی ج ۲ ص ۲۸۷)

جناب خدیجہؓ حضرت رسول اللہ ﷺ کے گھر کی داخلی امور کی سربراہ تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے۔ قصد اور مقدس ہدف پر کامل ایمان رکھتی تھیں اور اس مقدس مقصد تک پہنچنے کے لئے کسی بھی کوشش اور فداکاری سے دریغ نہیں کرتیں تھیں اور ہمیشہ رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتی تھیں کہ میں آپ کی کنیز اور خدمت گزار ہوں۔

مصیبت کے وقت آپ رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیا کرتیں اور ہدف تک پہنچنے کی امید دلایا کرتیں۔ اگر کفار آنحضرت ﷺ کو تکالیف پہنچاتے تو آپ جب گھر واپس تشریف لاتے تو جناب خدیجہؓ آپ کی خدمت میں لگ جاتیں اور پیار و محبت سے آپ کی تکالیف دور کرتیں اس طرح حضرت رسول اللہ ﷺ کو ایک نئی طاقت مل جاتی۔ خوفناک حوادثات اور شدید مشکلات میں آپؐ ہمیشہ جناب خدیجہؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے (در منثور ج ۴ ص ۱۷۷)

ایک دن حضرت رسول اللہ ﷺ کے پاس بطح میں حضرت جبرئیل تشریف لائے اور اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کی۔ اللہ نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ چالیس دن اور رات خدیجہؓ سے علیحدگی اختیار کریں اور

عبادت میں مشغول ہو جائیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق
چالیس دن تک جناب خدیجہؑ کے گھر نہ گئے اس درمیان میں آنحضرت ﷺ
رات کو نماز اور عبادت میں مشغول رہتے تھے اور دن میں عبادت کرنے کے
ساتھ ساتھ روزے رکھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے عمار کے ذریعہ سے جناب خدیجہؑ کو پیغام بھیجا کہ
اے معزز خاتون میرا آپ سے کنارہ کشی اختیار کرنا کسی وجہ سے نہیں ہے بلکہ
آپ میرے نزدیک پہلے کی طرح عزیز اور محترم ہیں بلکہ اس مسئلہ میں میں اللہ
تعالیٰ کے حکم کی پیروی کر رہا ہوں اللہ مصلحتوں سے باخبر ہے۔ اے خدیجہ
آپ اتنی عظیم خاتون ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر روز کئی مرتبہ آپ کو سلام بھیجتا ہے آپ
رات کو گھر کا دروازہ بند کر کے اپنے بستر پر آرام کیجئے اور اللہ کے حکم کی
رہیے میں اس درمیان میں اپنی چچی فاطمہؑ بنت اسد کے گھر رہوں گا۔

جناب خدیجہؑ نے پیغمبر اسلام کی ہدایات کے مطابق عمل کیا
درمیان میں آپ اپنے محبوب شوہر حضرت محمد ﷺ کی جدائی اور اپنی تنہائی
وجہ سے غمگین رہتی تھیں۔

جب آنحضرت ﷺ کے چالیس دن مکمل ہوئے تو اللہ کی طرف
حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور بہشت سے غذا پہنچائی اور عرض کی آ
آپ اللہ کی بھیجی ہوئی غذا کو نوش فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ
ہوئی غذا سے روزہ افطار کیا اور اسکے بعد آپ نماز اور عبادت کے
ہوئے تو جبرئیل تشریف لائے اور اللہ کے رسول ﷺ سے عرض

حکم دیا ہے کہ آج کی رات آپ خدیجہؑ کے پاس واپس جائیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے
ارادہ کیا ہے کہ آپ کے صلب سے ایک پاکیزہ بچہ خلق فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ملتے ہی آنحضرت ﷺ اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے
جناب خدیجہؑ فرماتی ہیں اس رات بھی میں حسب معمول دروازہ بند کر کے اپنے
بستر پر آرام کر رہی تھی کہ اچانک دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی میں نے معلوم کیا
کون ہے پیغمبر اسلام کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ آپؐ فرما رہے تھے کہ خدیجہؑ
دروازہ کھولو میں محمد ﷺ ہوں۔ جناب خدیجہؑ نے جیسے ہی پیغمبر اسلام کی آواز
سنی جلدی سے دروازہ کھول دیا آنحضرت ﷺ مسکراتے ہوئے اپنے گھر میں
داخل ہوئے۔

جناب خدیجہؑ میں آہستہ آہستہ حمل کے آثار نمودار ہونے لگے اور اسی
روز سے جناب خدیجہؑ کو کسی حد تک تنہائی سے نجات ملی اور آپ اس بچے سے جو
آپ کے شکم میں تھا مانوس ہونے لگیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

> جب سے جناب خدیجہؑ نے رسول اللہؐ سے شادی
> کی تھی تب سے مکہ کی عورتوں نے آپ سے قطع تعلق کر لیا
> تھا۔ آپ کے گھر نہ آتیں اور نہ اپنے گھر بلاتیں۔ سلام ودعا
> تک ترک کر دی تھی اور وہ عورتیں اس بات پر بھی نظر
> رکھتی تھیں کہ کوئی عورت جناب خدیجہؑ کے گھر نا جانے
> پائے۔ مکہ کے بڑے گھرانے سے تعلق رکھنے والی

عورتوں نے جناب خدیجہؑ کو تنہا چھوڑ دیا تھا اور جناب
خدیجہؑ سے ہر قسم کے تعلقات ختم کر دئے تھے۔ آپ اکثر
اس وجہ سے بھی اداس رہتی تھیں اس طرح آپ دھیرے
دھیرے تنہائی کی عادی ہو گئیں تھیں لیکن جب سے بچہ آپ
کے شکم میں آیا تھا اس دن سے جناب خدیجہؑ کو تنہائی سے
نجات مل گئی اور آپ اپنے بچے سے جو آپ کے شکم میں تھا
مانوس ہونے لگیں۔

حضرت جبرئیلؑ حضرت محمد ﷺ اور جناب خدیجہؑ کے لئے بشارت
لیکر تشریف لائے اور کہا یا رسول اللہ جو بچہ جناب خدیجہؑ کے شکم مبارک میں
ہے وہ ایک باعظمت لڑکی ہے جس سے آپ کی نسل چلے گی وہ دین اسلام کے
پیشواؤں اور اماموں کی ماں ہوں گی۔

آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالٰی کی اس بشارت کو جناب خدیجہؑ سے بیان
کیا اور اس خوش کن خبر سے جناب خدیجہؑ بہت خوش ہوئیں۔ (بحار الانوار ج
۹۴ ص ۲۱۳)

جناب خدیجہؑ جنہوں نے توحید اور اللہ کے دین کی حکمیات کے
لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا اور ہر قسم کی محرومی اور سختی برداشت کرنے پر
تیار ہو گئیں تھیں اور اپنی بے پناہ دولت کو اسی مقدس مقصد کے لئے وقف کر
رکھا تھا اپنی سہیلیاں اور غمگسار چھوڑ چکی تھیں۔ آنحضرت ﷺ اور ان کے
عظیم مقصد کو ماسوائے اللہ کے ہر چیز پر ترجیح دیتی تھیں۔ جناب خدیجہؑ نے

جب رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اللہ تعالٰی نے انہیں اس قدر عظیم سعادت سے
نوازہ ہے تو آپ فوراً سجدہ شکر بجالائیں۔ آپ کے اندر موجود قربانی کی تحریک کو
اور مزید تقویت ملی۔

حضرت خدیجہؑ کی مدت حمل ختم ہونے کو آئی اور جناب فاطمہؑ کی
ولادت کا وقت قریب آن پہنچا، جناب خدیجہؑ درد سے بے چین تھیں اسی
درمیان آپ نے اپنی سہیلیوں اور قریش کی عورتوں کے پاس پیغام بھیجا کہ پرانی
نفرتوں کو بھول کر میرے بچے کی ولادت میں میری مدد کرو سب نے ایک زبان
ہو کر کہا کہ خدیجہؑ سے جاکر کہہ دو کہ تم نے ہماری نصیحت پر عمل نہیں کیا اور ہم
سب کی مرضی کے خلاف تم نے شادی کر لی اس لئے نہ ہم تمہارے گھر آنے
کے لئے تیار ہیں اور نہ تمہاری مدد کرنے کو تیار ہیں جب جناب خدیجہؑ ان
لوگوں کی طرف سے مایوس ہو گئیں تو اللہ تعالٰی کی طرف رجوع ہوئیں اے اللہ تو
ہی سارے جہان کا مالک اور مختار ہے تیری رضا میں میں راضی ہوں۔ ابھی
جناب خدیجہؑ کی دعا ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اللہ کی طرف سے جنت کی
حوریں اور آسمانی خواتین جناب خدیجہؑ کی مدد کے لئے آگئیں اور آپ اللہ تعالٰی کی
غیبی مدد سے بہرہ ور ہوئیں اور جناب فاطمہؑ نے جو آسمان نبوت کا چمکتا ہوا ستارہ
تھیں اس جہاں میں تشریف لائیں اور اپنے تابناک نور ولائت سے ساری دنیا کو
روشن اور منور کر دیا (کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۶۳)

دنیا کا ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کی اولاد ہو تا کہ اسے اپنی حسب منشا
تربیت دے سکے اور اپنی یادگار کے طور پر اس دنیا میں چھوڑ جائے۔ انسان اپنی

اولاد کو اپنے وجود کو اس دنیا میں باقی رہنا سمجھتا ہے اور مرتے وقت خود کو فنا یا ختم
ہو جانا نہیں سمجھتا ہے لیکن وہ آدمی جس کی کوئی اولاد نہ ہو وہ اپنی زندگی کو مختصر اور
موت کے پہنچنے سے پہلے اپنے آپ کو ختم جانتا ہے شاید نسل انسانی کا یہ سلسلہ
انسانی بقا کا وسیلہ قدرت نے قرار دیا ہے تاکہ نسل انسانی نابودی سے محفوظ رہ
سکے۔

جناب خدیجہؑ جنھوں نے اللہ کی عبادت اور بشریت کی نجات کے لئے
کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور آنحضرتﷺ کے مقصد اور مشن کو ہمیشہ آگے
بڑھانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اپنے مال و دولت اور رشتہ داروں اور اپنی
سہلیوں سے قطع تعلقی سے بھی گریز نہیں کیا۔ بغیر کسی شرط کے پیغمبر اسلام کی
خواہشات کے سامنے سر تسلیم خم کرتیں رہیں۔ یقیناً جناب خدیجہؑ کی بھی
خواہش رہی ہوگی کہ وہ بھی پیغمبر اسلام سے صاحب اولاد ہوں

رسول اللہﷺ جانتے تھے کہ انسان کے لئے موت یقینی ہے اس بات
سے بھی بخوبی واقف تھے کہ آپ تھوڑی اور مختصر مدت میں اپنے اس قدر بڑے
مقصد کا مکمل طور پر اجزاء نہیں کر سکتے اور تمام عالم بشریت کو گمراہی کے سمندر
سے نجات نہیں دلا سکتے۔ رسول اللہﷺ کو اچھی طرح اس بات کا بھی پتہ تھا
کہ آپ کے بعد ایسے افراد ہونے چاہیں جو آپ کے مقصد کے حصول کے لئے
کوشش و جدوجہد کریں اور فطرتاً آپؐ کی یہ خواہش بھی رہی ہوگی کہ یہ جاں
نثار خود ان کی ہی نسل سے ہوں اور یہی رسول اللہﷺ اور جناب خدیجہؑ کی دلی
خواہش تھی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس سے پہلے جناب خدیجہؑ

کے دو شہزادے جن کا نام عبد اللہ اور قاسم تھا بچپن ہی میں وفات پاگئے۔ اسکا
جتنا دکھ رسول اللہﷺ اور جناب خدیجہؑ کو ان شہزادوں کی وفات سے ہوا تھا
اتنا ہی آپ کے دشمن خوش ہوئے تھے کیونکہ ان دشمنوں کے خیال میں نسل
محمدیﷺ ختم ہو گئی تھی۔ (اسلام کی مثالی خاتون ص ۴۳-۴۲)

جب آپ کے شہزادے عبد اللہ کا انتقال ہوا تو عاص بن وائل بجائے
اس کے کہ آپ کے شہزادے کی وفات پر تسلی دیتا۔ مجمع عام میں آپ کو لاولد کہتا
تھا اور کہتا تھا کہ جب محمدﷺ کا انتقال ہو جائے گا تو ان کا کوئی نام و نشان بھی
نہیں ہوگا۔ وہ اپنی انہی سب باتوں سے رسول اللہﷺ اور جناب خدیجہؑ کے
دل زخمی کیا کرتا تھا۔ (نور الثقلین ج ۴ ص ۲۷۲)

اللہ تعالٰی نے رسول اللہﷺ کو بشارت دی کہ ہم آپ کو خیر کثیر عطا
کریں گے اور آپؐ کے دشمنوں کے جواب میں سورۃ کوثر نازل کی اور فرمایا:

بے شک ہم نے آپؐ کو کوثر عطا کیا۔ لہذا آپ
اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں اور قربانی دیں یقیناً آپ کا
دشمن بے اولاد رہے گا (سورۃ کوثر ۱۰۷)

رسول اللہ کو یقین تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور ہم سے پاکیزہ اور بابرکت
نسل اور اولاد وجود میں آئے گی جو تمام جہان کی نیکیوں کا سرچشمہ قرار پائے گی اور
اللہ تعالٰی نے اپنا وعدہ جب پورا کر دیا اور جناب فاطمہؑ دنیا میں تشریف لائیں
اور آپ کے نور ولایت سے جہان روشن ہوا تو رسول اللہﷺ کو اطلاع دی گئی
کہ اللہ نے جناب خدیجہؑ کو ایک لڑکی عطا کی ہے اللہ کی طرف سے یہ بشارت

سنتے ہی رسول اللہ ﷺ اور جناب خدیجہؑ مسرور ہوئے اور آپ کا دل مطمئن اور شاد ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ زمانہ جاہلیت کے ان کوتاہ نظر و فکر رکھنے والے نادان انسانوں میں سے نہ تھے جو لڑکی کے وجود پر اظہار شرمندگی کرتے اور غصے میں اگر لڑکی کی ماں سے اپنی شرمندگی کا اظہار کرتے اور لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے (سورۃ نحل ۱۶ آیت ۵۸)

رسول اللہ ﷺ لوگوں کے غلط رسم و رواج اور بے ہودہ افکار کا مقابلہ کریں جن کے تحت عرب عورتوں کی قدر و قیمت کے قائل نہ تھے۔ انہیں معاشرے کا فرد بھی شمار نہیں کرتے تھے اور جو بے گناہ لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو بتانا چاہتے تھے کہ عورت بھی معاشرے کا ایک حساس اور اہم رکن ہے اور عورت پر بہت بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے عورت کو بھی چاہیے کہ وہ معاشرے کی عظمت اور ترقی کے لئے کوشش کرے اور اپنے فرائض کو جو اس کی خلقت کی مناسبت سے اس پر عائد کئے گئے ہیں وہ حسن و خوبی بجا لائے۔

اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ دنیا میں بسنے والوں کو عملاً عورت کی اہمیت اور عظمت سے آگاہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذریت اور پاک نسل کو ان کی شہزادی کے وجود میں قرار دیا اور یہ فیصلہ فرمایا کہ آئمہ اور دین اسلام کے رہبر اور پیشوا تمام کے تمام جناب فاطمہؑ کی نسل سے وجود میں آئیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے عرب کے ان نادان لوگوں کو نصیحت کی ہے کہ جو لڑکی کو اپنی اولاد

میں شمار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ لڑکی کے وجود کو اپنی ذلت اور رسوائی کا موجب سمجھتے تھے۔

جناب فاطمہؑ کو ایک پارچہ میں لپیٹ کر جناب خدیجہؑ کی گود میں دیا گیا تو آپ جناب فاطمہؑ کو اپنی گود میں محسوس کر کے بہت خوش ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں اور جناب فاطمہؑ کو پیار کیا اور اپنے پستانوں سے جناب فاطمہؑ کو عمدہ اور بہترین دودھ سے سیراب کیا تا کہ جناب فاطمہؑ کی اچھی طرح نشوونما ہو سکے۔ (فتوح البلدان ص ۴۶)

حضرت خدیجہؑ ان خود پسند اور نادان عورتوں میں سے نہ تھی جو بغیر کسی وجہ اور بہانے کے اپنے نو مولود کو ماں کے دودھ سے جسے اللہ تعالیٰ نے بچے کے لئے ماں کے پستانوں میں مہیا کیا ہے کیسے محروم رکھ سکتی تھیں جناب خدیجہؑ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سن رکھا تھا کہ بچوں کی غذا اور صحت کے لئے ماں کے دودھ سے بہتر کوئی اور چیز نہیں ہوتی۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ۱۶ ص ۲۱۶) کیونکہ ماں کا دودھ بچے کے نظام ہضم اور اس کے خاص مزاج کے لئے مکمل اور مناسب اور سازگار ہوتا ہے۔ بچہ ماں کے رحم میں نو مہینے تک ماں کی غذا اور ہوا اور خون میں شریک رہتا ہے اور بلاواسطہ ماں سے رزق حاصل کرتا ہے اسی لئے ماں کے دودھ کے اجزائے ترکیبی بچے کے مزاج سے مکمل طور پر مناسب ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ماں کے دودھ میں کسی قسم کی ملاوٹ کا شائبہ نہیں ہو سکتا اور بیماریوں کے جراثیم سے بھی پاک ہوتا ہے کیونکہ جناب خدیجہؑ کو علم تھا کہ ماں کا پیار و محبت اور بچے کی نشوونما نقوش چھوڑتا ہے اسی لئے جناب خدیجہؑ نے ترجیح دی کہ جناب

فاطمہؑ کو اپنی آغوش محبت میں پرورش اور تربیت کریں۔ کیا جناب خدیجہؑ کے
دودھ کے علاوہ کوئی اور کا دودھ حضرت فاطمہؑ کی نشو و نما میں اس قدر موثر
ہو سکتا تھا باغ نبوت کے بابرکت میوہ کو جناب خدیجہؑ نے ثمر دار بنادیا۔ ؟

جناب فاطمہؑ کے دودھ پینے کا زمانہ اور جناب فاطمہؑ کا بچپن دین
اسلامی کے انقلابی دور میں گزرا جس نے بے شک آپ کی حساس روح پر بہت
نمایاں اثرات چھوڑے کیونکہ دانشمندوں، تاریخ دانوں کے نزدیک یہ بات پایۂ
ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ بچے کی تربیت کا ماحول اور اس کے ماں باپ کے افکار،
بچے کی روح اور شخصیت پر بھرپور اثر انداز ہوتے ہیں۔ پیغمبر اسلام اور جناب
خدیجہؑ اس غیر معمولی اور بحرانی دور میں جناب فاطمہؑ کی پرورش اور نشو نما اور
تربیت پر بھرپور توجہ دی۔

رسول اللہ ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث بہ رسالت ہوئے۔
ابتداء دعوت میں آپ کو بہت سی مشکلات اور خطرناک اور سخت حوادث کا سامنا
کرنا پڑا۔ آپ نے تن تنہا عالم کفر اور بت پرستی سے مقابلہ کیا۔ دشمنوں کے
خوف سے کئی برس تک اپنی دعوت اور تبلیغ کو خفیہ رکھا۔ بعد میں آپ کو اللہ
تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ لوگوں کو کھلم کھلا دین کی طرف دعوت دو اور
مشرکین کی پرواہ مت کرو (سورہ حجرہ آیت ۹۴)

رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے اس حکم کے بعد دین اسلام کی دعوت کو
عام کر دیا۔ اجتماع عام میں لوگوں کو دین اسلام کے مقدس آئین کی طرف
دعوت دینی شروع کر دی اور پھر دن بہ دن مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے

لگا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی دعوت عام ہوئی تو اسلام کے دشمنوں کے آزار و
اذیت میں بھی شدت آگئی مسلمانوں کو اس قدر سخت اذیت و آزار میں مبتلا کیا گیا
کہ وہ تنگ آگئے اور مجبور ہو گئے کہ اپنا گھر بار چھوڑ کر کسی دوسرے ملک کی طرف
ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ سے
اجازت لی اور حبشہ کی طرف روانہ ہو گیا (شرح ابن الحدید ج ۱۶ ص ۲۱۴)

جو کفار اپنی سختیوں، ظلم اور اذیت و آزار سے اسلام کی پیش رفت اور
وسعت کو نہ روک سکے تو انہوں نے ایک مشاورتی اجتماع کیا اور سب نے مل کر
فیصلہ کیا کہ حضرت محمد ﷺ کو قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابو طالبؑ کو کفار کے خطرناک ارادے کا علم ہو گیا لہذا آپ نے
رسول اللہ ﷺ کی جان کی حفاظت کی غرض سے انہیں بنی ہاشم کے ایک
گروہ کے ہمراہ ایک درے میں منتقل کر دیا جو شعب ابی طالب کے نام سے
مشہور ہے۔ جب دشمن اسلام آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے سے ناامید ہو گئے
تو ان لوگوں نے شعب ابی طالب میں نظر بند افراد پر اقتصادی دباؤ ڈالنا شروع
کر دیا اور گروہ بنی ہاشم سے خرید و فروخت پر پابندی لگا دی۔

جناب خدیجہؑ نے ایسے پر آشوب ماحول میں جناب فاطمہؑ کو دودھ پلایا
جناب فاطمہؑ کے دودھ پینے کی کافی مدت اسی شعب ابی طالب میں گزری اور اسی
شعب ابی طالب ہی میں جناب فاطمہؑ دودھ بھی چھڑایا گیا۔ جناب فاطمہؑ نے
اسی جلا دینے والے ریگستان میں چلنا پھرنا سیکھا۔ جناب فاطمہؑ نے اسی شعب ابی
طالب میں بولنا سیکھا۔ جناب فاطمہؑ نے اس جلا دینے والی ہولوی کے سوا اور کچھ

نہ دیکھا اور باہر کی دنیا سے بے خبر رہیں۔ جب جناب فاطمہؑ کا سن ۵ سال کا ہوا تب پیغمبر اسلام اور بنی ہاشم کو اس درے شعب ابی طالب سے نجات ملی اور یہ سب لوگ اپنے گھروں کو واپس لوٹے۔ نئی زندگی کے نظارے آزادی کی نعمت، کھانے پینے کی فراوانی اور اپنے مکان میں رہنا جناب فاطمہؑ کے لئے نئے ماحول کی حیثیت رکھتا تھا اور جناب فاطمہؑ کے لئے باعث مسرت تھا۔

لیکن افسوس کہ جناب فاطمہؑ کی خوشی کے دن زیادہ دیر تک نہ رہ سکے۔ آپ نے ابھی آزاد ماحول میں سانس لیا ہی تھا کہ آپ کی والدہ گرامی جناب خدیجہؑ کا انتقال ہو گیا۔ جب آنحضرت خدیجہؑ کی تدفین سے فارغ ہو کر گھر پہنچے تو جناب فاطمہؑ اپنے بابا کے اردگرد گھوم کر سوال کرتیں کے بابا جان میری مہربان ماں کہاں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ حیران تھے کہ اپنی پیاری بچی جناب فاطمہؑ کو کیا جواب دیں کہ اسی اثناء میں حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور فرمایا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ جناب فاطمہؑ کے جواب میں کہہ دیجئے کہ تمہاری ماں انتہائی آرام و آسائش کے ساتھ زرجد کے بنائے ہوئے محل میں زندگی بسر کر رہی ہیں (شرح ابن ابی الحدید ج ١٦ ص ٢١٦)

حضرت فاطمہ زہراؑ بنت محمد مصطفےٰ ﷺ

حضرت فاطمہ زہراؑ جناب خدیجہؑ کے بطن سے رسول اللہؐ کی عزیز ترین اکلوتی صاحبزادی تھیں۔ بعثت کے پانچویں سال مکہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ سخت ترین حالات میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اسلام گوشہ گیر تھا۔ شعب ابوطالبؑ میں مسلمان تھوڑے سے تھے اور وہ بھی سخت حالات میں ترک بت پرستی، جہالت، داخلی جنگوں، ظلم کی حاکمیت، لاوارث عوام، مکہ کا ماحول بالکل تاریک تھا۔ رسول اللہ ﷺ مستقبل کے بارے میں سوچ رہے تھے ان تاریک راتوں کی پشت پر ایک روشن صبح کا مستقبل وہ مستقبل جو عام اور ظاہری حالات کی بنا پر غیر ممکن نظر آرہا تھا۔ ابھی جناب فاطمہؑ پانچ برس کی تھیں کہ ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ کی پرورش و پرداخت کی تنہا ذمہ داری حضرت محمد ﷺ پر آپڑی۔ آپ شب روز کی مصروفیتوں کے باوجود اس گوہر عصمت و طہارت کی دیکھ بھال بھی کرتے اور تعلیم و تربیت پر بھی پوری توجہ فرماتے۔

حضرت جبرئیلؑ نے طوبیٰ کے درخت سے ایک پھل پیغمبر ﷺ کو دیا اور جب پیغمبر اسلام اسی جنتی میوہ سے حضرت فاطمہ زہراؑ کے وجود کا آغاز ہوا۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ جناب فاطمہ زہراؑ کا بار بار بوسہ لیتے تھے ایک دن حضرت عائشہؓ نے اعتراض کیا آپ اپنی بیٹی کا اتنا زیادہ بوسہ کیوں لیتے

ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بھی میں فاطمہؑ کا بوسہ لیتا ہوں بہشت
کی خوشبو سونگھتا ہوں (بحار الانوار ج۴۳ ص ۲۹۳)

جناب فاطمہ زہراؑ کے ۹ نام ہیں جن میں سے ہر نام دوسرے نام سے
زیادہ بامعنی ہے۔ (۱) فاطمہ (۲) صدیقہ (۳) طاہرہ (۴) مبارکہ (۵) زکیہ (۶)
راضیہ (۷) مرضیہ (۸) محدثہ (۹) زہرا۔

ہر نام آپ کے اوصاف اور پر برکت وجود کا ترجمان ہے کیا اتنا ہی کافی
نہیں ہے کہ ان کے مشہور نام فاطمہؑ میں ان کے ماننے والوں کے لئے عظیم
ترین بشارت پوشیدہ ہے کیوں کہ فاطمہ 'فطم' سے بنا ہے جس کے معنی ہیں
'جدا ہونا' یا 'دودھ چھڑانا' رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق جو آنحضرت
ﷺ نے حضرت علیؑ سے ارشاد فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جانتے ہو میری بیٹی کا نام 'فاطمہؑ'
کیوں رکھا گیا ہے حضرت علیؑ نے عرض کیا آپ فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اس لئے کہ وہ اور ان کے شیعہ آتش
جہنم سے جدا کر دیئے گئے ہیں۔ (اربعین شیخ بہائی بحار الانوار ج۴۳ ص ۲۹۲)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا گیا۔ جناب فاطمہؑ کو 'زہراؑ'
کیوں کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

اس لئے کہ زہرا کے معنی روشنی کے ہیں جناب فاطمہؑ ایسی تھیں جب
عبادت کے لئے کھڑی ہوتیں تو آپ کا نور اہل آسمان کو منور کرتا تھا جس طرح

ستارے زمین والوں کو نور دیتے ہیں اس لئے جناب فاطمہؑ کا نام زہرا رکھا گیا۔

جب جناب خدیجہؑ نے رسول اللہ ﷺ سے شادی کی تو مکہ کی عورتوں
نے جناب خدیجہؑ سے رابطہ توڑ لیا اور کہنے لگیں تم نے ایک یتیم غریب نوجوان
سے شادی کر کے اپنی شخصیت کو گرا دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے حالات دن بہ دن مصائب میں گھرتے رہے۔
دشمنی بڑھتی رہی اسلام کا پودا زمین پر اپنی جڑیں مضبوط کرتا رہا، انہیں حالات
میں جناب فاطمہ زہراؑ ولادت ہوئی، پیدائش کے وقت قریش کی عورتوں کو
بلایا تاکہ اس حساس موقع پر مدد کریں اور جناب خدیجہؑ کو اکیلا نہ چھوڑیں، لیکن
خواتین مکہ نے یہی جواب دیا کہ آپ نے ہماری بات نہیں مانی اور یتیم محمد ﷺ
سے شادی کی جس کے پاس کوئی دولت نہیں تھی اس لئے ہم آپ کی کوئی مدد
نہیں کر سکتے۔ جناب خدیجہؑ کو مکہ کی خواتین کے اس جواب سے سخت تکلیف
پہنچی مگر جناب خدیجہؑ کے دل میں اللہ کے نور کی شمع روشن تھی۔

جناب فاطمہ زہراؑ کی پیدائش کا وقت قریب آیا اور جناب خدیجہؑ اپنے
گھر میں اکیلی تھیں کوئی مدد کرنے والا نہیں تھا۔ جناب خدیجہؑ پریشان تھیں
لوگوں کی بے رخی تکلیف پہنچا رہی تھی۔ اللہ سے دعا کی اے میرے مالک
سارے جہاں کے پالنے والے میری مدد کو آ۔ جناب خدیجہؑ نے آنکھیں کھولیں
تو چار عورتوں کو اپنے نزدیک پایا۔ کافی متعجب ہوئیں، ان چار عورتوں نے
مسکرا کر جناب خدیجہؑ کی طرف دیکھا اور اس میں سے ایک عورت جناب خدیجہؑ
سے مخاطب ہوئی۔ آپ پریشان نہ ہوں، آپ کے مہربان رب نے ہمیں آپ کی

مدد کے لئے بھیجا ہے، ہم آپ کی بہنیں ہیں، پھر جناب خدیجہؑ سے دوسری خاتون
کا تعرف کرایا یہ آسیہ زوجہ فرعون ہیں۔ یہ بہشت میں آپ کی دوست ہوں گی،
یہ مریم بنت عمران ہیں اور یہ جناب موسیٰ بن عمران کی بیٹی کلثوم ہیں۔ ہم
سب اس وقت آپ کی مدد کرنے آئے ہیں اور یہ چاروں خواتین اس وقت تک
جناب خدیجہؑ کے پاس رہیں جب تک جناب فاطمہؑ کی ولادت نہیں ہوئی
(مستدرک الوسائل محدث نوری ج ۱ ص ۱۶)

اللہ نے اس آیت میں فرمایا؛

بے شک وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر ثابت قدم
بھی رہتے ہیں۔ ان پر فرشتے نازل ہوں گے اور ان سے کہیں گے ڈرو نہیں
غمگین نہ ہو۔

اللہ کی طرف سے فرشتوں کے علاوہ عورتیں بھی جناب خدیجہؑ جیسی با
ایمان اور ثابت قدم شخصیت کی مدد کے لئے آئیں۔ جناب فاطمہؑ کی ولادت
نے پیغمبر اسلامؐ کو اتنا زیادہ خوش کیا کہ پیغمبر خدا نے خدا کی بے پناہ حمد و ثنا کی اور
ان لوگوں کی زبانیں بند کر دیں جو پیغمبر ﷺ کو لاولد ہونے کا طعنہ دیتے تھے۔

اللہ نے سورہ کوثر کے ذریعہ اس عظیم اور بابرکت بچے کی شہادت
رسول اللہ کو دی

اللہ سورہ کوثر میں فرماتا ہے

ہم نے خیر کثیر کا سرچشمہ (فاطمہ) آپ کو عطا کیا اب آپ اپنے
پروردگار کی نماز پڑھیے اور شکر کیجیے یقیناً آپ کا دشمن مقطوع النسل ہے۔

تاریخ اور حدیث کے تمام علماء نے تحریر فرمایا ہے کہ رسول اللہ جناب
فاطمہؑ کو سب سے زیادہ چاہتے تھے آپ کی محبت صرف اس بنا پر نہیں تھی کہ
جناب فاطمہؑ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی تھیں۔ گرچہ اس بنا پر بھی رسول اللہ
ﷺ کے دل میں اپنی بیٹی سے بڑی محبت تھی۔ رسول اللہؐ کے وہ کلمات اور
وہ حدیثیں جن میں آپ نے اپنی بیٹی سے محبت کا ذکر کیا ہے اس کا لب و لہجہ بتا
رہا ہے کہ اس محبت کا سبب کوئی بہت اعلیٰ معیار ہے۔ جو رابطہ پدری کے علاوہ
ہے اس سلسلے میں کافی روایتیں ہیں

رسول اللہ ﷺ کے نزدیک مردوں میں سب سے زیادہ محبوب
حضرت علیؑ اور عورتوں میں سب سے زیادہ نزدیک جناب فاطمہ زہراؑ تھیں بعض
لوگوں نے یہ روایت حدیث عائشہؓ سے نقل کی ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی۔

جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو پیغمبر کو اس طرح نہ پکارو۔

اسکے بعد لوگوں نے 'یا محمدؐ' کہنا ترک کر دیا اور اسکے بعد یا رسول اللہ
کہہ کہہ کر پکارتے تھے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جناب فاطمہؑ میں
اتنی ہمت نہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کو بابا جان کہہ کر پکارتیں۔ لہذا جب جناب
فاطمہ زہراؑ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تھیں تو یا رسول
اللہ ﷺ کہتی تھیں پھر رسول اللہ ﷺ نے جناب فاطمہ زہراؑ سے فرمایا:

اے فاطمہ زہراؑ یہ آیت تمہارے بارے میں نازل نہیں ہوئی ہے اور نہ
تمہارے خاندان کے بارے میں اور نہ تمہاری نسل کے بارے میں تم مجھ سے ہو

میں تم سے ہوں۔ یہ آیت قریش کے جفاکاروں اور تند خو لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

پھر اس کے بعد نہایت محبت بھرے لہجے میں ارشاد فرمایا۔

اے فاطمہؑ تم مجھکو بابا جان ہی کہو کیوں کہ اس سے میرا دل خوش ہوتا ہے اور ہم سب کا اللہ بھی زیادہ خوش ہوتا ہے (سوانح حیات فاطمہ زہراؑ ۲۶)

جناب فاطمہؑ کی زبان مبارک سے بابا جان رسول اللہ کو اتنا سکون پہنچاتا تھا اور رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ خوش ہوتے تھے جب کبھی رسول اللہ ﷺ سفر پر تشریف لے جاتے تھے تو سب سے آخر میں جناب فاطمہؑ سے رخصت ہوتے تھے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے جناب فاطمہؑ سے ملتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں

جس نے میری بیٹی فاطمہؑ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔

جس نے میری بیٹی فاطمہؑ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

جس نے میری بیٹی فاطمہؑ کو خوش کیا اس نے مجھے خوش کیا۔

جس نے میری بیٹی فاطمہؑ کو رنجیدہ کیا اس نے مجھے رنجیدہ کیا۔

یقیناً جناب فاطمہؑ کی عظیم شخصیت ایمان اور عبادت میں ان کی بلندی اور عظمت اس بات کی متقاضی تھی کہ اسی طرح جناب فاطمہؑ کا احترام کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اس طرز عمل سے ایک پیغام لوگوں تک پہنچانا چاہتے تھے کہ دین اسلام کے نظریہ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں فکری اور ثقافتی انقلاب کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

لڑکی ایسی چیز نہیں ہے جس کو زندہ دفن کر دیا جائے۔

دیکھو میں اپنی شہزادی جناب فاطمہؑ کے ہاتھوں کا بوسہ لیتا ہوں اس کو اپنی جگہ بٹھاتا ہوں میں اتنا زیادہ اس کا احترام کرتا ہوں کہ اس کی کتنی میں عزت کرتا ہوں دوسرے لوگوں کی طرح عورت بھی ایک انسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اللہ کا ایک عطیہ ہے۔

عورت بھی اعلیٰ مدارج کمال تک پہنچ سکتی ہے وہ بھی اللہ کی بارگاہ میں رسائی حاصل کر سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عرب کے تاریک ماحول میں عورت کی پامال شدہ شخصیت کو زندہ کیا۔ اس کو عزت دی اس کو انسانیت کی منزلت عطا کی۔

بعثت کے دسویں سال حضرت ابو طالب اور جناب خدیجہؑ کی انتہائی کم مدت کے فاصلے سے یکے بعد دیگرے وفات ہو جاتی ہے ان دو غم انگیز واقعات نے رسول اللہ ﷺ کی روح کو اس قدر صدمہ پہنچایا کہ آپ نے اس سال کو غم کے سال سے موسوم کیا ایک طرف تو آپ کی غم گسار اور داخلی و خارجی امور میں آپ کی مشیر اور آپ کی شہزادی کی ماں جناب خدیجہؑ کا انتقال ہوتا ہے اور دوسری طرف آپ کے حامی اور مددگار حضرت ابو طالبؑ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان دو چاہنے والے حامی اور مددگار سے محروم ہو جانے کی بنا پر دشمنوں کی اذیت و آزار میں گھر جاتے ہیں۔

جناب فاطمہؑ جب کبھی گھر سے باہر جائیں تو ناگوار اور تلخ حوادث کا

مشاہدہ کرتیں۔ کبھی دیکھتیں کہ لوگ آپ کے والد بزرگوار کو اذیت دے رہے ہیں اور انہیں برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ ایک دن آپ نے دیکھا کہ دشمن مسجد الحرام میں بیٹھے آپ کے والد کے قتل کا منصوبہ بنا رہے ہیں روتے ہوئے گھر واپس تشریف لے آئیں اور دشمنوں کے منصوبے سے آنحضرت ﷺ کو آگاہ کیا (فتوح البلدان ص ۳۴)

ایک دن مشرکین میں سے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو گلی میں دیکھا تو کوڑا کرکٹ اٹھا کر آپ کے سر پر ڈال دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے کچھ نہ کہا اور اپنے گھر واپس تشریف لے گئے جناب فاطمہؑ نے جب اپنے والد کی یہ حالت دیکھی تو فوراً آپ تیزی سے آپ کے استقبال کو بڑھیں اور پانی لا کر اشک بار آنکھوں سے آپ کے سر مبارک کو دھویا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری شہزادی رومت مطمئن رہو کہ اللہ تمہارے پدر کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے گا اور کامیابی عطا فرمائے گا (شرح ابن ابی الحدید ج ۱۶ ص ۲۱۶)

جناب فاطمہؑ نے اپنی اسی کم سنی میں اس طرح کے ناگوار واقعات دیکھے آپ اپنے والد گرامی کی مدد کو ایسے لپکتیں جیسے کہ ماں اپنے لخت جگر کی حمایت کو دوڑتی ہے۔ جناب خدیجہؑ کے انتقال کے بعد قدرتی طور پر بہت سے گھریلو کام کاج کی ذمہ داری چھوٹی سی فاطمہؑ کے کاندھوں پر آن پڑی تھی کیونکہ توحید کا یہ پہلا گھر اپنی خاتون خانہ سے محروم ہو چکا تھا اور جناب فاطمہؑ کے سوا رسول اللہ ﷺ کے گھر میں کوئی اور نہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے جناب خدیجہؑ کے بعد 'سودہ' نامی خاتون سے

شادی کی اور دوسری کسی خواتین کو اپنے عقدؑ میں لیا۔ وہ بھی کم و زیادہ جناب فاطمہؑ سے اظہار محبت کیا کرتی تھیں۔ لیکن کسی بھی یتیم بچے کے لئے دشوار ہے کہ وہ اپنی ماں کی جگہ کو خالی اور دوسری عورت کو اس کی جگہ دیکھے۔ سوتیلی ماں خواہ کتنی ہی مہربان اور اچھی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ خالص محبت، شفقت جو ماں کی طرف سے ہوتی ہے وہ اس بچے کو نہیں دے سکتی۔ صرف ماں ہی ہے جو ناز و نعم، شفقت و محبت سے بچے کے دل کو تسکین اور تقویت دے سکتی ہے۔

جناب فاطمہؑ کو جس شدت سے اپنی مادر گرامی مہربان سے محرومہ کا احساس ہوتا تھا اسی شدت سے رسول اللہ ﷺ آپ سے اظہار محبت فرماتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب جناب فاطمہؑ کے چہرے کا بوسہ نہ لیتے سونے کو نہیں جاتے تھے۔

جناب فاطمہؑ کو ہرگز اس ناگوار حادثے کے ہونے کا احتمال نہ تھا۔ آپ گاہے گاہے فراق مادر میں اشک بہاتیں اور اپنی ماں مہربان ماں کی تلاش میں ہر وقت رہتیں۔

رسول اللہ ﷺ بعثت کے تیرھویں سال مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ کفار قریش کو رسول اللہ ﷺ یا مسلمانوں سے ذاتی عداوت یا دشمنی ہوتی تو وہ لوگ ہجرت سے خوش ہوتے کہ سر کا درد گیا۔ مگر انھیں تو اس مقصد اور مشن سے دشمنی تھی جس کی ترقی سے وہ خود اپنے لئے خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ لہذا جب انھوں نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں کو اہل یثرب کی حمایت اور پشت پناہی حاصل ہو گئی ہے تو انھیں یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ جس طرح تمام

مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ کی طرف جارہے ہیں اسی طرح رسول
اللہ ﷺ بھی چلے گئے تو یہی جماعت ایک دن ہمارے خلاف اٹھ کھڑی ہوگی۔
اس لئے ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی شمع
حیات گل کردیں تاکہ آئندہ کوئی گنجائش ہی نہ رہ جائے۔ اس سے صاف ظاہ
ہے کہ قتل کے اندیشہ کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی ہجرت نہیں ہوئی بلکہ ارا
ہجرت کے بعد آپ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ جیسا کہ ابن سعد کا بیان
کہ۔

جب مشرکین نے دیکھا کہ اصحاب پیغمبر ﷺ اپنے ساتھ عورت
اور بچوں کو بھی اوس وخزاج کی طرف لے گئے ہیں تو وہ یہ سمجھے کہ وہ ان کے
قابل اطمینان اور محفوظ مقام ہے اور وہ ایک طاقت ور جماعت ہے تو ا
اندیشہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بھی وہاں پہنچ جائیں گے لہذا یہ لوگ دار ال
میں جمع ہوئے تاکہ آپ کے بارے میں باہم مشورہ کریں (طبقات ابن س
ص ۱۰۳)

علامہ طبرسی کا بیان ہے کہ دار الندرہ میں الشرف قریش می
چالیس افراد کا مجمع تھا اور شرکاء پر یہ پابندی تھی کہ چالیس برس سے کم ع
آدمی شریک محفل نہ ہو، صرف ایک عتبہ بن ربیعہ معاویہ کا نانا ایسا تھا جس
چالیس سال سے کم تھی (اعلام الوری ص ۴۰)

علامہ دیار بکری کا کہنا ہے کہ اس محفل مشاورت میں بنی
علاوہ تمام قبیلوں کے سرکردہ افراد نے شرکت کی۔ ابو جہل نے را

ہر قبیلہ سے مضبوط اور طاقتور جوان منتخب کیے جائیں اور وہ سب مل کر رسول
اللہ ﷺ کی شمع حیات کو گل کردیں۔ اس صورت میں کسی ایک قبیلے یا ایک فرد
کو ملزم قرار نہیں دیا جاسکتا ہے بلکہ تمام قبائل اس میں شریک سمجھے جائیں گے
اور بنی ہاشم کے امکان سے یہ بات باہر ہوگی کہ وہ تمام قبائل عزت سے جنگ
لڑیں یا خون کا بدلہ خون چاہیں۔ لہذا وہ قصاص کے بجائے دیعت پر راضی ہو
جائیں گے اور ہم سب مل کر بڑی آسانی سے دیعت ادا کردیں گے۔ ابو جہل کی
یہ رائے شریک محفل سب نے پسند کی اور شیخ نجدی نے بھی اسے سراہا۔

اس قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے یہ طے کیا گیا کہ سر شام
رسول اللہ ﷺ کے مکان کے گرد پہرا بٹھادیا جائے جو رسول اللہ ﷺ کی نقل و
حرکت پر کڑی نظر رکھے تاکہ رسول اللہ ﷺ حملہ کی سن گن پاکر ادھر ادھر نہ
ہو جائیں اور جب اندھیرا چھاجائے تو تمام نوجوان گھر کے اندر گھس کر انھیں
قتل کردیں (اعلام انواری ص ۴۱)۔

ادھر کفار قریش رسول اللہ ﷺ کے قتل کا منصوبہ تیار کررہے تھے
اور ادھر ان کے ناپاک عزائم سے رسول اللہ ﷺ کو باخبر کردیا گیا چنانچہ قرآن
مجید میں ارشاد الٰہی ہوا

اے رسول ﷺ وہ وقت یاد کرو جب کفار تمہارے خلاف منصوبہ
تیار کررہے تھے کہ تمہیں کسی جگہ بند کردیں یا قتل کردیں وہ اپنا منصوبہ تیار کر
رہے تھے اور اللہ اپنا منصوبہ تیار کررہا تھا اور اللہ سے بڑھ کر کسی کا منصوبہ نہیں ہو
سکتا (انفال آیات ۳۰)

ابن سعد کا بیان ہے کہ جبرئیل رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو واقعہ کی اطلاع دی اور یہ حکم الٰہی پہنچایا کہ آج کی رات آپ اپنے بستر پر آرام نہ فرمائیں (طبقات ج ۱ ص ۱۰۳)

اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؑ کو طلب کیا اور فرمایا۔ اے علیؑ! قریش نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ آج کی رات مجھے قتل کر دیں اور میرے پروردگار نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں مکہ چھوڑ کر مدینہ چلا جاؤں اور تمھیں اپنے بستر پر سلادوں اس لئے تم میری سبز چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ، اللہ تمہیں دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔

حضرت علیؑ نے عذر و نہ بہانہ تلاش کیا صرف یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا میرے سونے سے آپ کی جان بچ جائے گی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں علیؑ! اگر تم میرے بستر پر سو جاؤ گے تو میں مشرکین کی گرفت سے آزاد ہو کر مدینہ کی طرف چلا جاؤں گا۔ یہ سن کر علیؑ نے سجدہ شکر کے لئے اپنی پیشانی زمین پر رکھ دی۔ اپنے شہر آشوب مازندرانی کا بیان ہے کہ علی ؑ ہو ہیں جنھوں نے سب سے پہلے سجدہ شکر ادا کیا اور سب سے پہلے اپنا چہرہ خاک پر رکھا (مناقب ج ۱ ص ۱۲۷)

ادھر رسول اللہ ﷺ نے ایک مٹھی خاک لی اور کفار قریش کی آنکھوں میں جھونکتے ہوئے غار ثور کی طرف روانہ ہوئے اور ادھر حضرت علیؑ رسول اللہ ﷺ کی سبز چادر اوڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سو گئے جب خالق کائنات نے یہ منظر دیکھا تو ملائکہ سے فرمایا۔

تم میں کچھ میرے بندے ایسے بھی ہیں جو میری خوشنودی کی خاطر اپنی جان تک بیچ دیتے ہیں اور اللہ ایسے بندوں پر بڑا ہی مہربان اور شفقت کرنے والا ہے (البقرہ آیت ۲۰۷)

حدود مکہ سے باہر نکل کر رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا کہ جیسے کوئی ناقہ سوار آپ کا تعاقب کر رہا ہے رسول اللہ ﷺ تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔ تیز رفتاری کے سبب سے رسول اللہ ﷺ کا پائے اقدس پہاڑی علاقہ کی ناہموار زمین پر پڑے ہوئے ایک پتھر سے اس طرح ٹکرایا کہ پاؤں اقدس کی انگلیاں لہو لہان ہو گئیں لیکن ناقہ سوار کا پر اسرار تعاقب برابر جاری رہا آخر کار مڑ کر رسول اللہ ﷺ نے آتے ہوئے ناقہ سوار کو بغور دیکھا تو اندازہ ہوا کہ شاید ابو بکرؓ ہیں۔ آپ ٹھہر گئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو بھی اپنے ساتھ لیا اور مختصر سا سفر طے کر کے غار ثور تک پہنچے اور بحکم الٰہی اس غار ثور میں داخل ہو گئے اس کے بعد اللہ کے حکم سے مکڑی نے غار کے دہانے پر جالا تن دیا۔ (بخاری ج ۱ حصہ ۳ ص ۴۹)

رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد حضرت علیؑ تین دن تک مکہ میں رہے اور جن لوگوں کی امانتیں رسول اللہ ﷺ کی تحویل میں تھیں انھیں واپس کی اور چوتھے دن جناب فاطمہ بنت اسد اور جناب فاطمہ زہراؑ اور خاندان ابو طالبؑ کی دوسری خواتین کو محملوں میں سوار کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

مدینہ منورہ میں آنے کے بعد جب جناب فاطمہ زہراؑ سن بلوغ کو پہنچیں تو قریش کے سرکردہ افراد کی طرف سے خواستگاری کے پیغام آنے لگے مگر

رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کے پیغام پر منہ پھیر لیا اور صاف جواب دے دیا اور کچھ لوگوں سے فرمایا کہ فاطمہؑ کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جہاں چاہے گا نسبت ٹھہرا دے گا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی کو ہمت افزا جواب نہ ملا تو بعض صحابہ نے حضرت علیؑ کو مشورہ دیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے بھائی اور قریب ترین عزیز ہیں آپ کا خون اور خاندان ایک ہے آپ بھی پیغام بھیج دیجئے۔ کوئی وجہ نہیں کہ آپ کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ انکار کریں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتے ہوئے حجاب محسوس ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے جب بہت اصرار کیا تو آپ نے کہا اچھا کسی مناسب موقع پر رسول اللہ ﷺ سے عرض کروں گا چنانچہ ایک دن ضروری کاموں سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک گوشہ میں سر جھکا کر بیٹھ گئے رسول اللہ ﷺ نے آپ کو خاموش دیکھا تو سمجھ گئے کہ اس خاموشی میں کوئی عرض داشت چھپی ہوئی ہے فرمایا اے علیؑ کچھ کہنا چاہتے ہو۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا۔ ہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر کہو۔ حضرت علیؑ کے چہرے پر شرم کی سرخی دوڑ گئی۔ نگاہوں کو نیچا کئے دبی زبان میں کہا، یا رسول اللہ ﷺ آپ نے بچپن سے مجھے پالا پوسا ہے مجھ پر آپ کے احسانات میرے ماں باپ سے بھی بڑھ کر ہیں اب میں مزید احسان کا امیدوار ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کچھ دیر ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر گھر کے اندر تشریف لے گئے اور فاطمہؑ سے کہا بیٹی علی

رشتہ کی درخواست لے کر آئے ہیں تمہاری کیا مرضی ہے۔ جناب فاطمہؑ نے سر جھکائے خاموش بیٹھی رہیں اور کوئی جواب نہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ سمجھ گئے کہ فاطمہؑ کی یہ خاموشی کا اظہار رضامندی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے واپس آکر علیؑ سے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہوگا اب تم زر مہر کا انتظام کرو۔ حضرت علیؑ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس زرہ تلوار اور ایک اونٹ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم تلوار اور اونٹ اپنے پاس رہنے دو اور تم زرہ فروخت کر ڈالو۔ حضرت علیؑ نے اپنی زرہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں فروخت کر دی اور اس رقم کو بطور مہر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان درہموں میں سے کچھ درہم حضرت ابو بکرؓ کو دیے اور عمار یاسرؓ و چند صحابہ کو ان کے ہمراہ کیا تاکہ وہ گھر گرہستی کا کچھ سامان خرید لائیں اور کچھ درہم بلالؓ کو دیے اور فرمایا کہ اس رقم سے (خوشبو کا سامان) عطر وغیرہ خرید لاؤ۔

ماہ ذیقعدہ ۲ھ کو مسجد نبوی میں محفل عقد آراستہ ہوئی، تمام صحابہ نے شرکت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھا۔ فصاحت کی کلیاں چٹکیں۔ بلاغت کے پھول کھلے اور طرفین سے ایجاب و قبول ہوا اور یہ مبارک تقریب انتہائی سادگی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی دعائے خیر و برکت پر ختم ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ نے دعوت ولیمہ کے سلسلہ میں گوشت اور اونٹیوں کا انتظام کیا اور حضرت علیؑ نے روغن اور کھجوریں مہیا کیں۔ دعوت کا اعلان عام

تھا سب مہاجر و انصار شریک محفل ہوئے سب لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔

رسول اللہ ﷺ کی شہزادی جناب فاطمہؑ سر زمین حجاز کی مقبول ترین خاتون جناب خدیجہؑ کی بیٹی کو جہیز دیا گیا وہ ایک پیراہن، ایک اوڑھنی، ایک چادر، کھجور کی رسیوں سے بنی ہوئی ایک چارپائی، دو توشکیں، ایک میں اون اور پیال اور ایک میں کھجور کی چھال بھرا ہوا تھا۔ چمڑے کے چار تکیے، ایک چٹائی، ایک چکی، ایک مشکیزہ، ایک گھڑا ہف چند مٹی کے پیالے تھے۔ جسکی اس وقت مجموعی قیمت اسی (۸۰) درہم تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی عزیز بیٹی جناب خدیجہؑ کی نشانی کے جہیز کو دیکھا تو آنکھ میں آنسو آگئے۔ ایک ایک چیز کو الٹا، پلٹا اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمایا کہ خدایا ان لوگوں کو برکت دے جن کے برتن زیادہ تر مٹی کے ہیں۔

جب دن نے اپنا دامن سمیٹا، رات نے سیاہ چادر کے پردے آویزاں کیے عقد پروین نے جبین فلک پر افشاں چنی اور مشاطہ فطرت نے عروسی سپہر کو ستاروں سے آراستہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے جناب فاطمہؑ کو اپنے خچر شہباز پر سوار کیا۔ تکبیر کی آوازوں سے مدینہ کی فضائیں گونج اٹھیں، ہر طرف سے مبارک سلامت اور خیر و برکت کی صدائیں بلند ہوئیں انصار و مہاجرین کی خواتین رجز خوانی کرتی ہوئی ساتھ ساتھ سلمان فارسی لگام تھامے ہوئے آگے آگے اور رسول اللہ ﷺ اور تمام بنی ہاشم تلواریں بلند کیے ہوئے پیچھے پیچھے اس شان و شوکت سے یہ رخصتی کا جلوس رسول اللہ ﷺ کے گھر سے روانہ ہوا

اور مسجد نبوی سے ہوتا ہوا منزل مقصود پر پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ نے جناب فاطمہؑ کا ہاتھ پکڑ کر حضرت علیؑ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا۔ تمہیں دختر رسول اللہ ﷺ مبارک ہو۔ پھر پانی کا ایک پیالہ طلب کیا اور علیؑ و فاطمہؑ کے سر و سینہ پر چھڑکا اور فرمایا۔ پروردگار ان دونوں کو برکت دے اور ان کی نسل و اولاد میں بھی برکت عطا کر (صابہ ج ۴ ص ۳۶۶)

یہ رشتہ ازدواج اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ ایک طرف اس سے نسل رسول اللہ ﷺ کا سلسلہ قائم رہا اور دوسری طرف ان دشمنان دین کی سیاہی کا سامان ہوا۔ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو لاولد کا خطاب دے رکھا تھا۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی نرینہ اولاد زندہ نہ رہی مگر امام حسنؑ اور امام حسینؑ فرزندان دختر ہونے کے اعتبار سے ابنائے رسول اللہ ﷺ قرار پائے اور انھیں دونوں سے آپ کی نسل پھولی پھلی اور چلی نیز دنیا کے گوشہ گوشہ میں ذریت رسول اللہ ﷺ کہلائی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

خداوند عالم نے ہر نبی کی ذریت کو اس کے صلب میں قرار دیا اور میری ذریت کو علیؑ بن ابی طالب کے اصلاب میں رکھا۔ (صواعق محرقہ ص ۱۰۴)

دوسرے دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز ادا کی اور دودھ سے بھرا ایک برتن لئے ہوئے حضرت علیؑ کے گھر تشریف لے گئے، اپنی بیٹی کا دیدار کیا بیٹی نے بابا جان کہہ کر سلام کیا۔ دودھ کا برتن جناب فاطمہؑ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا، تمہارا باپ تم پر فدا ہو بیٹی اس دودھ کو پی لو۔ اس کے بعد علیؑ سے فرمایا کہ تمہارے چچا کا بیٹا تم پر قربان ہو تم بھی اس دودھ کو پی لو۔ (کشف

الغمہ ج۲ص ۱۰۲)

پھر حضرت علیؑ سے پوچھا، علیؑ تمہاری بیوی کیسی ہے، حضرت علیؑ نے عرض کیا، اللہ کی بندگی میں بہترین مددگار، حضرت فاطمہؑ سے دریافت کیا تمہارا شوہر کیسا ہے جناب فاطمہؑ نے عرض کیا، بہترین شوہر (فتوح البلدان ص ۴۴)

رسول اللہ ﷺ برابر جناب فاطمہؑ کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے جناب فاطمہؑ سے دریافت کیا، بیٹی تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا، جناب فاطمہؑ نے عرض کیا بابا جان اللہ نے مردوں میں سے بہترین مرد مجھے نصیب فرمایا۔

جناب فاطمہؑ اپنے والد گرامی حضرت رسول اللہ ﷺ کے گھر سے اپنے شوہر حضرت علیؑ کے گھر تشریف لا چکی تھیں اور اب یہ گھر حضرت علیؑ اور جناب فاطمہؑ کا گھر تھا۔ علیؑ اور فاطمہؑ کا گھر معصوم اور انسانی فضائل و کمالات سے آراستہ تھا۔ میاں بیوی دونوں باہمی مدد و تعاون سے اپنے گھر کو چلا رہے تھے اور خانگی امور میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ جناب فاطمہؑ اپنے گھر کے کام میں اتنی مشغول رہتی تھیں کہ ان کو کافی زحمتوں کا سامنا رہتا تھا جناب فاطمہؑ اپنی سخت اور حساس ذمہ داری سے باخبر تھیں۔ وہ حضرت علیؑ کی تحسین و حوصلہ افزائی فرمایا کرتی تھیں اور حضرت علیؑ کی خودداری و بہادری کو سراہتی تھیں اور اس طرح حضرت علیؑ کو آسودہ خاطر کرکے آئندہ کے لئے ہمت بڑھاتی تھیں۔ اپنی بے پناہ محبت سے تھکے جسم اور بدن کے زخموں جو

گھریلو کام کرنے سے آتے تھے ان کو تسکین دیتی تھیں۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں جب میں گھر واپس آتا ہوں تو فاطمہؑ کو دیکھتا ہوں تو میری تمام فکر ختم ہو جاتی ہے۔

جناب فاطمہؑ سے پانچ بچے ہوئے۔ امام حسنؑ، امام حسینؑ، جناب زینبؑ، جناب ام کلثوم اور محسنؑ۔ جناب محسنؑ سقط ہوئے اور یوں جناب فاطمہؑ کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں رہیں۔

روایت ہے کہ جب امام حسنؑ پیدا ہوئے تو انہیں سفید کپڑے میں لپیٹا اور جناب فاطمہؑ نے آغوش رسول ﷺ میں پہنچایا۔ رسول اللہ ﷺ نے امام حسنؑ کو اپنی آغوش میں لیا اور بوسہ دیا۔ یہی عمل امام حسینؑ کی پیدائش کے وقت رسول اللہ ﷺ نے انجام دیا (بحار الانوار ج ۹۴ ص ۲۱۳)

حضرت علیؑ نے جناب فاطمہؑ کی عظمت و منزلت کے پیش نظر ان کی زندگی میں کوئی دوسرا عقد نہیں کیا۔ البتہ جناب فاطمہؑ کے انتقال کے بعد مختلف اوقات میں مختلف قبائل میں چند عقد کیے ان ازواج سے متعدد اولادیں ہوئیں۔

حضرت فاطمہؑ ان کے بطن اطہر سے ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ میں امام حسنؑ اور ۳ یا ۵ شعبان ۴ھ میں امام حسینؑ پیدا ہوئے۔ تاریخ میں ایک تیسرے صاحبزادے کا بھی ذکر آتا ہے، جن کا نام محسن تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ نزدیک قبل ولادت ایک حادثہ میں ساقط ہو گئے۔ یہ حادثہ تاریخ اسلام کا ایک المیہ ہے جو وفات رسول اللہ ﷺ کے ایک آدھ دن بعد پیش آیا اور جناب فاطمہؑ سے دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ جناب زینبؑ اور دوسری جناب ام کلثوم پیدا

ہوئیں۔ جناب زینب کبریٰ کی شادی عبداللہ ابن جعفر سے ہوئی اور جناب ام کلثوم کا عقد محمد ابن جعفر سے ہوا۔ (سیرت امیرالمومنین ص ۱۶۰)

رسول اللہ ﷺ نے بار بار فرمایا۔ حسنؑ و حسینؑ اہل بہشت سے بہترین جوان ہیں ان کا باپ ان سے بہتر ہے (شرح ابن ابی الحدید ج ۱۶ ص ۲۷۴)

حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں، ایک دن رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور حسنؑ آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی حسنؑ کی طرف اور فرماتے۔ میرا بیٹا حسنؑ جنت کا سردار ہے (نورالثقلین ج ۴ ص ۲۷۲)

جابر کہتے ہیں، ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ رسول اللہ ﷺ کی پشت پر سوار ہیں اور رسول اللہ ﷺ گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل چل رہے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں کہ تمہارا اونٹ بہترین اونٹ ہے اور تم لوگ بہترین سوار ہو (فتوح البلدان ص ۴۰۶)

ایک دن جناب فاطمہؑ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں اور عرض کی۔ بابا جان حسنؑ اور حسینؑ آپ کے فرزند ہیں انہیں کچھ عطا فرمائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے اپنی سیادت و ہیبت حسنؑ کو بخشی اور اپنی شجاعت اور سخاوت حسینؑ کو دی (شرح ابن ابی الحدید ج ۱۶ ص ۲۱۶)

رسول اللہ ﷺ جناب فاطمہؑ کی اولاد کی شخصیت پروان چڑھانے میں

ہمیشہ کوشاں رہتے، حضرت علیؑ اور جناب فاطمہؑ بھی انکی شخصیت بنانے میں انکو پروان چڑھانے میں کوشاں رہتیں۔

جناب فاطمہؑ ان پانچ افراد میں سے ایک تھیں جو عیسائیوں کے ساتھ مباہلے میں موجود تھیں۔ ہجرت کے دسویں سال نجران کے عیسائیوں کا ایک گروہ بحث و تحقیق کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس گروہ میں ان کے بزرگ سید اور عاقب اور ان کا بڑا پادری ابو حارثہ بھی اس گروہ میں شامل تھا مختلف مسائل کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی کیفیت پر بھی رسول اللہ ﷺ بحث و گفتگو ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے سورہ آل عمران کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ ابھی بحث جاری ہی تھی کہ اسی دوران حضرت جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے ترجمہ : اے پیغمبر ﷺ علم کے آجانے کے بعد جو لوگ تم سے کٹ حجتی کریں ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ ہم لوگ اپنے اپنے فرزند اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو بلائیں اور پھر اللہ کی بارگاہ میں دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں (سورہ آل عمران ۳ آیت ۶۱)

اس آیت کے آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو مباہلے کی دعوت دی، ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کیا، لیکن یہ تجویز دی کہ اسے کل تک کے لئے موخر کردیا جائے۔

نصاریٰ کی جماعت نے اپنے لوگوں کے درمیان رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر گفتگو کی اور ان کے گروہ کے سب سے بزرگ پادری ابو حارثہ نے کہا۔

ہمیں چاہیے کہ کل کا انتظار کریں تاکہ ہم دیکھ سکیں کہ محمد ﷺ کسے لے کر مباہلے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ اگر محمد ﷺ اپنے اہل بیت اور اولاد کے ہمراہ آئیں تو پتہ چل جائے گا کہ محمد ﷺ اپنی بات پر یقین رکھتے ہیں۔اس طرح وہ اپنے اہل بیت کو خطرہ میں ڈال رہے ہوں گے۔ پھر اس صورت میں ہم لوگوں کو مباہلے کے لئے بڑھنا مناسب نہیں اور اگر محمد ﷺ اپنے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کو لے کر مباہلے کو آئیں تو ہم کو پتہ چل جائے گا کہ محمد ﷺ اپنی بات میں شک رکھتے ہیں اس صورت میں ہم لوگ محمد ﷺ سے مباہلے کریں گے۔

دوسرے روز نجران کے عیسائی مقرر مقام اور وقت پر آئے مسلمان بھی وہاں جمع تھے۔اس دوران لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ایک جوان ایک خاتون اور دو بچوں کے لئے رسول اللہ ﷺ اپنے ہمراہ اس مقام کی طرف آرہے ہیں۔ ابو حارثہ اسقف نے مسلمانوں سے معلوم کیا کہ یہ کون لوگ ہیں ابو حارثہ اسقف کو بتایا گیا یہ جوان جو تم کو نظر آرہا ہے محمد ﷺ کا چچا زاد بھائی اور داماد حضرت علی ابن ابو طالب ہیں اور یہ خاتون محمد ﷺ کی بیٹی جناب فاطمہ ہیں اور وہ دو بچے محمد ﷺ کے نواسے علی اور فاطمہ کے فرزند حسن اور حسین ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اپنے اہل بیت کے ساتھ تشریف لائے اور مباہلے کے میدان میں سب کو لیکر بیٹھ گئے۔

ابو حارثہ اسقف نے جب یہ منظر دیکھا تو اپنے گروہ کے ساتھیوں سے

بولا۔خدا کی قسم محمد ﷺ انبیا کی مانند اطمینان اور جرات کامل کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور ہم لوگوں سے مباہلے کے لئے آمادہ ہیں میں ان بچوں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ بچے پہاڑوں کو اشارہ کریں تو پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں گے۔ مجھے خوف ہے کہ اگر محمد ﷺ نے ہم پر نفرین کی تو روئے زمین پر موجود تمام مسیحی ہلاک ہو جائیں گے اس لئے ان لوگوں نے مباہلے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور مصالحت کا تقاضا کیا جس کو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا(شرح ابن ابی الحدید ج ۱۴ ص ۲۱۶)

رسول اللہ ﷺ اپنی رحلت سے ایک روز قبل آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ کو طلب کیا اور فرمایا اے علیؑ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موت مجھ سے قریب تر ہوتی جارہی ہے اگر میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو تم ہی مجھے غسل دینا، کفن پہنانا اور قبر میں اتارنا۔ میں نے لوگوں سے جو وعدے کر لئے ہیں انھیں پورا کرنا اور جیش اسامہ کی تیاری کے سلسلہ میں مجھ پر جو قرضہ ہے اسے ادا کر دینا۔

دوسرے دن رسول اللہ ﷺ پر نزع کی کیفیت طاری ہوگئی وہ وقت قریب تھا کہ آپ کی روح پرواز کر جائے کہ غش سے آنکھیں کھولیں اور فرمایا میرے حبیب کو بلاؤ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ :

جب رسول اللہ ﷺ کا وقت آخر قریب آیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے حبیب کو بلاؤ تو میں نے اپنے والد ابو بکرؓ کو بلایا انھیں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے منہ پھیر لیا۔ پھر فرمایا کہ میرے حبیب کو بلاؤ پھر میں نے حضرت عمرؓ کو بلایا آپ

نے ان کی طرف سے بھی منہ پھیر لیا۔ تیسری مرتبہ پھر فرمایا میرے حبیب
بلاؤ تو میں نے حضرت علیؑ کو بلایا۔ جب علیؑ آئے تو آپ نے انھیں اپنی چادر
لے لیا اور کچھ راز و نیاز کی باتیں کرنے لگے یہاں تک کہ آپ انتقال فرما گئے
وقت رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ حضرت علیؑ کے ہاتھ پر رکھا تھا (ریاض النضرہ
ص ۲۳۷)

یہ عالم اسلام کا عظیم ترین حادثہ تھا جو ۲۸ صفر ۱۱ھ بروز دوشنبہ (
رونما ہوا۔ اس سانحہ سے رسول اللہ ﷺ کے افراد خاندان اور بنی ہاشم پر
کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ جناب فاطمہؑ کا یہ حال تھا کہ گویا ان سے انکی زندگی چھین لی
ہو۔ جناب فاطمہؑ کے بچے نانا کے غم میں تڑپ رہے تھے۔ حضرت علیؑ کی
ہی بدل چکی تھی۔ انتہائی صبر و ضبط کے باوجود آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں
سیلاب امنڈ رہا تھا۔ آپ نے روتے ہوئے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے
اقدس سے مس کیا اور اپنے منہ پر پھیرا میت کی آنکھیں بند کی اور نعش اطہر
چادر سے ڈھک دیا اور حسب وصیت غسل و کفن کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ابن سعد کہتے ہیں:

جب رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا تو آپ کا سر اقدس حضرت
کی گود میں تھا اور حضرت علیؑ ہی نے آپ کو غسل دیا۔ فضل بن عباس رسول
اللہ ﷺ کو سنبھالے ہوئے تھے اور اسامہ پانی دیتے جاتے تھے (طبقات ج ۲
۲۶۳)

حضرت علیؑ جب غسل سے فارغ ہو گئے تو کفن پہنایا اور بنی

کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی، مسجد میں جو لوگ موجود تھے وہ باہم مشورہ کر رہے
تھے کہ کسے نماز جنازہ کی امامت پر مقرر کریں اور رسول اللہ ﷺ کو کون سی جگہ
دفن کیا جائے۔ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ مسجد کے صحن میں دفن کیا جائے اور
کچھ کہہ رہے تھے کہ جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔ حضرت علیؑ کو جب
معلوم ہوا تو باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ زندگی میں بھی
ہمارے امام و پیشوا تھے اور رحلت کے بعد بھی ہمارے امام و پیشوا ہیں وہ اسی مقام
پر دفن کیے جائیں گے جہاں انھوں نے رحلت فرمائی ہے چنانچہ مہاجرین اور پھر
انصار نے باری باری نماز ادا کی البتہ ایک گروہ جو تشکیل حکومت کی فکر میں تھا،
تجہیز و تکفین میں شرکت اور نماز جنازہ کی سعادت سے محروم رہا۔ نماز جنازہ
کے بعد اسی حجرہ میں جہاں رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا تھا زید بن سہیل سے
قبر کھدوائی تھی حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ ﷺ کو قبر میں اتارا
اور آفتاب رسالت لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو گیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کی موت کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے الجھاؤ
تو پیدا ہی کر دیا تھا اور خدا جانے وہ کب تک اس الجھاؤ کو برقرار رکھتے اگر حضرت
ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کی خبر سن کر محلہ سخ سے نہ آجاتے اور لوگوں کو
مخاطب کر کے یہ اعلان نہ کرتے کہ:

جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمد
ﷺ وفات پا گئے پھر یہ آیت پڑھی کہ ترجمہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہی تو
ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں، اگر وہ اپنی موت مر جائیں یا قتل

کر دیے جائیں تو تم الٹے پیروں کفر کی طرف جاؤ گے اور جو الٹے پیروں کفر کی طرف پلٹے گا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے اور خدا جلد ہی شکر گزاروں کو بدلہ دے گا (طبری ج ۲ ص ۴۴۳)

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی زبان سے جب یہ تقریر حضرت عمرؓ نے سنی تو حیرت واستعجاب کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ کیا یہ آیت قرآن میں ہے، مجھے تو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ یہ قرآن کی آیت ہے، پھر کہا اے لوگوں یہ ابوبکرؓ ہیں جو مسلمانوں میں بزرگ ہیں اور سب سے سبقت حاصل ہے تم سب ان کی بیعت کرو۔

چنانچہ سقیفہ کے واقعات اس امر کے گواہ ہیں کہ اس سازی گروہ کے اراکین نے رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین پر حکومت کی تشکیل کو مقدم سمجھا اور انصار کو سیاسی شکست دے کر حکومت قائم کرلی یہ کامیابی جمہور کی مرہون منت نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ کی سیاسی بصیرت اور موقع شناسی کی احسان مند تھی (انساب الاشراف ج ۱ ص ۵۸۴)

یہ دنیا کی بے وفائی اور سرد مہری کا انتہائی عبرت انگیز موقع تھا ایک طرف رسول اللہ ﷺ کی میت رکھی تھی، رنج و غم سے نڈھال آپ کے عزیز و اقارب تجہیز و تکفین میں مصروف تھے اور دوسری طرف اس غم انگیز ماحول سے بے نیاز حکمراں طبقہ تکبیر کے نعروں کی گونج میں لوگوں سے بیعت لے رہا تھا نہ کسی فرد کی آنکھوں میں آنسو تھے نہ کسی کے چہرے پر ملال کے آثار، ایسا لگتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ غرض عالم یہ تھا کہ لوگ بے سوچے سمجھے ہوا کے رخ

پر اڑ رہے تھے اور وقت کے سیلاب میں بہہ رہے تھے۔ اگر کسی نے صدائے احتجاج بلند کی تو اسے ڈرا دھمکا کر یا لالچ دے کر خاموش کر دیا گیا اور جن لوگوں کی پشت پر طاقت و قوت تھی انھیں وقتی طور پر نظر انداز کر دیا گیا اور جب عثمان، عبدالرحمان بن عوف سعد بن ابی وقاص، بنی امیہ اور بنی زہرا کی طرف سے بیعت اور تائید حاصل ہو گئی اور حکومت میں کچھ استحکام پیدا ہو چلا تو انھیں بھی بیعت کا پیغام بھیجا گیا جس کے جواب میں سعد بن عبادہ نے کہا۔ خدا کی قسم میں اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک تیروں سے اپنا ترکش خالی نہ کر دوں اور اپنے قوم و قبیلہ کے لوگوں کو لے کر تم سے جنگ نہ کر لوں۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۴۱۴) حضرت ابوبکرؓ یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے مگر حضرت عمر نے غصہ میں آتے ہوئے کہا کہ ہم اس سے بیعت لئے بغیر نہیں رہیں گے چنانچہ حضرت عمرؓ نے جلد سے جلد بیعت حاصل کرنے کی کاروائی شروع کر دی ان کارپردازان خلافت نے حضرت علیؑ سے جلد از جلد بیعت حاصل کرنے کی مہم تیز کر دی چنانچہ حضرت علیؑ دنیا کی نیرنگی اور زمانے کے انقلاب سے افسردہ خاطر ہو کر گھر میں بیٹھے ہی تھے کہ حکومت وقت کی طرف سے بیعت کا مطالبہ ہوا، حضرت علیؑ نے اور آپ کے ساتھ ان تمام افراد نے جو اس وقت آپ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے بیعت سے انکار کر دیا اس پر حضرت عمرؓ اس قدر برہم ہوئے کہ وہ آگ اور لکڑیاں لے کر حضرت علیؑ کا گھر جلانے پہنچ گئے (انساب الاسراف ج ۱ ص ۵۸۶) اور رسول اللہ ﷺ کی سوگوار بیٹی جناب فاطمہؑ سے یہ مطالبہ کیا کہ حضرت علیؑ کو باہر نکالو ورنہ ہم اس گھر کو

آگ لگا کر سب کو زندہ جلا دیں گے۔ جناب فاطمہؑ نے جب یہ حضرت عمرؓ اور
انکے ساتھیوں کے اس ہنگامہ سے باخبر ہوئیں تو دروازے کے قریب آئیں اور
فرمایا کہ اے عمر آخر کیا چاہتے ہو۔ کیا ہم سوگواروں کو گھر میں چین سے بیٹھنے نہ دو
گے حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر حضرت علیؑ ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کریں گے تو ہم
اس گھر کو آگ لگا دیں گے اور سب کو زندہ جلا دیں گے جناب فاطمہؑ عمر سے کہا
کہ علیؑ کے علاوہ اس گھر میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور رسول ﷺ کے
دونوں نواسے امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور انکی نواسی جناب زینبؑ اور ام کلثومؑ بھی
ہیں حضرت عمرؓ نے کہا ہوا کریں۔ حضرت عمرؓ کے اس جواب پر جناب فاطمہؑ
بے اختیار رو پڑیں اور فرمایا اے پدر بزرگوار آپ کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی
ہم پر کیسے کیسے ظلم ڈھائے جا رہے ہیں اور آپ کی امت کے لوگوں نے کس
طرح سے ہم سے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ پر جناب فاطمہؑ کی اس
بات کا کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے وہی کیا جو انھیں نہیں کرنا چاہئے تھا۔
رسول اللہ ﷺ کی شہزادی جناب فاطمہؑ کے گھر میں آگ لگا دی گئی اور شعلے
بلند ہونا شروع ہوئے حضرت عمرؓ کے ساتھ جو لوگ آئے تھے ان سے بھی عمرؓ کا
یہ تشدد دیکھا نہ گیا۔ چنانچہ کچھ لوگ آگ بجھانے میں مصروف ہوئے اور کچھ
حضرت عمر پر لعنت ملامت کرنے لگے مگر حضرت عمر کب ماننے والے تھے
انہوں نے جلتے ہوئے دروازے پر ایسی لات ماری کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی
بیٹی جناب فاطمہؑ پر گرا جس سے آپ کا پہلو زخمی ہوا اور محسن کی شکم مادر میں
شہادت واقع ہو گئی۔

زبیر بن عوام بھی اس گھر میں موجود تھے اگرچہ زبیر ابو بکر کے داماد تھے
لیکن انہوں نے جب یہ حال دیکھا تو تلوار لے کر مقابلہ کے لئے باہر نکل آئے مگر
سلمہ بن ہاشم نے زبیر کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور انھیں گرفتار کر لیا گیا
(طبری ج ۳ ص ۴۴۳)

حضرت عمر اور ان کے ہمراہی حضرت علیؑ کو بھی گھر سے باہر نکال کر
بیعت کے لئے حضرت ابو بکرؓ کے پاس لے آئے۔ آپ نے بیعت کے مطالبہ پر
احتجاج کرتے ہوئے فرمایا۔

میں تمہاری بیعت ہرگز نہیں کروں گا تمہیں خود میری بیعت کرنا
چاہیے کیونکہ میں تم سے زیادہ خلافت کا حق دار ہوں تم نے خلافت حاصل
کرنے کے لئے انصار کے مقابلہ میں یہ دلیل دی کہ تم کو نبی سے قرابت ہے اور
اب تم جبرا اہل بیت سے خلافت چھیننا چاہتے ہو جس دلیل سے تم نے انصار کے
مقابلہ میں اپنا حق ثابت کیا ہے اسی دلیل سے میں اپنا حق تمہارے مقابلہ میں
ثابت کرتا ہوں اگر تم ایمان لائے ہو تو انصاف کرو ورنہ تم اس امر سے واقف ہو
کہ تم ظلم کے مرتکب ہوئے ہو (امامت و سیاست ج ۱ ص ۱۱)

حضرت ابو بکرؓ خاموش بیٹھے رہے مگر حضرت عمرؓ نے کہا جب تک تم
بیعت نہیں کرو گے تمہیں چھوڑا نہیں جائے گا۔ عمر کی اس بات سے حضرت علیؑ
کے پیشانی پر بل پڑ گئے اور فرمایا خدا کی قسم بیعت تو الگ رہی میں تیری باتوں پر
دھیان بھی نہ دوں گا پھر آپ نے فرمایا۔

خلافت کا دودھ (نچوڑ لو) نکال لو اس میں تمہارا برابر کا حصہ ہے خدا کی

قسم تم آج ابو بکرؓ کی خلافت پر اس لئے جان دے رہے ہو کہ کل وہ یہی خلافت
تمہیں دے جائیں (انساب الاشراف ج ۱ ص ۵۸۷)

حضرت علیؑ کے انکار بیعت پر ایذا رسانی اور اہانت کا کوئی پہلو اٹھا نہیں
رکھا گیا گھر میں آگ لگائی گئی گلے میں رسی ڈالی گئی اور قتل کر دینے تک کی
دھمکیاں دی گئیں یہ ایسا تشدد آمیز طرز عمل تھا کہ معاویہ بن ابو سفیان ابو بکر کے
فرزند محمد پر طنز کیے بغیر نہ رہ سکا اور اس نے انھیں ایک خط کے جواب میں لکھا
کہ :

جن لوگوں نے سب سے پہلے علیؑ کا حق چھینا اور خلافت کے سلسلے میں
ان کی مخالفت پر ساز باز کی وہ تمہارے باپ ابو بکرؓ اور عمرؓ تھے انہوں نے علیؑ سے
بیعت کا مطالبہ کیا اور جب جواب انکار کی صورت میں ملا تو دونوں نے مل کر ان
پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑنے کا تہیہ کر لیا (مروج الذہب ج ۲ ص ۶۰)

ابو سفیان مدینہ میں نہیں تھا واپس مدینہ آرہا تھا کہ راستہ میں اسے
رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر ملی ابو سفیان نے لوگوں سے معلوم کیا کہ رسول
اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں کا خلیفہ کون ہوا تو اسے بتایا گیا کہ لوگوں نے ابو بکرؓ
کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے یہ سن کر ابو سفیان سوچ میں پڑ گیا اور مدینہ پہنچ کر
ایک تجویز لے کر عباس بن عبد المطلب کے پاس آیا اور کہا عمر نے دھاندلی مچا کر
خلافت ایک تیمی کے حوالے کر دی ہے اور یہ ابو بکرؓ اپنے بعد ہم لوگوں کے سر
پر عمر کو خلیفہ مسلط کر جائے گا چلو علیؑ سے کہیں کہ وہ گھر سے باہر آئیں اور اپنے
حق کے لئے میدان میں اتریں۔ ابو سفیان عباس کو لیکر حضرت علیؑ کی خدمت

میں حاضر ہوا۔ ابو سفیان نے حضرت علیؑ سے کہا کہ افسوس ہے کہ خلافت ایک
پست ترین خاندان میں چلی گئی۔ خدا کی قسم اگر آپ چاہیں تو میں مدینہ کی گلیوں
اور کوچوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں (طبری ج ۲ ص ۴۴۹) حضرت
علیؑ کے تدبر نے اس موقع پر مسلمانوں کو فتنہ و فساد اور کشت و خون سے بچا لیا۔
حضرت علیؑ نے ابو سفیان کی اس تجویز کو ٹھکراتے ہوئے اسے جھڑک دیا اور
فرمایا :

خدا کی قسم تمہارا مقصد صرف فتنہ انگیزی ہے تم نے ہمیشہ اسلام کی
بد خواہی کی ہے۔ مجھے تمہاری ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے (طبری ج ۲ ص
۴۴۹)

حضرت علیؑ کی خاموشی اور مصلحت اور دور اندیشی حضرت علیؑ کی فکر
کی آئینہ دار تھی۔ جب یہ خبر عام ہوئی کہ ابو سفیان بنی ہاشم کو حکومت کے
خلاف ابھار رہا ہے تو ارباب حکومت نے ابو سفیان کو لالچ کے جال میں جکڑ کر
خاموش کر دیا۔

باغ فدک رسول اللہ ﷺ کی ذاتی ملکیت میں تھا۔ جب آیت ذاالقربی
نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے دستاویز کے ذریعہ اپنی بیٹی جناب فاطمہؑ
کے نام باغ فدک منتقل کر دیا۔ جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی تک جناب فاطمہؑ
کے قبضہ و تصرف میں رہا لیکن حضرت ابو بکرؓ نے خلافت کے تخت پر آتے ہی اس
جائداد کو حکومت کی تحویل میں لے لیا۔ اس پر جناب فاطمہؑ نے اپنے حق کا
دعوی کیا اور اثبات دعوی میں حضرت علیؑ و ام ایمن کی گواہیاں پیش کیں لیکن

حضرت ابوبکرؓ نے جناب فاطمہؑ کے دعویٰ کے مسترد کرتے ہوئے کہا کہ اے دختر رسول اللہ ﷺ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے بغیر گواہی کافی نہیں ہوتی (فتوح البلدان ص ۳۸)

جناب فاطمہؑ نے جب دیکھا کہ حضرت علیؑ اور ام ایمن کی گواہیوں کو ناکافی دے دیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے دستاویز سے انکار کیا جا رہا ہے تو جناب فاطمہؑ نے میراث کی بنا پر باغ فدک کا مطالبہ کیا۔ جناب فاطمہؑ کا مقصد یہ تھا کہ اگر اسے دستاویز تسلیم نہیں کرتے تو نہ کرو مگر اس سے تو انکار نہیں کر سکتے کہ فدک رسول اللہ ﷺ کی ذاتی ملکیت تھا اور میں شرعاً ان کی وارث ہوں یہ جائیداد مجھے ملنا چاہیے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں کہا کہ اموال رسول اللہ ﷺ میں وارث کا نفاذ نہیں ہو سکتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ خود فرما گئے ہیں کہ ہم گروہ انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے بلکہ جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اس پر جناب فاطمہؑ نے فرمایا کیا اللہ کی کتاب میں یہ ہے کہ تم اپنے باپ کی میراث کے حقدار ہو اور میں اپنے والد بزرگوار کے ورثہ سے محروم رہوں (تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۰۶)

حضرت ابوبکرؓ کے اس غلط فیصلہ پر جناب فاطمہؑ کو اتنا صدمہ ہوا کہ آپ نے ابوبکرؓ سے قطع کلام کر لیا اور ہمیشہ ابوبکرؓ سے ناراض رہیں یہ ناراضگی و برہمی کسی ہنگامی جذبات کا نتیجہ نہ تھی۔ بلکہ دینی احساسات کے تحت تھی۔ قرآن مجید کے عمومی حکم میراث کو پامال اور جنھیں رسول اللہ ﷺ نے مباہلہ میں حق و صداقت کا شاہکار قرار دیا تھا۔ ان کی صدق بیانی کو مجروح کیا گیا تھا اس

لئے رنج و ملال نے اتنا طول کھینچا کہ مرتے دم تک آپ نے ابوبکرؓ سے بات نہیں کی امام بخاری کا بیان ہے کہ :

جناب فاطمہؑ بنت رسول اللہ ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ابوبکرؓ سے مطالبہ کیا کہ اللہ نے جو مال پیغمبر ﷺ کو فرما گئے ہیں کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ اس پر فاطمہؑ غضبناک ہوئیں اور ابوبکرؓ سے مرتے دم تک قطع تعلق کیے رہیں (بخاری ج ۲ ص ۱۳۲)

اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کر لیا جائے کہ باغ فدک نہ ہبہ تھا نہ موروثی ملکیت تو اس میں کیا مضائقہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ قرابت رسول اللہ ﷺ کا پاس و لحاظ ہی کرتے ہوئے اسے جناب فاطمہؑ کے نام کر دیتے۔ جب کہ حاکم اور ولی امر کا یہ حق تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ ریاست و مملکت کے اموال و جائیداد میں سے جو چاہے اور جیسے چاہئے اپنی مرضی سے دے سکتا ہے۔ محمد الخضری مصری تحریر کرتے ہیں کہ شرح اسلام حاکم کے لئے اس امر سے مانع نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے جسے چاہئے عطیہ دے اور جسے چاہئے نہ دے (اتمام الوفاء ص ۲۰۷) زبیر بن عوام کو ابوبکرؓ نے وادی جرف میں جاگیر دی اور حضرت عمرؓ نے بھی انھیں وادی عقیق میں جاگیر دی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور اقتدار میں فدک مروان کو دے دیا تو کیا حضرت ابوبکرؓ جناب فاطمہؑ کو فدک بطور جاگیر نہیں دے سکتے تھے۔ تاکہ جناب فاطمہؑ کی ناراضگی کی نوبت ہی نہ آئی جب کہ جناب فاطمہؑ کی ناراضگی کی اہمیت رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ان پر ظاہر تھی۔

اے فاطمہؑ اللہ تمہارے غضب سے غضبناک اور تمہاری خوشنودی سے خوش ہوتا ہے (اصابہ ج ۴ ص ۳۶۶)

حضرت ابوبکرؓ نے کس حکم شرعی کی بنا پر جناب فاطمہؑ کا دعوی مسترد کیا تھا جب کہ رسول اللہ ﷺ نے جناب فاطمہؑ کو فدک کا قبضہ دے کر دستاویز کی تکمیل بھی کر چکے تھے۔ اگر جناب فاطمہؑ کا فدک پر قبضہ نہ ہوتا تو حضرت ابوبکرؓ کہہ سکتے تھے کہ چونکہ قبضہ آپ کا نہیں ہے اس لئے یہ دستاویز نامکمل ہے اور گواہوں کو طلب کئے بغیر دعوی مسترد کر دیتے

گواہوں کا طلب کیا جانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ابوبکرؓ جناب فاطمہؑ کا قبضہ تسلیم کرتے تھے اور قبضہ چونکہ دلیل ملکیت ہے اس لے بار ثبوت خود حضرت ابوبکرؓ پر تھا نہ کہ جناب فاطمہؑ پر کیا جناب فاطمہؑ کے بارے میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ باغ فدک کی خاطر غلط بیانی سے کام لیں گے اور اس چیز پر اپنا حق ظاہر کریں گے جس پر ان کا کوئی حق نہ تھا جب کہ ان کی راست گوئی مسلم ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ میں نے کسی کو بھی جناب فاطمہؑ سے بڑھ کر راست گو نہیں پایا (استیصاب ج ۴ ص ۳۶۶)

پھر جناب فاطمہؑ نے جو گواہ پیش کیے ان کی گواہی کو نا تمام بھی نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔ اگر حضرت ابوبکرؓ چاہتے تو حضرت علیؑ سے قسم لے کر جناب فاطمہؑ کے حق میں فیصلہ کر دیتے۔ تاریخ میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں۔ جہاں گواہوں کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی اور صرف مدعی کی شخصیت کو دیکھتے ہوئے اس

کے دعویٰ کو درست مان لیا گیا یا صرف ایک ہی گواہ پر فیصلہ کر دیا گیا۔ فرزندان صہیب نے جب مروان کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ رسول اللہ ﷺ انھیں دو مکان اور ایک حجرہ دے گئے تھے تو مروان نے کہا اس کا کوئی گواہ ہے فرزندان صہیب نے کہا ابن عمر ہیں۔ مروان نے ابن عمر کو طلب کیا اور ابن عمر کی شہادت پر فرزندان صہیب کے حق میں فیصلہ کر دیا (صحیح بخاری ج ا ص ۳۵۷)

اس موقع پر نہ ابن عمر کی گواہی کو نا تمام کہا گیا اور نہ اس کی گواہی کو قبول کرنے میں پس و پیش کیا گیا تو کیا حضرت علیؑ کا مرتبہ ابوبکرؓ کی نظر میں ابن عمر کے برابر بھی نہ تھا جن کی سچائی و صداقت ہر دور میں شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ مامون عباسی نے ایک مرتبہ علمائے وقت کو اپنے دربار میں جمع کر کے ان سے دریافت کیا کہ جن لوگوں نے باغ فدک کے دستاویز ہونے کے بارے میں گواہی دی ہے ان کے متعلق تم لوگ کیا رائے رکھتے ہو۔ سارے علماء نے ایک زبان ہو کر کہا کہ حضرت علیؑ صادق اور راست گو تھے ان کی صداقت پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ یعقوبی کا کہنا ہے کہ جب علماء نے ان کی صدق بیانی پر اتفاق کیا تو مامون عباسی نے فدک اولاد جناب فاطمہؑ کے حوالے کر دیا اور ایک دستاویز بھی لکھ دیا (تاریخ یعقوبی ج ۳ ص ۱۹۶)

حضرت ابوبکرؓ کے پاس جناب فاطمہؑ کے دعویٰ کو مسترد کرنے کا کوئی جواز نہ تھا اس لئے کے حضرت ابوبکرؓ نے جس حدیث سے اپنے عمل کی صحت پر استدلال کیا وہ قرآن کے عمومات کے صریحاً خلاف ہے۔ قرآن مجید کا واضح حکم ہے کہ ترجمہ: جو ترکہ ماں باپ اور اقربا چھوڑ جائیں ہم نے ان کے وارث قرار

دیے ہیں قرآن مجید کی اس آیت کی رو سے ترکہ رسول اللہ ﷺ کو صدقہ قرار دے کر وراثت کی نفی کا کوئی جواز ابو بکرؓ کے پاس نہ تھا اگر اموال رسول اللہ ﷺ صدقہ ہوتے تو پیغمبر ﷺ کے لئے ان پر قبضہ جائز ہی نہ تھا بلکہ جس وقت رسول اللہ ﷺ کو وہ صدقہ آپ کی ملکیت میں آتے رسول اللہ ﷺ اسی وقت اس ملکیت کو اپنے پاس سے علیحدہ کر کے اس ملکیت کے اصلی حقداروں کو حوالے کر دیتے۔

مگر رسول اللہ ﷺ باغ فدک پر مالکانہ طور پر قابض و متصرف رہے اور حضرت ابو بکرؓ کو بھی رسول اللہ ﷺ کی اس ملکیت سے انکار نہ تھا۔ اگر انکار ہوتا تو حدیث لانورث کا سہارا ڈھونڈنے کے بجائے یہ کہتے کہ باغ فدک رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ہی کب تھی۔ ظاہر ہے کہ ملکیت کے بغیر وراثت کی نفی ایک بے معنی چیز ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ثابت ہے تو گویا میراث کی رو سے جناب فاطمہؑ کا حق بھی مسلم ہو گا اور جناب فاطمہؑ کا یہ حق کسی ایسی حدیث کی رو سے ساقط نہیں ہو سکتا جیسے حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ نہ کسی نے سنی ہو اور نہ روایت کی ہو اور نہ فدک کے علاوہ مملوکات پیغمبر ﷺ میں کہیں اس کا ذکر آیا ہو۔ حالانکہ اس حدیث کے الفاظ کے عموم کا تقاضا یہ تھا کہ پیغمبر ﷺ کی تمام متروکہ اشیاء کو بھی عمومی صدقہ قرار دیا جاتا اور منقولہ سازو سامان میں کوئی تفریق نہ کی جاتی مگر منقولہ اشیاء کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے وارثان سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جاتا بلکہ صرف باغ فدک ہی کو اس حدیث کا مورد قرار دیا جاتا ہے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس حدیث کا نفاذ صرف آراضی وغیر

منقولہ اشیاء کو بھی عمومی صدقہ قرار دیا جاتا اور منقولہ سازو سامان میں کوئی تفریق نہ کی جاتی مگر منقولہ اشیاء کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے وارثان سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جاتا بلکہ صرف باغ فدک ہی کو اس حدیث کو مورد قرار دیا جاتا ہے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس حدیث کا نفاذ صرف آراضی وغیر منقولہ اشیاء پر تھا تو ازدواج رسول اللہ ﷺ سے ان کے گھروں کو بھی واپس لے لینا چاہیے تھا حضرت ابو بکرؓ کو ان ازدواج رسول ﷺ سے واپسی کا مطالبہ تو درکنار ان کے مالکانہ حقوق تسلیم کیے جاتے ہیں اور اسی حق کی بنا پر حضرت عائشہؓ نے حجرہ رسول ﷺ میں امام حسنؑ کو دفن کرنے کی اجازت نہیں دی اور کہا کہ یہ میرا گھر ہے اور میں اجازت نہیں دیتی کہ وہ اس میں دفن کئے جائیں۔ (تاریخ ابو الفداج ۲ ص ۱۸۳)

ان دلیلوں اور شہادتوں کے بعد حدیث کی آڑ لے کر یہ کہنا کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا حقائق سے چشم پوشی اور عمداً گریز کرنا ہے۔ جب کہ قرآن مجید کے مقابلہ میں فرد واحد کی بیان کردہ حدیث کا کوئی وزن نہیں ہے اور اس حدیث کا وزن ہی کیا ہو سکتا ہے جس کی صحت سے بنت رسول اللہ ﷺ اور وصی رسول اللہ ﷺ حضرت علیؑ نے انکار کر دیا ہو اگر جناب فاطمہؑ اس حدیث کو حدیث رسول اللہ ﷺ سمجھتیں تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ حضرت ابو بکرؓ سے غضبناک ہوتیں اور اگر حضرت علیؑ نے اس حدیث کو مانا ہوتا تو جناب فاطمہؑ کی ہمنوائی کرنے کے بجائے انھیں اس بے محل ناراضگی سے منع کرتے بلکہ واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ خود بھی اس حدیث کی صحت پر

یقین واعتماد نہیں رکھتے تھے اور ان کے بعد آنے والے خلفاء نے بھی اس حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کیا۔ ابتدا میں حضرت ابو بکرؓ نے جناب فاطمہؑ کا حق وراثت تسلیم کرتے ہوئے واگزاری کا پروانہ بھی لکھ دیا تھا مگر حضرت عمرؓ کے دخل انداز ہو جانے پر انھیں اپنا فیصلہ بدلنا پڑا جیسا کہ علامہ حلبی نے تحریر فرمایا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے جناب فاطمہؑ کو فدک کی دستاویز لکھ دی اتنے میں حضرت عمرؓ آئے اور ابو بکرؓ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ ابو بکرؓ نے جواب میں کہا کہ میں نے جناب فاطمہؑ کے لئے میراث کا وثیقہ لکھ دیا ہے جو انھیں باپ کی طرف سے پہنچی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا پھر مسلمانوں پر کیا صرف کرو گے۔ جب کہ اہل عرب تم سے جنگ پر آمادہ ہیں اور یہ کہہ کر حضرت عمرؓ نے وہ تحریر جناب فاطمہؑ کے ہاتھ سے چھین کر چاک کر دی (سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۴۰۰)

اگر حضرت ابو بکرؓ کو اس حدیث کی صحت پر یقین ہوتا تو اسی وقت وہ فدک کی واگزاری سے صاف انکار کر دیتے۔ وثیقہ لکھنے کی نوبت ہی نہ آتی اور حضرت عمرؓ مانع ہوئے تو اس بنا پر نہیں کہ جناب فاطمہؑ کا دعویٰ غلط تھا اور انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا بلکہ ملکی ضرورت اور جنگی مصارف کے پیش نظر انھوں نے فدک روک لینے کا غلط مشورہ دیا۔ اگر حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ حدیث درست ہوتی تو وہ یہ کہتے کہ یہ دعویٰ بنیادی طور پر غلط ہے اور فدک دینے کا کوئی جواز نہیں ہے اس موقع پر اگرچہ انھوں نے دستاویز چاک کی اور فدک دینے میں آڑے آئے۔ مگر حضرت ابو بکرؓ کی پیش کردہ حدیث سے ان کی ہمنوائی ظاہر نہیں ہوتی اگر اس حدیث کو قابل وثوق و قابل اعتماد سمجھا گیا ہوتا تو فدک

کسی دور میں بھی اولاد جناب فاطمہؑ کو واپس نہ دیا جاتا۔ عمر بن عبد العزیز ایسا احساس دین رکھنے والا اور مامون ایسا ذی اقتدار بادشاہ اور بعض دوسرے حاکموں نے اس کے کمزور پہلو ہی کو دیکھ کر فدک سے دستبرداری کا اعلان کیا ہوگا ورنہ ان کا مفاد تو اسی میں تھا کہ اس حدیث کی آڑ لے کر اس پر اپنا قبضہ جمائے رکھتے جس طرح بعض خلفاء نے اس حدیث کا سہارا لے کر اپنا قبضہ برقرار رکھا تھا۔

جناب فاطمہؑ کی بیماری تقریباً چالیس دن رہی ہر روز آپ کی حالت بگڑ رہی تھی اور آپ کی بیماری میں شدت آرہی تھی۔ جناب فاطمہؑ نے ایک دن حضرت علیؑ سے فرمایا میں اپنے اندر موت کے آثار اور علامتیں دیکھ رہی ہوں میں جلد ہی اپنے پدر بزرگوار سے عنقریب جاملوں گی میں آپ کو وصیت کرنا چاہتی ہوں۔ حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ کے بستر کے قریب بیٹھ گئے۔ کمرے کو خالی کرادیا اور فرمایا۔ اے دختر پیغمبر ﷺ جو کچھ بھی آپ کہنا چاہتی ہیں کہہ دیجئے اور یقین کیجئے کہ میں آپ کی وصیت پر عمل کروں گا۔ آپ کی وصیت کی انجام دہی کو اپنے ذاتی کاموں پر مقدم رکھوں گا۔ حضرت علیؑ نے جناب فاطمہؑ کے افسردہ چہرے پر نگاہ کی اور رو دیئے

جناب فاطمہؑ دھیرے دھیرے فرمانے لگیں:

۱۔ مرد بغیر عورت کے زندگی بسر نہیں کر سکتے میری خواہش ہے کے آپ میرے بعد میری بہن کی بیٹی امامہ سے شادی کیجئے گا۔ کیونکہ وہ میرے بچوں پر مہربان ہے (کشف الغمہ ج ۲ ص ۱۰۲)

۲۔ میرے بعد میرے بچے یتیم ہو جائیں گے ان کے ساتھ نرمی سے پیش

آیئے گا ان کو سخت لہجہ سے نہ بلایئے گا ان کی دلجوئی کے لئے ایک رات ان کے پاس اور ایک رات اپنی بیوی کے پاس رہیے گا (کشف الغمہ ج ۲ ص ۱۰۲)

۳۔ میرے لئے ایسا تابوت تیار کیجئے گا کہ جنازہ اٹھاتے وقت میرا بدن ظاہر نہ ہو اس کی شکل ایسی ہو (کشف الغمہ ج ۲ ص ۱۰۲)

۴۔ مجھے رات کو غسل و کفن دینے کے بعد سپرد خاک کیجئے گا اور ان آدمیوں کو میرے نماز پڑھنے کی اور میرے تشییع جنازہ میں شرکت کی اجازت نہ دیجئے جنہوں نے میرا حق غصب کیا ہے اور مجھے اذیت و آزار پہنچائی ہے (تفسیر عیا[illegible] ج ۲ ص ۲۸۷)

۵۔ پیغمبر ﷺ کی ازدواج میں سے ہر ایک کو بارہ وقیہ (گندم کا وزن) د[illegible] گا۔

جناب فاطمہؑ کی بیماری نے شدت اختیار کر لی اور جناب فاطمہؑ [illegible] طبیعت بگڑتی ہی جا رہی تھی حضرت علیؑ ضروری کاموں کے علاوہ جناب فاط[illegible] کے بستر سے جدا نہ ہوتے تھے۔ جناب اسماء بنت عمیس آپ کی تیمارداری [illegible] کرتی تھیں۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور زینبؑ و ام کلثومؑ جو آپ کی یہ حال[illegible] دیکھ رہے تھے۔ آپ سے بہت کم جدا ہوا کرتے تھے۔ جناب فاطمہؑ کبھی شد[illegible] مرض سے بے ہوش ہو جاتیں کبھی آنکھیں کھول لیتی اور اپنے بچوں کو حسر[illegible] بھری نگاہوں سے دیکھتیں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ فاطمہؑ نے احتضار کے وقت اپنی آنکھ[illegible] کھول لیں اور ایک نگاہ اپنے اطراف پر ڈالی اور فرمایا۔ اے میرے اللہ مجھے ا[illegible]

والد بزرگوار رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محشور فرما اے میرے پروردگار مجھے اپنی بہشت اور اپنے جوار میں جگہ عنایت فرما۔ اے علیؑ میرا وقت آخر آن پہنچا ہے میرے قریب جبرئیل اور میرے بابا بھی مجھ کو لینے آئیں ہیں اور مجھ سے فرما رہے ہیں کہ میرے پاس جلدی سے آجاؤ کہ یہاں تمہارے لئے بہتر ہے (بحار الانوار ج ۹۶ ص ۲۱۳)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں، فاطمہؑ نے مجھ سے اپنی وفات کی رات کہا۔ اے علیؑ ابھی ابھی جبرئیل مجھے سلام کرنے کے لئے حاضر ہوئے اور کہہ رہے ہیں کہ میرا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے وعلیکم السلام اس کے بعد مجھ سے فرمایا۔ اے علیؑ اب میکائیل نازل ہوئے ہیں اور اللہ کی طرف سے پیغام لائے ہیں پھر آپ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا خدایا تیری طرف آرہی ہوں۔ جناب فاطمہؑ نے یہ کلمات فرمائے اور اپنی آنکھوں کو بند کر لیا اور ہاتھ پاؤں دراز کر کے اپنی جان اپنے پروردگار کے سپرد کر دی۔

اسماء بنت عمیس نے جناب فاطمہؑ کی وفات کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔ مجھ سے کافور لانے کو کہا میں نے کافور لا کر دیا۔ آپ نے غسل کیا وضو کیا اور اسماء سے فرمایا میرے نماز کے کپڑے لے آؤ اور خوشبو بھی لے آنا۔ میں نے لباس حاضر کیا۔ جناب فاطمہؑ نے وہ لباس زیب تن کیا خوشبو لگائی اور اپنے بستر پر قبلہ رخ ہو کر لیٹ گئیں۔ پھر جناب فاطمہؑ نے اسماء بنت عمیس سے فرمایا میں آرام کر رہی ہوں تھوڑی دیر بعد مجھے آواز دینا۔ اگر میں نے جواب نہ دیا تو سمجھ لینا کہ میں دنیا سے رخصت ہو گئی ہوں اور تم جا کر علیؑ کو بتا دینا۔

اسما کہتی ہیں کہ میں نے تھوڑی دیر صبر کیا اور پھر میں حجرے کے دروازے پر آئی جناب فاطمہؑ کو آواز دی لیکن جواب نہ ملا۔ پھر جب میں نے جناب فاطمہؑ کے چہرے سے کپڑا اٹھایا تو دیکھا کہ جناب فاطمہؑ اس دنیا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ چکی تھیں۔

میں جناب فاطمہؑ کے جنازے پر گر کر اسے بوسہ دینے لگی اور رونے لگی۔ اچانک حسنؑ اور حسینؑ جناب فاطمہؑ کے کمرے میں تشریف لائے اپنی والدہ گرامی کی خیریت پوچھی اور فرمایا یہ وقت تو ہماری مادر گرامی کے سونے کا نہیں ہے۔ اسما نے عرض کیا اے میرے بچوں تمہاری مادر گرامی اب اس دنیا سے رخصت ہو گئی ہیں امام حسنؑ اور امام حسینؑ ماں کے جنازے پر گر گئے اسے بوسہ دیتے اور روتے جاتے۔ حسنؑ کہتے تھے اماں جان مجھ سے بات کیجئے۔ حسینؑ کہتے تھے۔ اماں جان میں آپ کا حسینؑ ہوں آپ مجھ سے بات کیجئے۔ جب جناب فاطمہؑ کی وفات کی خبر حضرت علیؑ کو ملی تو آپ شدت غم سے بے تاب ہو گئے اور فرمایا اے فاطمہؑ اب آپ کے بعد کس سے سکون پاؤں گا ((کشف الغمہ ج ۲ ص ۱۰۲)

جناب فاطمہؑ کے گھر سے رونے کی آوازیں بلند ہونے پر اہل مدینہ کو علم ہو گیا تمام شہر مدینہ سے گریہ و بکا کی آوازیں آنے لگیں۔ لوگوں نے حضرت علیؑ کے گھر کا رخ کیا۔ حضرت علیؑ تشریف فرما تھے حسنؑ اور حسینؑ آپ کے نزدیک بیٹھے گریا کر رہے تھے۔ جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ روتی جاتیں تھیں اور فرماتی جاتیں تھیں اے مادر گرامی آج ہم سب آپ کی شفقت آپ کی محبت سے محروم ہو گئے ہیں۔

لوگ گھر کے باہر جمع ہو کر جناب فاطمہؑ کے جنازے کے باہر آنے کے منتظر تھے اچانک حضرت ابوذر جناب فاطمہؑ کے گھر سے باہر آئے اور کہا لوگوں چلے جاؤ کیونکہ جناب فاطمہؑ کا جنازہ دیر سے اٹھایا جائے گا (فتوض البلدان ص ۴۴)

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پھر حضرت علیؑ کے پاس تعزیت کے لئے آئے اور حضرت علیؑ سے عرض کی یا ابا الحسن کہیں ہم سے پہلے جناب فاطمہؑ کے جنازے پر نماز نہ پڑھ لیجئے گا (شرح ابن ابی الحدید ج ۱۶ ص ۲۶۳)

حضرت علیؑ نے اسماء بنت عمیس کے ساتھ مل کر اسی رات جناب فاطمہؑ کو غسل و کفن دیا جناب فاطمہؑ کے بچے حسنؑ، حسینؑ، زینبؑ اور ام کلثومؑ آپ کے جنازے کے ارو گرد گریہ کر رہے تھے۔ حضرت علیؑ غسل و کفن سے فارغ ہو گئے تو بچوں سے فرمایا آؤ اور اپنی والدہ گرامی کو رخصت کرو۔ جناب فاطمہؑ کے بچے اپنی مادر گرامی کے جنازے کو بوسہ دیتے اور روتے جاتے حضرت علیؑ نے بچوں کو جناب فاطمہؑ کے جنازے سے اٹھایا (شرح ابن ابی الحدید ج ۱۶ ص ۲۱۶)

حضرت علیؑ نے نماز جنازہ پڑھی اور جنازے کو لیکر چلے، عباس فضل، مقداد، سلمان، ابوذر، عمار، حسنؑ، حسینؑ، عقیل، بریدہ، حذیفہ اور ابن مسعود جنازہ میں شریک ہوئے (فتوح البلدان ص ۴۴)

رات کے اندھیرے میں جب کہ مدینہ کے لوگ محو خواب تھے۔ جنازے کو آہستہ آہستہ اور خاموشی کے ساتھ قبر کی طرف لے گئے تاکہ دشمنوں کو علم نہ ہو سکے اور وہ دفن کرنے میں حائل نہ ہو جائیں۔ جناب فاطمہؑ کے

جنازے کو قبر کے کنارے زمین پر رکھا گیا، حضرت علیؑ نے خود اپنی شریک حیات کے جسد اطہر کو اٹھایا اور قبر میں رکھ دیا پھر نہایت تیزی سے جناب فاطمہؑ کی قبر کو بند کر دیا (شرح ابن ابی الحدید ج ۱۶ ص ۲۱۴)۔

جناب فاطمہؑ کی تدفین انتہائی خاموشی سے اور بہت سرعت سے انجام دی گئی تاکہ دشمنوں کو اطلاع نہ ہو سکے۔ حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا اے میرے پروردگار میں نے یادگار نبی کو زمین میں دفن کیا ہے کیسی مہربان باصفا پاکدامن اور فداکار شریک حیات کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں رکھا ہے اے میرے پروردگار فاطمہؑ نے میری حفاظت کے سلسلے میں کتنے مصائب برداشت کیے۔ حضرت علیؑ نے دشمنوں کی وجہ سے جناب فاطمہؑ کی قبر مبارک کی مٹی کو ہموار کر دیا اور مختلف مقامات پر سات یا چالیس تازہ قبریں بنا دیں تاکہ حقیقی قبر کا پتا نہ چل سکے۔ اسکے بعد حضرت علیؑ اپنے بچوں اور صحابی کے ساتھ گھر واپس آگئے (نہج البلاغہ مکتوب ۴۵)

حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ صبح جنازے میں شرکت کی غرض سے حضرت علیؑ کے گھر کی طرف چلے، مگر راستے میں مقداد نے اطلاع دی کہ جناب فاطمہؑ کو کل رات دفن کر دیا گیا۔ حضرت عباس نے عرض کیا کے جناب فاطمہؑ کی وصیت تھی کہ انکو رات میں دفن کیا جائے اور حضرت علیؑ نے جناب فاطمہؑ کی وصیت کے مطابق عمل کیا۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں فاطمہؑ کی قبر کو کھود دوں گا اور اس پر

ہم سب مل کر نماز جنازہ پڑھیں گے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا اے عمرؓ خدا کی قسم اگر تم نے یا کسی نے ایسا کیا تو میں اپنی تلوار سے تمہارا خون بہا دوں گا۔ ہرگز میں تم لوگوں کو اس بات کی اجازت نہ دوں گا کہ فاطمہؑ کے بدن کو قبر سے باہر نکالا جائے۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو وہ اپنے اس ارادے سے منحرف ہو گئے (نور الثقلین ج ۴ ص ۲۷۲)

علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا، حضرت فاطمہؑ اپنے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد چھ مہینے تک زندہ رہیں۔ علامہ مجلسیؒ نے محمد ابن ابی نصر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا، اپنے گھر میں مدفون ہیں اور بعد میں جب مسجد کی توسیع کی گئی تو جناب فاطمہؑ کی قبر مسجد میں آگئی۔

ابن جوزی تحریر فرماتے ہیں بعض نے لکھا ہے کہ جناب فاطمہؑ کو عقیل کے گھر کے قریب دفن کیا گیا تھا۔ جناب فاطمہؑ کی قبر سے راستے تک سات ذرع کا فاصلہ ہے۔ عبداللہ بن جعفر نے بیان کیا اس میں کوئی شک نہیں کے حضرت فاطمہؑ کی قبر عقیل کے گھر کے قریب واقع ہے۔

علامہ مجلسی نے ابن بابویہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ میرے نزدیک یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جناب فاطمہؑ کو اپنے گھر میں دفن کیا گیا تھا اور جب بنی امیہ نے مسجد نبویؐ کی توسیع کی تو جناب فاطمہؑ کی قبر مسجد میں آگئی۔

جناب ام البنینؑ بنت حزام ابن خالد

حضرت عباسؑ کی والدہ گرامی جو ام البنینؑ کے نام سے معروف ہیں۔ اصلی نام فاطمہ تھا جناب ام البنینؑ اپنی والدہ اور والد کی طرف سے خاندانی وقار اور اچھے نسب کی مالک تھیں دوطرفہ اچھے خاندان سے تعلق نے حضرت فاطمہؑ (ام البنین) کو نہ صرف شجاعت کا مالک بنایا تھا۔ بلکہ ادب اور فضیلت بھی آپ کو وراثت میں ملی تھی۔ آپ علم و اخلاق، تقویٰ کے بلند ترین مقام پر فائز تھیں۔ اپنی ان ہی فضیلتوں کے سبب شادی سے قبل جناب فاطمہؑ (ام البنین) کلابیہ کے نام سے مشہور تھیں جناب ام البنینؑ کے والد کا نام حزام لبن خالد اور والدہ کا نام شمامہ تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے جناب خدیجہؑ کی زندگی میں کسی دوسری عورت سے عقد نہیں کیا اسی طرح حضرت علیؑ نے بھی جناب فاطمہؑ کی زندگی میں دوسری عورت سے شادی نہیں کی۔ اس لئے کہ ایسی محترم، ہم فکر و ہم مزاج بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

جناب عقیل نے حضرت علیؑ کی جانب سے جناب فاطمہؑ بنت حزام (ام البنین) کے یہاں شادی کا پیغام دیا تو جلد ہی اس رشتے کو قبول کر لیا گیا۔ حضرت علیؑ نے جناب عقیل سے کہا تھا کہ میرے لئے کوئی ایسی عورت دیکھو جو کسی

بہادر خاندان سے تعلق رکھتی ہو تاکہ اس سے ایک بہادر بچہ پیدا ہو۔ جناب عقیل نے جناب ام البنینؑ (کلابیہ) کے لئے حضرت علیؑ کو مشورہ دیا حضرت علیؑ نے جناب عقیلؑ کے مشورہ کو قبول فرمایا۔ اس طرح جناب فاطمہؑ کلابیہ (ام البنین) حضرت علیؑ کے نکاح میں آگئیں۔ حضرت علیؑ کی شادی کی یہ تقریب تقریباً ۲۳ھ سے پہلے انجام پائی۔ جناب ام البنینؑ جب سے حضرت علیؑ کے گھر تشریف لائیں۔ اس وقت سے اپنے آپ کو جناب فاطمہ زہراؑ کی اولاد کے سامنے اپنے آپ کو کنیز ہی تصور کرتی تھیں۔ جناب زینبؑ جناب ام کلثومؑ سے فرماتی تھیں کہ شہزادیوں میں اس گھر میں مالک بن کر نہیں بلکہ آپ لوگوں کی کنیز کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔ جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ بھی جناب ام البنینؑ کو اپنی ماں ہی کی طرح چاہتی تھیں اور جناب ام البنینؑ کا بہت احترام کرتی تھیں جناب زینبؑ کی شادی ہو گئی تو جناب زینبؑ ہر روز جناب ام البنینؑ سے ملنے آتی رہیں۔ روایت ہے کے جناب زینبؑ جب شام سے کربلا ہوتی ہوئی مدینہ پہنچی تو جناب زینبؑ سب سے پہلے ام البنینؑ کی خدمت میں تشریف لائیں اور کربلا کے واقعہ کا احوال بیان کیا۔

جناب فاطمہ زہراؑ کے بعد جناب ام البنینؑ بڑی خوش بخت تھیں جناب فاطمہؑ بنت اسد کی بہو ہونا حضرت علیؑ کی رفیقہ سفر قرار پانا غیر فانی عزت ہے جس کی قبائل عرب کے دل میں آرزو رہتی تھی اور خصوصی شرف جناب ام البنینؑ کو یہ تھا کہ خود مشکل کشا علیؑ مولا جناب ام البنینؑ کے طلب گار ہوئے۔ جناب عقیل ایسا دانشمند واسطہ ہوئے جس کی وجہ سے جناب ام البنینؑ حضرت

علیؑ کے گھر تشریف لائیں۔

جہاں فاطمہ زہراؑ کی ثانوی حیثیت پائی۔ جناب ام البنینؑ کو سب سے
زیادہ فخر یہ تھا کہ سردار جوانان جناں اور ثانی زہراؑ کی ماں کہلائیں۔ دونوں
فرزند امام حسنؑ اور امام حسینؑ درجہ عظمیٰ امامت پر فائز اور گوشوارہ عرش تھے۔
مگر جناب ام البنینؑ ان کی بھی ماں کہلائیں۔ علیؑ کی رفیق زندگی اور وہ خاتون
جس کا انتخاب بڑے مقاصد کے تحت میں ہوا۔

دستور اسلامی کے تحت وہ عورت قابل عزت نہیں جو بانجھ ہو اس
عورت کو دین اسلام اپنی سر آنکھوں پر جگہ دیتا ہے۔ جو صاحب اولاد ہو۔
رسول اللہ ﷺ کی حدیث جو فریقین روایت کرتے ہیں کہ نکاح کرو اور نسل
بڑھاؤ میں روز قیامت اکثریت امت پر فخر کروں گا (جامع الاخبار اور تفسیر کبیر ج
۲ ص ۴۰۲)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایسی عورت سے شادی کرو جو زیادہ بچے
پیدا کرنے والی ہو جناب ام البنینؑ کا خاندان کثرت نسل کے لحاظ سے بھی عرب
میں مشہور تھا اور جناب ام البنینؑ بھرے گھر میں رہنے والی خاتون تھیں عرب
کیا بلکہ اسلام میں بھی یہ نظریہ عام تھا کہ نسب باپ کی طرف سے ہے اور ماں
ایک ودیعت گاہ ہے جو مدت حمل کے بعد بچہ کو پرورش کے لئے باپ کے سپرد
کر دیتی ہے لیکن جناب ام البنینؑ کے صرف آبائی سلسلہ کا علم انساب میں تحفظ
نہیں ہوا بلکہ جناب ام البنینؑ کے ننھیال اور پھر نانی کے ننھیال کا سلسلہ بارہ
طرح سے ضبط تدوین میں آیا جو تاریخ عرب میں ایک حیرت ناک بات ہے اس

کی تفصیل عنوان ما کر آخر میں آپ دیکھیں گے عرب میں تحقیق نسب کا ہمیشہ
سے بہت لحاظ رکھا گیا کہ مجہول النسب کو اس کے مسکن و حرفہ سے منسوب
کر کے نام لیتے تھے۔

جب حضرت علیؑ نے اپنے بھائی عقیلؑ سے فرمایا کہ آپ ایک ایسے
گھرانے کی لڑکی بتایئے جو بہادر ان عرب کی نسل سے ہو میں اس سے نکاح
کروں اور جو اولاد ہو وہ بہادر اور دلیر جنگ آزما ہو۔

جناب عقیل نے جواب میں حضرت علیؑ سے کہا کہ آپ ام البنین کلابیہ
سے نکاح کر لیجئے جس کے باپ دادا سے زیادہ شجاع اور بہادر سر زمین عرب میں
کوئی نہیں ہے۔ حضرت علیؑ کو اپنے بھائی کی تحقیق پر اعتماد تھا اب پوچھ گچھ کی
ضرورت نہیں تھی۔

جناب ام البنینؑ کے اس طرز عمل سے حضرت علیؑ کے ساتھ ساتھ
روح جناب فاطمہ زہراؑ بھی ضرور مسرور ہوئی ہوگی۔ اس لئے کہ جناب فاطمہ
زہراؑ کی دلی تمنا یہی تھی کہ میرے بعد جو بھی عورت حضرت علیؑ لائیں میرے
بچوں کو پیار دے میرے بچوں کا میری طرح خیال رکھے اور میرے بچوں کی صحیح
نگراں ہو۔

جناب ام البنینؑ نے حضرت علیؑ کے گھر میں داخل ہوتے ہی ڈیوڑھی
کو بوسہ دیا اور سب سے پہلے جناب ام البنینؑ نے جناب فاطمہ زہراؑ کے بچوں کو
اپنے پاس بلایا اور گلے لگا کر خوب بلائیں لیں کافی دیر تک پیار کرتی رہیں۔
شہزادوں اور شہزادیوں نے جناب ام البنینؑ کو دیکھا اور انکے قریب جاکر

گلے لگ کر خوب پیار کیا۔

جناب فاطمہ زہراؑ کے انتقال کے بعد جس طرح گھر کی فضا سوگوار ہو گئی تھی ایک بلد جناب ام البنینؑ کے آجانے سے دوبارہ جناب فاطمہ زہراؑ اور حضرت علیؑ کے گھر میں رونق آگئی۔ جناب ام البنینؑ نے عرض کی کہ اے میرے آقا اور میرے آقازادو مجھے اپنی کنیزی میں قبول کرو۔ میں آپ پر نثار میں آپ کی خدمت کے لئے آئی ہوں میرے شہزادو مجھے تم اپنی خدمت کے لئے قبول کرو۔

جناب ام البنینؑ کچھ ہی دنوں میں اس قدر سب لوگوں میں گھل مل گئیں اور خانہ امور داری میں ہر خدمت کو اپنا فرض سمجھتی رہیں اور جناب ام البنینؑ حضرت علیؑ کے گھر میں آنے کے بعد بہت خوش تھیں حضرت علیؑ امام حسنؑ، امام حسینؑ، جناب زینبؑ اور جناب ام کلثوم نے بھی ام البنینؑ کو ہر طرح کا آرام پہنچانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی وقت اپنی رفتار سے چلتا رہا کہ وہ وقت بھی آیا جناب ام البنینؑ کے حمل کا اظہار ہوا۔ جناب ام البنینؑ جب رخصت ہو کر خانہ امیر المومنین میں تشریف فرما ہوئیں اور ہر خدمت کو اپنا فرض سمجھ کر انجام دیتی رہیں حضرت علیؑ کی دعا تمنا بے اثر نہیں ہو سکتی تھی لہذا وہ وقت بھی آیا جب جناب ام البنینؑ کے یہاں حمل کا آثار ہوا۔ حضرت علیؑ سے جناب ام البنینؑ کے عقد کے ایک سال بعد ایک چاند سا بیٹا جو قمر بنی ہاشم کہلایا آغوش مادر جناب ام البنینؑ میں آگیا۔ (الانس ج ۲ ص ۶۷)

جناب ام البنینؑ کی گود بھر گئی اور سب سے پہلے جو بچہ پیدا ہوا وہ

حضرت علیؑ کی خواہش کا مجموعہ تھا جس کا نام حضرت علیؑ نے جناب عباسؑ ابن علیؑ رکھا۔

حضرت عباسؑ ابن علیؑ ۴ شعبان ۲۶ھ یوم شنبہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

بطن جناب ام البنینؑ سے چاند سا بچہ پیدا ہو گیا لوگوں نے حضرت علیؑ کو حضرت عباسؑ کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی کہ جناب ام البنینؑ کے شکم مبارک سے ایک چاند سا ٹکڑا پیدا ہوا ہے حضرت علیؑ نے یہ خبر مسرت سے سنی اور فوراً ہی اپنی پیشانی مبارک سجدہ خدا میں رکھ دی۔

اے میرے خالق میری دلی تمنا بر آئی ہے میرے رب میرے بیٹے حسینؑ کی اب امداد ہو سکے گی۔

حضرت علیؑ ابن ابوطالبؑ جب خانہ خدا میں پیدا ہوئے تھے تو اپنی آنکھوں کو اس وقت تک بند رکھا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف نہ لائے تھے جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؑ کو اپنی آغوش میں لیا تو حضرت علیؑ نے اپنی آنکھوں کو کھول دیا اور چہرہ رسالت پر پہلی نظر ڈالی تھی۔ جب امام حسینؑ کو حضرت عباسؑ ﷺ کے اس دنیا میں آنے کی خبر ہوئی تو آپ تشریف لائے۔ حضرت عباسؑ کو اپنی آغوش امامت میں لیا کان میں اذان و اقامت کہی حضرت عباسؑ نے امام حسینؑ کے آغوش کی گرمی کو محسوس کرتے ہی آنکھیں کھول دیں اور سب سے پہلے امام حسینؑ کے چہرے پر نظر ڈالی۔

جب حضرت علیؑ پیدا ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان

مبارک دہن اقدس میں دے کر بہ زبان حال اقرار جانبازی لیا تھا۔ یہی وجہ تھی
کہ حضرت علیؑ شمع رسالت پر ہر وقت پروانہ وار نثار ہونے کو تیار رہا کرتے اور
رسول اللہ ﷺ کا کسی وقت ساتھ نہیں چھوڑا۔ جب لڑنے کا موقعہ آیا نہایت
بے جگری سے لڑے جاں نثاری کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ کے پسینے پر اپنا خون
بہا دیا۔ ہجرت کے موقع پر تلواروں کے سایہ میں میٹھی نیند سو کر دنیا کو دکھا دیا
کہ محبت قربانی، ایثار اور حمایت اس کا نام ہے۔ حضرت امام حسینؑ رسول
اللہ ﷺ کے نواسے اور حضرت علیؑ کے نور نظر تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا جو
برتاؤ حضرت علیؑ کے ساتھ تھا اور حضرت علیؑ کا جو سلوک رسول اللہ ﷺ کے
ساتھ تھا ویسا ہی برتاؤ حضرت امام حسینؑ کا حضرت عباسؑ علمدار کے ساتھ تھا۔
ویسا ہی برتاؤ حضرت عباسؑ علمدار کا امام حسینؑ کے ساتھ رہا۔ حضرت علیؑ نے
پیدا ہونے کے بعد ماں کا دودھ پیا اور نہ دائی کا۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف
لائے اور انھیں آغوش رسالت میں لیکر دہن مبارک زبان اطہر میں دیا تو
حضرت علیؑ نے اس کو چوسنا شروع کر دیا۔ جب حضرت عباسؑ پیدا ہوئے تو نہ
حضرت عباسؑ نے اپنی ماں ام البنینؑ کا دودھ پیا اور نہ ہی کسی دائی کا جب حضرت
امام حسینؑ تشریف لے آئے اور آغوش امامت میں لیکر دہن اقدس میں زبان
دے کر بہ حال اقرار جانبازی لیا تھا تو حضرت عباسؑ نے اسکو چوسنا شروع کر دیا
امام حسینؑ نے اسطرح اقرار جانبازی حضرت عباسؑ سے لے لیا بالکل اسی طرح
جس طرح رسول اللہ ﷺ نے لعاب دہن چسا کر حضرت علیؑ سے عہد وفاداری
لیا تھا امام حسینؑ لعاب دہن سے حضرت عباسؑ کو سیراب کرنے کے بعد

حضرت عباسؑ کو لے کر اپنی عبا سے سایہ کیے ہوئے داخل مسجد ہوئے اور
حضرت علیؑ سے عرض کی اے بابا یہ بچہ مجھے بہت پیار لگتا ہے اس کی پرورش میں
کروں گا حضرت علیؑ نے فرمایا بیٹا حسینؑ مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ امام حسینؑ مسجد
سے واپس ہوتے ہوئے پھر عرض کرتے ہیں بابا جان کیا وجہ ہے کہ جب اس کی
محبت جوش مارتی ہے تو ساتھ ہی ساتھ میرا دل بھر آتا ہے حضرت علیؑ نے فرمایا
بیٹا حسینؑ خاصان خدا کے لئے خوشی اور غم میں آج یہ بچہ تم کو خوش کر رہا ہے لیکن
ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے یہ تم پر نثار ہوگا اور بیٹا حسینؑ تم اسکی کمی کو محسوس
کر کے رو رہے ہو گے بیٹا حسینؑ ذرا عباسؑ کے شانے کھولو شانے کھولے گئے
حضرت علیؑ نے حضرت امام حسینؑ کو اس پر دو نشان دکھائے ایک علم کا اور دوسرا
سکینہؑ کی سوکھی مشک کا نشان ہے۔

ایک دن حضرت علیؑ گھر کے اندر تشریف لائے فرمایا، اے ام البنینؑ
میرے نور نظر کو میرے پاس لاؤ۔ جناب ام البنینؑ نے جناب عباسؑ کو ایک
سفید پارچہ میں لپیٹ کر حضرت عباسؑ کو حضرت علیؑ کی آغوش امامت میں
حضرت عباسؑ کو دے دیا۔ حضرت علیؑ نے حضرت عباسؑ کے چہرے پر سے
کپڑے کو ہٹا دیا۔ چہرہ قمر بنی ہاشم پر نظر ڈالی اور حضرت عباسؑ کی پیشانی کا
بوسہ لیا۔ اس کے بعد سفید کپڑے کے اندر سے حضرت عباسؑ کے ننھے ننھے
ہاتھوں کو نکالا بازو کلائی کے پنجہ کو غور سے دیکھا حضرت علیؑ کی آنکھوں سے
آنسوؤں کے موتی ٹپکنے لگے چاہنے والی ماں جناب ام البنینؑ نے حضرت علیؑ کو
روتے دیکھا تو دست بستہ عرض کی آقا میرے مولا آپ نے میرے اس فرزند

کے ہاتھوں انگلیوں میں کیا چیز دیکھی کہ اس قدر گریہ کرنے لگے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اے ام البنینؑ یہ مت پوچھو جب جناب ام البنینؑ نے اصرار کیا تو حضرت علیؑ نے فرمایا اس کے اندر وہ راز ہے جو تم معلوم کر کے ضبط نہ کر سکو گی۔ لیکن جناب ام البنینؑ ایک ماں بھی تھیں مضطرب دل کو کب سکون ہو سکتا تھا اصرار پر اصرار کرتی گئیں اور حضرت علیؑ جناب ام البنینؑ سے یہی فرماتے رہے تم سن نہ سکو گی جب ام البنینؑ کا اصرار بڑھتا گیا تو حضرت علیؑ نے فرمایا اے ام البنینؑ جس دن میرے اس فرزند کے دونوں ہاتھ منافقوں کی تلواروں سے کاٹے جائیں گے اس کے سر پر گرز آہنی اور سینے پر نیزہ لگے گا اور یہ تین دن کا بھوکا پیاسا کربلا کی سر زمین پر شہید کیا جائے گا یہ سن کر جناب ام البنینؑ کا دل بھر آیا اور حسرت سے جناب عباسؑ کو دیکھنے لگیں اور حضرت عباسؑ کو حضرت علیؑ سے لیکر اپنے سینے سے لگا کر اس کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دینے لگی اور پیشانی کا بوسہ دیتی جاتیں اور آنکھوں سے موتیوں کا سیلاب بہاتی جاتیں تھیں۔

جناب ام البنینؑ نے ایک دن حضرت علیؑ کو دیکھا کہ جناب عباسؑ کو اپنے زانو پر بٹھائے ہوئے ہیں اور حضرت عباسؑ کی آستین سمیٹ کر ان کی کلائیوں کا بوسہ لے رہے تھے اور زار و قطار رو رہے ہیں یہ دیکھ کر جناب ام البنینؑ گھبرا گئیں اور حضرت علیؑ سے عرض کیا اے میرے والی وارث آپ اس قدر کیوں عباسؑ کے بازوں کو دیکھ کر رو رہے ہیں حضرت علیؑ نے فرمایا اے ام البنینؑ یہ نہ پوچھو جناب ام البنینؑ نے اصرار کیا حضرت علیؑ نے فرمایا اے ام البنینؑ سنو عباسؑ کے ہاتھ ایک دن نصرت حسینؑ میں کٹ جائیں گے یہ سننا تھا کہ

جناب ام البنینؑ بے تحاشاہ رونے لگیں ان کے رونے کی آواز جب گھر میں دوسرے لوگوں تک پہنچی تو سبھی رونے لگے۔

جناب عباسؑ کی رسم عقیقہ آپ کی ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کی رسم عمل میں آئی اور حضرت عباسؑ نام رکھا گیا۔

حضرت علیؑ کے سر اقدس پر ضرب لگی حضرت علیؑ کی اولاد اور اصحاب مسجد کوفہ میں جا پہنچے اور اپنے آقا کو خون میں تر دیکھ کر فریاد فغاں کی آوازیں بلند کیں پھر حسب الحکم مکان کے اندر لے جانے کا سامان کیا اب حضرت علیؑ کی عمر کے آخری لمحات گزر رہے ہیں آپ نے اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی کہ تم لوگ فرزند رسول اللہ ﷺ حسنؑ اور حسینؑ کی نصرت و اطاعت سے منہ نہ موڑنا پھر امام حسنؑ کے ہاتھوں میں تمام اولاد کا ہاتھ دیا۔

جناب ام البنینؑ مادر گرامی حضرت عباسؑ نے جب دیکھا کہ حضرت علیؑ نے اپنے سب فرزندوں کو حضرت حسنؑ کے سپرد فرمایا ہے مگر میرے نور نظر عباسؑ کو کسی کے حوالے نہیں کیا تو جناب ام البنینؑ بہت پریشان تھیں اور کمال اضطراب میں گھر کر عرض کرنے لگیں میرے سر تاج میرے آقا میرے مالک کیا اس ناچیز کنیز سے کوئی خطا سرزد ہو گئی ہے یا حسینؑ کے خادم عباسؑ سے کوئی قصور ہو گیا ہے۔ سردار دو عالم حضرت علیؑ ابن ابی طالب نے دریافت فرمایا کیوں ام البنینؑ کیا بات ہے جناب ام البنینؑ نے عرض کی مولا آپ نے سب فرزندوں کو امام حسنؑ کے سپرد فرمایا اور عباسؑ کو کسی کے حوالے نہیں کیا۔ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ جناب ام البنینؑ کے اس مضطربانہ سوال پر حضرت علیؑ رو

پڑے اور فرمایا اے ام البنینؑ اگر تم اس راز سے آگاہ ہوتیں تو ایسا سوال نہ کرتیں۔ جناب ام البنینؑ نے کہا مولا آگاہ فرمایئے میں تو یہی چاہتی ہوں کہ میرے فرزند عباسؑ کا ہاتھ بھی حسنؑ کے دست مبارک میں دے دیا جائے۔ حضرت علیؑ نے امام حسینؑ کو قریب بلایا اور حضرت عباسؑ کو جناب ام البنین سے طلب فرمایا اور امام حسینؑ کے دست مبارک میں حضرت علیؑ نے عباسؑ کا ہاتھ دے کر ارشاد فرمایا اے بیٹا حسینؑ تمہارا چھوٹا بھائی عباسؑ تمہارے سپرد کر رہا ہوں میں عباسؑ کو تمہاری غلامی میں دیتا ہوں پھر عباسؑ سے فرمایا بیٹا عباسؑ یہ تمہارے آقا ہیں ان کی رفاقت اور ان کی امداد تمہارا عین فریضہ ہے جب امام حسینؑ کربلا کے میدان میں دشمنوں کے نرغہ میں گھر جائیں تو ان کی مدد کرنا (ریاض القدس ص ۴۹)

جناب ام البنینؑ حضرت عباسؑ کے اس خصوصی اعزاز کو دیکھ کر مطمئن ہو گئیں۔

حضرت علیؑ ۶۳ سال کی عمر میں شب جمعہ ۲۱ رمضان کو نصف شب گزرنے کے بعد تمام اعزاو اقربا احباب کو ہاتھ ملتا چھوڑ کر راہی جنت ہوئے۔ آپ کا انتقال فرمانا تھا کہ اہل بیت نے فلک شگاف نالے شروع کر دیئے تمام بی بیاں بے حال تھیں۔ اس وقت حضرت عباسؑ فرط غم کی وجہ سے اپنے سر کو بار بار دیوار خانہ سے ٹکرا رہے تھے حضرت علیؑ شہید ہو گئے۔

جناب ام البنینؑ سے چار اولادیں ہوئیں جنکے اسم گرامی یہ ہیں جناب عباسؑ، جناب عبداللہ، جناب عثمان اور جناب جعفر پیدا ہوئے۔

جناب زینبؑ بنت علیؑ

جناب زینبؑ کی ولادت ہجرت کے پانچویں سال میں جمادی الاول کی پانچ تاریخ کو ہوئی جناب فاطمہ زہراؑ جناب زینبؑ کو سفید کپڑے میں لپیٹ کر اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر حضرت علیؑ کی خدمت میں آئیں اور عرض کی اس بچی کا نام آپ تجویز فرمائیں۔ حضرت علیؑ اور جناب فاطمہؑ جناب زینبؑ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بچی کے نام کا مسئلہ پیش کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جناب زینبؑ کو بوسہ دیا اور اس بچی کا نام زینب رکھا پھر اپنے ہاتھوں پر اٹھایا اور اپنے سینے مبارک سے لگایا اور اپنے مقدس رخسار کو جناب زینبؑ کے رخسار پر لگا کر بے انتا روئے آپ کے دونوں رخسار آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ جناب فاطمہؑ نے اپنے بابا جان کی یہ حالت دیکھ کر دریافت کیا۔ بابا یہ تو خوشی اور مسرت کے لحات ہیں آپ اشکبار کیوں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا میرے رونے کا سبب اس بچی لے وہ مصائب ہیں جو مجھے یاد آرہے ہیں اس بچی پر مصیبتوں کے پہاڑ گریں گے۔

جناب زینبؑ کی عظمتوں کو دیکھ کر ہر صاحب فکر اس حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ جو خاتون اس محفل نور میں پروان چڑھی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی صداقت شعاری حضرت علیؑ کے فیض علم اور فاطمہ زہراؑ کی عظمت و طہارت کا مرکز ہوں تو اس کا عظیم ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

جناب زینبؑ کی شادی آپکے چچازاد بھائی جناب عبداللہ بن جعفر طیار سے ہوئی۔ جناب عبداللہ بن جعفر طیار عہد طفولیت سے عالم شباب تک اپنے بھائیوں کے ہمراہ اپنے چچا حضرت علیؑ کی خدمت میں رہے اور اولاد حضرت علیؑ کے ساتھ رہ کر مولائے کائنات سے علم و معرفت حاصل کیا۔ جناب عبداللہ اپنے زمانے میں سخاوت میں بہت مشہور تھے ایک دن کچھ لوگوں میں بحث چھڑ گئی کہ سب سے زیادہ سخی کون شخص ہے ان میں سے کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اس وقت مسلمانوں میں سب سے زیادہ سخی عبداللہ بن جعفر ہیں۔ دوسرے لوگوں نے اسکا ثبوت طلب کیا تو وہ شخص جناب عبداللہ بن جعفر کے پاس گیا اور اس نے دیکھا کہ جناب عبداللہ بن جعفر اپنی سواری پر سوار ہو کر شہر سے باہر جا رہے ہیں اور اپنی ضرورت کا کچھ سامان خریدنے کی غرض سے عازم سفر ہیں وہ شخص آگے بڑھا اور جناب عبداللہ کی سواری کی باگیں تھام لیں اور جناب عبداللہ سے عرض کی میں مسافر ہوں اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے یہ سن کر جناب عبداللہ اپنی سواری سے اتر پڑے اور فرمایا کہ اس لونٹنی پر چڑھ جاؤ اور اس پر رکھی ہوئی تھیلی سے جتنی رقم کا ہو لے لو البتہ اس پر رکھی ہوئی شمشیر نہ اٹھانا کیونکہ وہ میرے مولا حضرت علیؑ کی دی ہوئی ہے۔ جناب عبداللہ نے یہ فرما کر اپنی سواری اس شخص کے حوالے کر دی اور حضرت علیؑ کی تلوار لیکر واپس پیدل مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے اور وہ شخص لونٹنی پر سوار ہو گیا اور تھیلی میں ہاتھ ڈال کر اس نے دیکھا تو اس تھیلی میں قیمتی جواہرات سے بھری ہوئی تھی اس شخص نے واپس آکر اپنے دوستوں کو وہ تمام واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کیا تو

سارے لوگوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ اسی وجہ سے جناب عبداللہ بن جعفر طیار اپنی سخاوت اور اپنی عظمت کردار کے سبب مسلمانوں میں اس قدر عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ جناب عبداللہ کے دو فرزند جناب زینبؑ سے پیدا ہوئے جناب عونؑ اور جناب محمدؑ۔

جناب عبداللہ سخی ترین انسان تھے۔ قضا و قدر نے آپ کو واقعہ کربلا میں شرکت سے روکا۔ اگر آپ بیمار نہ ہوتے تو امام حسینؑ کے ساتھ کربلا تشریف لاتے مگر جناب عبداللہ نے جناب زینبؑ کو کربلا جانے کی اجازت دی اور اپنی جگہ اپنے بچوں عونؑ و محمدؑ کو امام حسینؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ جناب عبداللہ کی قربانی روز قیامت تک فخر کے لئے کافی ہے اور جناب زینبؑ کی کربلا میں شرکت ان کی غیر معمولی صبر کے درجہ تک پہنچ رہی ہے۔

حضرت علیؑ کا مسند خلافت پر رونق افروز ہونا پوری ملت اسلامیہ کے لئے خوشی و مسرت کا پیغام لایا اور عہد نبوت کی یاد تازہ کر دی۔ محبت و اخوت اور عدل و انصاف سے دنیا کو منور کر دیا۔ اسلامی مساوات کی نورانی قندیلیں معاشرے کے در و بام پر فروزاں کر کے امیر و غریب اور مالدار اور نادار و مدل ان کے ترازو میں برابر کی حیثیت دی اور ایپا دار الخلافہ مدینہ سے بنا کر کوفہ کو منتقل۔

جناب زینبؑ جب کوفہ میں تشریف لے گئیں تو کوفہ کی اہل ایمان خواتین جناب زینبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور جناب زینبؑ سے درخواست کی کہ انہیں اسلامی تعلیم سے مستفیض فرمائیں۔

جناب زینبؑ نے کوفہ کی خواتین کے لئے درس تفسیر قرآن مجید شروع کیا اور کوفہ کی کثیر تعداد میں خواتین علوم الٰہی سے فیضیاب ہونے لگیں۔
ایک روز جناب زینبؑ کھیعص کی تفسیر بیان کر رہی تھیں ابھی اپنے بیان کا آغاز ہی کیا تھا کہ حضرت علیؑ تشریف لائے اور دیکھا کہ جناب زینبؑ کھیعص کی تفسیر بیان کر رہی ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا اے میری نور نظر بیٹی کیا تم جانتی ہو کہ ان کلمات میں کیا راز پوشیدہ ہے۔ جناب زینبؑ نے عرض کیا بابا جان آپ وضاحت کے ساتھ فرمائیں حضرت علیؑ نے فرمایا اے زینبؑ ان کلمات میں تم پر آنے والے مصائب کے راز پوشیدہ ہیں اور تمہاری ہی ان مصیبتوں کی طرف اشارہ ہے جو آل رسول اللہ ﷺ پر آنے والے ہیں۔

سورہ مریم کے شروع میں کھیعص ہے اس کی تفسیر دو معصوموں نے بیان فرمائی ہے۔

۱ حضور سرور کائنات حضرت محمد ﷺ اور
۲ حضرت ولی عصر مہدی آخر الزماں علیہ السلام

مذکورہ بالا حروف مقطعات کی تفسیر پہلے اور آخری دونوں محمد ﷺ سے مطلقہ طور پر حاصل ہوئی ہیں۔ مصائب الابرار ترجمہ بحار الانوار جلد عاشر باب نمبر ۳۴۴۱۴۴ سے ان حروف کی تفسیر نقل کی جاتی ہے جو امام زمانہ علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے تفسیر کھیعص پوچھی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حرف اخبار غیب سے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت زکریاؑ کو خبر دی ہے اور بعد اس کے حضرت رسول اللہ ﷺ کو آگاہ فرمایا ہے اور سبب اس کے نزول کا یہ ہے کہ حضرت زکریاؑ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اسمائے مقدسہ آل عبا کے مجھے تعلیم فرمائی کہ ہر شدت وبلا میں بسبب ان اسماء کے پناہ لئے جاؤں۔ حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور نام آل عبا کے تعلیم کئے بس جب سے حضرت ذکریا رسول اللہ ﷺ حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا نام لیتے تھے تو حضرت ذکریاؑ پر ایسی رقعت طاری ہوتی تھی کہ ضبط نہ کر سکتے تھے۔

ایک دن حضرت ذکریاؑ نے اللہ سے دعا کی کیا سبب ہے کہ جب میں ان پانچ بزرگوں کا نام زبان پر لاتا ہوں تو میرا غم زائل ہو جاتا ہے اور مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے اور جب میں حضرت امام حسینؑ کا نام لیتا ہوں تو میرے اندر کا غم جوش میں آجاتا ہے اور مجھ پر ایسی رقت طاری ہوتی ہے کہ میں ضبط نہیں کر پاتا۔ اللہ نے حضرت ذکریاؑ سے قصہ شہادت اور مظلومیت امام حسینؑ کا حضرت ذکریاؑ سے تذکرہ کیا اور فرمایا۔ کھیعص بس کاف سے مراد کربلا ہے ها سے مراد ہلاکت عشرت طاہرہ اور یا سے مراد یزید قاتل حسینؑ اور عین سے مراد عطش و تشنگی آب حضرت امام حسینؑ اور اہل بیت اطہار کی صحرائے کربلا میں اور صاد سے مراد صبر امام حسینؑ مظلوم کا ہے۔

جب حضرت ذکریاؑ نے یہ قصہ دردناک سنا تو تین دن مسجد سے باہر نہ نکلے اور کسی کو اپنے پاس نہ آنے دیا اور گریہ وزاری میں مشغول رہے اور مرثیہ حضرت امام حسینؑ کی مصیبت کا پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے پروردگار سے دعا کی

اے اللہ مجھے ایک فرزند عطا کر کے اس پہر وہ میری آنکھیں اس کے دیکھنے سے روشن ہوں اور جب ایسا فرزند مجھ کو عطا فرما تو اس کی محبت کا مجھے فریفتہ اور گرویدہ کر بعد اس کے دل کو میرے اس کی مصیبت میں ایسا اندوہناک کر جیسا کہ دل تیرے حبیب محمد ﷺ کا اندوہناک ہو گا۔ اللہ تعالٰی نے حضرت ذکریا کو حضرت یحیٰ عطا فرمایا اور حضرت امام حسینؑ کی طرح درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور حضرت یحیٰ چھ ماہ شکم مادر میں رہے اور مدت حمل حضرت امام حسینؑ بھی اسی قدر تھی۔

جناب زینبؑ نے عرض کیا بابا جان ان مصائب کی بابت تشریح کیجئے حضرت علیؑ نے کربلا کوفہ اور شام میں پیش آنے والے تمام حالات کی تصویر کشی کی اور تفصیل سے سب کچھ بتایا۔ مصائب اور آلام کی شدت کا سن کر جناب زینبؑ رونے لگیں۔

ایک روز صبح حضرت علیؑ مسجد کوفہ کی طرف چل دیئے مسجد میں آتے ہی اپنی عادت کے مطابق لوگوں کو عبادت الٰہی کے لئے بیدار کرنے لگے اور انھیں صبح کی پاکیزہ گھڑی میں مناجات پروردگار کی ترغیب دلاتے رہے اس کے بعد حضرت علیؑ عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے اسر نماز شروع کر دی ابھی آپ نے نماز شروع ہی کی تھی کہ اخلاص عبودیت کی عظمتوں کو پامال کر دینے وار شقی القلب انسان نما شیطان عبدالرحمان بن ملجم نے امام علیؑ کے فرق مبارک پر ایسی کاری ضرب لگائی جس سے آپ منھ کے بل زمین پر آپڑے۔ تلوار کے سخت وار سے آپ کے دماغ کی شریانیں پھٹ گئیں اس وقت حضرت علیؑ نے

فرمایا:

کعبہ کے پروردگار کی قسم میں کامیاب ہو گیا

آل محمد ﷺ کے گھر میں قیامت کا منظر تھا امام حسنؑ امام حسینؑ ایک دوسرے سے لپٹ کر رو رہے تھے۔ بابا کی جدائی کے غم سے نڈھال زینبؑ اپنے عظیم و شفیق باپ کی موت کیونکر برداشت کر سکتیں جناب زینبؑ کی درد بھری آہیں، فریادیں کائنات کا دل ہلا دیتی تھیں۔ ۱۹ رمضان کی صبح حضرت علیؑ کو لگنے والی ضرب سے ۲۱ رمضان کو حضرت علیؑ کی روح پروردگار کی طرف پرواز کر گئی۔

حضرت علیؑ اہل بیتؑ کے جوانوں، خواتین اور بچوں سمیت پوری دنیا کو روتا ہوا چھوڑ کر چلے گئے اور شہادت کی عظیم منزل پر فائز ہوئے

حضرت امام حسنؑ ۱۵ رمضان ۳ھ کی شب میں مدینہ منورہ متولد ہوئے ولادت کے بعد آپ کا نام حضرت موسیٰ کے وزیر ہارونؑ کے فرزندوں شبرؑ و شبیرؑ کے نام پر آپ کا نام حسنؑ رکھا گیا۔ ولادت کے ساتویں دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے امام حسنؑ کا عقیقہ کیا اس موقع پر دنبہ ذبح کیا گیا (مطالب السئول ص ۲۲۰)

آپ کی کنیت ابو محمد تھی القاب سبط سید اور طیب و تقی زیادہ مشہور ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرا فرزند میری پشت پر آ گیا تھا اس لئے میں نے نماز کو طول دیا۔ ایک دن امام حسنؑ کو رسول اللہ ﷺ اپنے کاندھے پر بٹھائے ہوئے کہیں جا رہے تھے کہ کسی شخص نے کہا اچھی سواری ہے یہ سن کر

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیوں نہیں کہتے کہ کیا اچھا سوار ہے (ارالبہ ج ۲ ص ۱۰) علامہ مجلسیؒ نے تحریر فرمایا کہ امام حسنؑ کمسنی کے عالم میں اپنے نانا پر نازل ہونے والی وحی کو اپنی والدہ گرامی جناب فاطمہؑ سے من و عن بیان کر دیا کرتے تھے۔

جس وقت حضرت علیؑ کی شہادت واقع ہوئی اس وقت حضرت امام حسنؑ کی عمر ۳۷ سال کی تھی۔ حضرت علیؑ کی تدفین کے بعد عبداللہ بن عباس کی تحریک پر سب سے پہلے سعد بن عبادہ انصاری نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اس کے بعد چالیس ہزار مسلمانوں نے آپ کی بیعت سے مشرف ہو کر اپنی وفاداریوں کو آپ کی خلافت سے وابستہ کیا اور صلح و جنگ دونوں حالتوں میں ثابت قدم رہنے اور ساتھ دینے کی یقین دہانی کرائی۔ اس بیعت کے بعد امام حسنؑ نے نظام حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس کے بعد معاویہ کی سیاسی چالوں نے کوفہ کے بڑے بڑے لوگوں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر توڑ لیا تھا۔ حضرت امام حسنؑ نے معاویہ کو خط لکھا جس میں تحریر فرمایا کہ تم نے ہماری مملکت میں اپنے جاسوسوں کو معین کیا ہے تاکہ وہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات کا بیج بوئیں اور انھیں گمراہ کر کے ہمارے خلاف بغاوت پر آمادہ کریں۔ اس خط کے بعد امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان تحریری گفتگو جاری رہی امام حسنؑ کی دور رس نگاہوں میں مذکورہ واقعات اور اپنے ساتھیوں کی غداری کو دیکھتے ہوئے کسی طرح کا کوئی جنگی اقدام مناسب نہیں تھا۔ حضرت امام حسنؑ کے سامنے ایک فاسق و فاجر اور ظالم و جابر حکمراں کے ناپاک ہاتھوں پر بیعت کا سوال تھا آپ نے

ت کا جائزہ لیا۔ امام حسنؑ کے لئے جنگ ممکن نہ تھی اس لئے آپ صلح پر آمادہ گئے اور امام حسنؑ اپنے مقصد میں کامیاب تھے صلح کے بعد امام حسنؑ گوشہ ن ہو گئے تھے اور حکومت معاویہ کے قبضہ میں چلی گئی تھی۔

صلح نامہ کی تکمیل کے بعد امام حسنؑ اپنے بھائی امام حسینؑ، عبداللہ بن ر اور اپنے اہل و عیال کو لے کر کوفہ سے مدینہ تشریف لائے تو مدینہ میں نے اپنے جہاد کو ایک دوسرے مورچہ پر جاری رکھا اور دس سال قیام کے ران بہت سے کاموں کے امور انجام دیئے۔

والی مدینہ مروان بن حکم کو معاویہ نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ جس رح بھی ممکن ہو وہ امام حسنؑ کا کام تمام کر دے۔ چنانچہ اس نے محمد بن اشعث کے مشورہ پر الیسونیہ نامی ایک رومی دلالہ کو طلب کیا اور اس کے ہاتھ جعدہ بنت عت کو وہ زہر بھیجا جو معاویہ نے خصوصی طور پر امام حسنؑ کو شہید کرانے کے لئے روم سے منگوایا تھا۔ زیادہ مناسب وقت اور موقع کی منتظر رہی اور آخر کار ۲۸ صفر سنہ ۵۰ھ کی شب میں جب کہ امام حسن علیہ السلام اپنی خواب گاہ میں محو خواب تھے اور قریب ہی جناب زینبؑ اور ام کلثومؑ بھی سو رہی تھیں۔ جعدہ خاموشی سے اٹھی اور دبے قدموں امام حسنؑ کی خواب گاہ میں داخل ہوئی اور اس پانی میں وہ زہر ملا کر واپس آ کر اپنے بستر پر لیٹ گئی جو امام حسنؑ کے سرہانے انکے پینے کے لئے رکھا تھا۔ ابھی کچھ ہی وقفہ گزرا تھا کہ امام کی آنکھ کھلی اور آپ نے جناب زینبؑ کو آواز دی جب جناب زینبؑ نیند سے بیدار ہوئیں تو آپ نے فرمایا اے بہن زینبؑ ابھی ابھی میں نے اپنے نانا، اپنے والد اور اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ

فرمارہے تھے کہ اے حسنؑ کل تم ہمارے پاس ہو گے اس کے بعد امام حسنؑ نے
وضو کے لیے پانی طلب کیا اور وضو کرنے بعد اس پانی کو پیا جو آپ کے سرہانے
رکھا ہوا تھا ادھر پانی حلق کے نیچے اترا اور ادھر زہر نے اپنا کام شروع کر دیا جب
آپ کی تکلیف کی شدت اور بے چینی محسوس ہوئی تو آپ نے فرمایا یہ کیسا پانی تھا
کہ جس نے میرا کلیجہ پارہ پارہ کر دیا۔

حضرت امام حسنؑ کا زہر سے شہید کیا جانا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل
ہے کہ آپ امت مسلمہ کی بہتری کے لئے مسلسل سرگرم عمل تھے اور صلح کے
باوجود اموی حکومت کو آپ کے وجود سے خطرہ لاحق تھا اور اموی گھرانا آپ کی
ذات سے ایک نئے انقلاب کا خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ حضرت امام حسنؑ کی
میت کو رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن کرنے سے حضرت عائشہؓ نے روکا
(ابو الفداج ا ص ۱۸۳) یہاں تک بات بڑھ گئی اور حضرت عائشہؓ کے اشارے
پر بنی امیہ کے لوگوں نے آل محمد ﷺ پر تیروں کی باس کر دی اور یہاں تک
تیر برسائے کہ ۷۰ ستر تیر امام حسنؑ کے جنازے میں پیوست ہو گئے (روضۃ
المناظر ج ۱۱ ص ۱۳۳) آخر بحالت مجبوری حضرت امام حسنؑ کی میت کو جنت
البقیع میں لا کر دفن کیا گیا۔ وقت شہادت حضرت امام حسنؑ کی عمر ۴۷ سال کی
تھی (تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۸۲)

حضرت امام حسنؑ کی شہادت کے بعد بھی امام حسینؑ کا یہی موقف رہا۔
اہل عراق نے حضرت امام حسینؑ کو معاویہ کے خلاف جب جنگ کی دعوت دی
تو جواب میں حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ جب تک معاویہ زندہ ہے تم لوگ

گھروں میں رہو اور اپنے کو مورد الزام ٹھہرانے سے پرہیز کرو (اخبار الطوال
ص ۲۲۲)

معاویہ کا جب وقت آخر آیا تو معاویہ نے یزید کو متنبہ کر دیا کہ حسین ابن
علیؑ عبداللہ ابن عمرؓ اور جو اس غیر اسلامی حکومت کے لئے خطرے کا باعث ہے
جو میرے بعد تیری طرف منتقل ہونے والی ہے اور شاید یہی وجہ تھی کہ جب
یزید 'حوارین' سے دمشق پہنچا تو لوگوں نے اس کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی اور
یزید مسلمانوں کے حاکم کی حیثیت سے تخت نشین ہوا تو سب سے پہلا کام اس
نے یہ کیا کہ والی مدینہ ولید بن عتبہ کو ایک خط لکھا جس میں مرگ معاویہ کی
اطلاع کے ساتھ اس بات کی ہدایت تھی کہ اہل مدینہ سے میری خلافت پر
بیعت کی تجدید کراؤ۔ اس خط کے ساتھ ایک مختصر سا حکم نامہ اور بھی تھا جس
میں فرمان تھا کہ حسین ابن علیؑ عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو اس وقت
تک نہ چھوڑو جب تک ان لوگوں سے میری بیعت نہ لے لو۔

یزید کے اس خط نے ولید بن عتبہ کو کشمکش میں مبتلا کر دیا اور اسے یہ فکر
دامن گیر ہوئی کہ اس کام کو کس طرح انجام دیا جائے کیونکہ ولید جانتا تھا کہ امام
حسینؑ کی پر عظمت اور بلند و بالا شخصیت سے خوبی واقف تھا۔ ولید کو یقین تھا کہ
رسول ﷺ کا نواسہ ایک فاسق و فاجر اور بدکردار کی بیعت کبھی نہیں کریں گے۔
پھر ولید نے مروان سے اس بارے میں مشورہ کیا مروان نے کہا۔ اس سے
قبل کہ معاویہ کے انتقال کی خبر مدینہ کے لوگوں میں عام ہو حسین ابن علیؑ اور
عبداللہ بن زبیر کو اسی وقت طلب کر کے ان لوگوں سے یزید کی بیعت کا مطالبہ

میں شامل ہو جائیں اور جہاں اور جس حال میں امام حسینؑ کو چاہیں قتل کر ڈالیں ۔ امام حسینؑ کو جیسے ہی اس سازش کا پتہ چلا آپ نے حج کو عمرہ میں تبدیل کیا اور مکہ سے کوفہ کی طرف تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا۔ امام حسینؑ یہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی وجہ سے مکہ کے اندر خونریزی ہو اور خانہ خدا کی بے حرمتی ہو۔

اہل کوفہ نے امام حسینؑ کی خدمت میں خطوط روانہ کئے جن کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچی کوفے والوں کا اصرار بڑھا کہ آپ کوفہ تشریف لائیں تو ہم سب عقیدت کے ہاتھوں سے آپ کی بیعت کریں گے

ان حالات میں ظاہری اسباب کی بنا پر آپ کے لئے کوفہ کی طرف تشریف لے جانا ناگزیر تھا اور امام حسینؑ کے لئے اہل کوفہ کی درخواست کو مسترد کرنا مناسب نہ تھا۔ پھر بھی امام حسینؑ نے احتیاطی تدابیر اختیار فرمائی کہ آپ کے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو جو مدینہ سے امام حسینؑ کے ہمراہ آئے تھے اپنا نمائندہ بنا کر حالات کا جائزہ لینے کے لئے کوفہ جانے پر مامور فرمایا۔ کوفہ پہنچ کر جناب مسلم بن عقیل نے عالیس بن ابی شبیب شاکری کے ہاتھ ۱۲ ذیقعد کو لکھا تھا اس خط کے پہنچنے کے بعد امام حسینؑ کے لئے کوفہ کا سفر اختیار کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ امام حسینؑ نے حج کو عمرہ میں بدلہ اور امام حسینؑ حج سے دو دن پہلے مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کر لیا۔

امام حسینؑ نے جب مکہ کو خیرباد لہنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو انہی بہن زینبؑ کے پاس تشریف لے گئے اور جناب زینبؑ سے پوری صورت حال پر تفصیل

سے بات کی اور عراق کی جانب اپنے عزم سفر سے آگاہ کیا۔

جناب زینبؑ نے امام حسینؑ کے ارادے سے مطلع ہو کر بھائی سے کہا اے میرے امام اے میرے ماں جائے مجھے احترام والے مہینوں میں سفر سے ڈر لگتا ہے میرا خیال ہے کہ ان مہینوں تک آپ مکہ میں ہی قیام فرمائیں۔ امام حسینؑ اپنی بہن جناب زینبؑ سے فرمایا یہ معاملہ علم الہی میں ہمارے لئے طے پا چکا ہے جس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ امام حسینؑ کی گفتار شعار سن کر فاطمہؑ کی بیٹی کے چہرے پر قضاو قدر الہی کے سامنے صبر و استقامت کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

جناب زینبؑ اپنی عالمانہ بصیرت سے امام حسینؑ کی معصومانہ سیاست کی بنیادوں کو سمجھ چکی تھیں۔

جب امام حسینؑ نے مدینہ کو خیرباد کہنے کا عزم کیا تھا تو اس وقت جناب عبداللہ بن جعفر طیار سخت علیل تھے اور جناب عبداللہ کی آنکھوں میں سخت تکلیف تھی۔ امام حسینؑ نے جب مکہ سے عراق کی جانب سفر کرنے کا ارادہ کر لیا تو جناب عبداللہ بن جعفر طیار کو اس کی خبر ہوئی اور عبداللہ بن جعفر نے امام حسینؑ کی خدمت میں اپنے دونوں بیٹوں عون اور محمد کو ایک خط دے کر امام حسینؑ کی خدمت میں روانہ کیا۔

دینوری کا کہنا ہے کہ جس دن حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت واقع ہوئی اسی دن امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہوئے۔ قیام مکہ کے دوران آپ کے وہ اعزاء جو آپ کے ساتھ مدینہ سے مکہ آگئے تھے اور کچھ حجاز بھی آپ کے

ساتھ ہو گئے تھے تنعیم کے مقام پر پہنچ کر آپ نے ایک قافلے سے کچھ اونٹ
سامان کی باربرداری اور اپنے ساتھیوں کی سواری کے لئے کرایہ پر حاصل کیے
جس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ آپ مکہ سے اچانک اور بغیر کسی تیاری کے روانہ
ہوئے تھے اس لئے سواری اور باربرداری کا انتظام بھی نہیں کر سکے تھے اور یہی وہ
مقام ہے کہ جہاں جناب زینبؑ کے پسران عون محمد عبداللہ بن جعفر کے خط اور
عون و محمد کے آنے کے بعد امام حسینؑ اپنے قافلے کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

طبری تحریر کرتے ہیں قادسیہ سے تین میل کی دوری پر حر بن یزید
ریاحی نے اپنے دستے کے ساتھ امام حسینؑ کا راستہ روکا اور پوچھا کہ آپ کہاں
تشریف لے جا رہے ہیں امام حسینؑ نے فرمایا۔ کوفہ۔

حر نے کہا آپ واپس مدینہ چلے جائیں کیونکہ کوفہ آپ کے لیے جانا اب
مناسب نہیں ہے۔ پھر حر نے جناب مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر دی۔

جب امام حسینؑ کا قافلہ قصر بنی مقاتل میں داخل ہوا یہاں پر امام
حسینؑ نے ایک رات قیام فرمایا۔ رات کے آخری حصہ میں اپنے اصحاب کو پانی
بھر کر ساتھ رکھنے کی ہدایت کی صبح ہوئی تو امام حسینؑ آگے کے لئے روانہ ہوئے
اور حر بھی مع اپنے لشکر کے امام حسینؑ کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔

امام حسینؑ نے کربلا پہنچنے سے پہلے بارہ پرچم بنائے اور ان میں سے
گیارہ پرچم اپنے جانثاروں میں تقسیم کر دیئے۔ تمام جاں نثاروں نے عرض کیا
کہ مولا اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم اپنے اپنے پرچم اٹھا کر روانہ سفر ہوں۔ امام
حسینؑ نے فرمایا ابھی ٹھہر جاؤ اس آخری پرچم کو اٹھانے والا ابھی آنے والا ہے ابھی

امام حسینؑ اپنے جانثاروں سے گفتگو ہی فرما رہے تھے کہ کوفہ کی طرف سے ایک
غبار اٹھا۔ امام حسینؑ کے بچپن کے دوست حبیب ابن مظاہرؓ اپنے غلام کے ہمراہ
امام حسینؑ کی خدمت میں آرہے تھے۔ حبیب ابن مظاہر کا گھوڑا امام حسینؑ کے
قریب پہنچا تو جناب حبیبؓ ادب و احترام کی خاطر اپنی سواری سے نیچے اتر پڑے
اور امام حسینؑ کے قدموں کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ حبیب ابن مظاہرؓ کی
آنکھیں فرط محبت سے اشکبار ہو گئیں۔ وفادار دوست نے امام کی خدمت میں
آداب بجا لایا اور امام حسینؑ کے جانثاروں کو بھی سلام کیا۔ سب جانثاروں نے
بڑی گرم جوشی کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔ امام حسینؑ حبیب ابن مظاہرؓ کی آمد
پر بہت خوش تھے۔

جناب زینبؑ نے کسی کے آنے کی خبر سنی تو جناب فضہ سے دریافت کیا
کہ کون آیا ہے۔ جناب فضہؓ نے بتایا کہ حبیب ابن مظاہرؓ آئے ہیں۔ اپنے بھائی
کے بچپن کے دوست اور وفادار ساتھی کا نام سن کر جناب زینبؑ بہت خوش
ہوئیں اور جناب فضہؓ سے فرمایا کہ میری طرف سے حبیب ابن مظاہر سے کہو
کہ زینبؑ سلام کہتی ہیں۔

جب حبیب ابن مظاہرؓ کو جناب زینبؑ کا سلام پہنچایا گیا تو جناب
حبیب ابن مظاہرؓ نے اپنے منہ پر خاک ڈالتے ہوئے کہا کہ آج یہ وقت آ گیا ہے
کہ علیؑ کی بیٹی مجھے سلام کہے یہ میرا فرض ہے کہ میں اپنے آقازادی کی
خدمت میں سلام عرض کروں۔ جناب زینبؑ اپنی خاندانی عظمتوں کا پاس
کرتے ہوئے امام حسینؑ امام وقت اور اسلام کی نصرت کے لئے اتنی دور سے آنے

والے کو احترام کی نظر سے دیکھ رہی تھیں۔

اب حر کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں تھی۔ تیز دھوپ اور گرم ہوا کی لپٹوں میں امام حسینؑ کا قافلہ اپنا راستہ قطع کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ نینوا کی سر زمین نے امام حسینؑ اور انکے جانثاروں کا استقبال کیا اسی مقام پر حر کو ابن زیاد کا ایک خط دیا گیا اس خط میں لکھا تھا کہ جہاں بھی تم کو یہ خط ملے وہیں پر حسین ابن علی کو آگے بڑھنے سے روک دو اور ایسی جگہ قیام پر مجبور کرو جہاں گھاس اور پانی نہ ہو۔

حر جناب امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری صورت حال کو امام حسینؑ اور اصحاب امام کے سامنے ابن زیاد کا خط پیش کر دیا۔

امام حسینؑ نے حر سے فرمایا مجھے کچھ اور آگے بڑھ لینے دو۔ حر نے کہا میں اب مجبور ہوں۔ امام حسین ع اور حر کی گفتگو کے ساتھ رفتار بھی جاری رہی۔

واعظ کاشفی اور علامہ اردبیلی کا بیان ہے کہ جیسے ہی امام حسینؑ نے زمین کربلا پہ قدم رکھا زمین کربلا زرد ہو گئی اور ایک ایسا غبار اٹھا کہ آپ کا سر مبارک خاک آلودہ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر اصحاب ڈر گئے اور جناب زینبؑ و جناب ام کلثومؑ رونے لگیں۔

مورخین کا یہ بھی بیان ہے کہ امام حسینؑ کے حکم سے خیموں کو لب فرات نصب کیا گیا۔ حر نے مزاحمت کی اور کہا کہ آپ خیموں کو فرات سے دور نصب کیجئے حر کی اس جسارت اور حر کی اس گستاخی پر علی کا شیر عباس علمدار پھر

گیا۔ امام حسینؑ نے جناب عباس ابن علی کے غصہ کو فرو کیا اسکے بعد امام حسینؑ نے حکم دیا کہ فرات کی کچھ دوری پر خیمے نصب کیے گئے۔

خیام نصب ہو جانے کے بعد امام حسینؑ ابھی خیمہ میں داخل بھی نہ ہوئے تھے کہ چند اشعار آپ کی زبان پر جاری ہوئے۔ جناب زینبؑ نے جوں امام حسینؑ کے اشعار کو سنا اس قدر روئیں کہ بے ہوش ہو گئیں۔ جناب فضہؑ اور امام حسینؑ نے جناب زینبؑ کو ہوش میں لائے۔ پھر خیمہ سے باہر تشریف لا کر امام حسینؑ نے کربلا کے لوگوں کو طلب کیا جو زمین کربلا کے مالکان تھے۔ ان لوگوں سے امام حسینؑ نے ساٹھ ہزار درہم پر ۱۴ مربع میل کا علاقہ خرید لیا اور چند شرائط کے ساتھ انہیں لوگوں کو زمین کربلا کو ہبہ کر دیا۔

حر اپنے لشکر کے ساتھ خیام حسینی سے قریب اور نہر فرات کے کنارے خیمہ زن ہوا اور وہاں سے حر نے ابن زیاد کو لکھا۔

امام حسینؑ ابن علیؑ کہ ان کے ساتھیوں سمیت کربلا تک پہنچا چکا ہوں امام حسین ابن علیؑ اب یہاں سے آگے نہیں جا سکتے ہیں۔

۶۱ھ محرم کی دوسری تاریخ کو امام حسینؑ کربلا کی زمین پر پہنچے اور یہیں اترنے پر مجبور کیئے گئے۔ دوسرے دن یزیدی لشکر کربلا کے میدان میں آنا شروع ہو گیا۔

حضرت عباسؑ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارے حالات سے باخبر کیا۔

ساتویں دن سے پانی بند ہو چکا تھا۔ امام حسینؑ کے سامنے ان کے اہل حرم اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے بے تابی کے منظر العطش کی صدائیں اور مستقبل کے حالات سب ہی کچھ تھے۔ مگر یزید کی بیعت اسی طرح غیر ممکن تھی جیسے پہلے تھی۔ بے شک امام حسینؑ نے ضرور یہ چاہا کہ ایک رات کی مہلت مل جائے۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ پوری رات آخری بار عبادت الٰہی میں بسر کریں اس کے علاوہ دوست دشمن دونوں کو جنگ کا قطعی فیصلہ معلوم ہو جانے کے بعد اپنے اپنے طرز عمل پر غور کرنے کا موقع مل جائے۔

عاشور کا گرم سورج اپنی بھرپور تمازت کے ساتھ بام فلک پر جلوہ افروز تھا۔ دن کافی چڑھ چکا تھا۔ اور دھوپ کی شدت جسموں پر اثر انداز ہونے لگی تھی کہ اچانک عمر سعد نے اپنی فوج کو آگے بڑھایا اور عمر سعد نے ایک تیر چلہ کمان میں جوڑا اور بلند آواز سے یہ کہہ کر اپنا تیر چھوڑا اور کہا کہ اے لوگوں تم گواہ رہنا کہ پہلا تیر میں نے امام حسینؑ ابن علی پر چلایا ہے۔

امام حسینؑ نے اپنے جانثاروں سے فرمایا

میرے جانباز ساتھیو دشمن نے جنگ کی ابتدا کر دی ہے اب میری حجت تمام ہو گئی لہٰذا تم لوگ بھی موت کے استقبال کے لئے کمربستہ ہو جاؤ کیونکہ موت ہر انسان کے لئے برحق ہے۔

امام حسینؑ کی طرف سے یہ ایک طرح کا اذن جہاد تھا۔ جس کے موصول ہوتے ہی اصحاب و انصار کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے اور تیروں کا جواب تیروں سے دیا جانے لگا یہ جوابی اقدام دراصل مقابلہ کے لئے آمادگی کا

منظر تھا۔

کارزار کربلا میں امام حسینؑ کے اصحاب باصفا اور موالیان باوفا کے بعد آپ کے اعزا و اقربا، برادران اور اولادیں اسلام پر قربان ہونا شروع ہو گئے اور ان لوگوں نے اپنی بے نظیر قربانیوں سے اسلام کو سدا بہار بنا دیا۔

حضرت علی اصغرؑ کو دفن کر کے امام حسینؑ خیام حرم میں تشریف لائے اور وقت رخصت مخدرات عصمت و طہارت سے فرمایا۔

اے بہن زینبؑ، اے ام کلثومؑ، اے رقیہؑ، اے ربابؑ، اے سکینہؑ اور اے میری ماں کی باعظمت کنیز فضہؓ تم سب پر اس حسینؑ ابن علیؑ غریب کا آخری سلام ہو۔ پھر حضرت امام حسینؑ نے سید سجادؑ کو غش سے بیدار کیا اور فرمایا

بیٹا میرے بعد تم امام وقت ہو اسلام کے پاسبان ہو۔ میری قربانی رائیگاں نہ ہونے پائے۔ یہ ظالم تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق خاردار پہنا کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک قیدی بنا کر تمہیں لے جائیں گے بیٹا تم صبر کرنا۔

اس کے بعد امام حسینؑ نے بیمار کربلا کا ہاتھ پکڑ کر بلند آواز سے فرمایا

اے رسول زادیوں، اے زینبؑ و ام کلثومؑ، اے سکینہؑ و رقیہ و فضہ، ربابؑ غور سے سنو یہ میرا فرزند میرے بعد میرا جانشین اور واجب الاطاعت امام ہو گا۔ ان کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دینا۔

جب امام حسینؑ کا کوئی ناصر و مددگار نہ رہا تو آپ نے خود میدان جنگ کی طرف جانے کا عزم کیا۔ رسول زادیوں کو صبر کی تلقین کی اور معصوم بچی کی

آنکھوں سے آنسوؤں کو پونچھ کر اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا اے میری لاڈلی سکینہؑ جب میں شہید ہو جاؤں تو جی بھر کر رو لینا۔ آنے والی مصیبت کے لئے اپنے حوصلے بلند رکھو اور جان لو کہ پروردگار تمہارا محافظ اور حامی و ناصر ہے وہی تمہیں دشمنوں کے شر سے بچانے والا ہے آخری بار امام حسینؑ نے اپنے اہل و عیال سے فرمایا۔

اے رسول زادیوں میرا آخری سلام ہو امام حسینؑ کے الوداعی کلمات سن کر رسول زادیوں میں نالہ بپا ہو گیا اور خیام حسینی میں کہرام برپا ہو گیا۔

امام حسینؑ نے جب میدان کی طرف روانہ ہونا چاہا تو دائیں طرف بھی دیکھا اور بائیں طرف بھی دیکھا مگر کوئی ساتھی نظر نہ آیا۔ امام حسینؑ نے درد بھری آواز کے ساتھ پکار کر فرمایا۔

کوئی ہے جو مجھے گھوڑے پر سوار کرے۔

جناب زینبؑ نے امام حسینؑ کی صدا سنی تو خیمے سے باہر نکل آئیں اور آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگیں تھام لیں اور بھائی کو گھوڑے پر سوار کر لیا اور سوار کراتے وقت بھائی امام حسینؑ سے جناب زینبؑ نے کہا آپ اس عالم غربت میں کس کو پکار رہے تھے کون ہے جو آپ کی نصرت کو آئے گا آپ کی مظلومانہ صدا نے میرے دل کو چیر ڈالا۔

امام حسینؑ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے تو جاتے جاتے ایک آواز امام حسینؑ کے کانوں تک پہنچی کوئی غم انگیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔

اے فرزند رسولؐ واپس آیئے اور دیکھئے کہ رسول زادیوں کا عالم غربت

میں کیا حال ہو گیا ہے جناب زینبؑ امام حسینؑ کو گھوڑے پر سوار کر کے خیمے میں چلی گئیں اور امام حسینؑ کو میدان کی طرف جاتا ہوا دیکھتی رہیں۔ امام حسینؑ کی تلوار نصرت اسلام کے لئے نیام سے باہر نکلی تو دنیا کو حمزہؑ اور جعفر طیارؑ کی شان اور حیدر کرار کی شجاعت یاد دلائی۔ آخر قربانی کی منزل سامنے آگئی دشمنوں کی تلواروں، نیزوں اور تیروں سے مقدس جسم زخموں سے چور ہو گیا اور امام حسینؑ گھوڑے پر سے زمین پر تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ کا کلمہ پڑھنے والوں نے پیغمبر اسلام کے نواسے کا سر نیزے پر بلند کر دیا۔

جناب زینبؑ خیمہ سے نکل پڑیں زمین کانپنے لگی عالم میں تاریکی چھا گئی لوگوں کے بدن میں کپکپی پڑ گئی آسمان خون کے آنسو رونے لگا۔

شہادت امام حسینؑ کے بعد اس وفادار نے اپنی پیشانی امام حسینؑ کے خون میں رنگین کر کے اہل حرم میں خبر شہادت پہنچائی۔ دشمنوں نے خیمے کا رخ کیا اور خیموں میں آگ لگادی سامان لوٹنا شروع کر دیا۔ اہل بیت فریاد و فغاں کی آوازیں بلند کر رہے تھے اور کوئی دلورس اور پرسان حال نہ تھا۔

جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ کے کانوں سے گوشوارے چھین لئے گئے۔ حضرت امام سید سجادؑ کے نیچے سے بستر کھینچ کر انہیں زمین پر ڈال دیا گیا۔ غرض یہ کہ ایک حشر برپا تھا خیمے جل رہے تھے بیبیاں ایک خیمے سے دوسرے خیمے کی طرف دوڑ رہی تھیں

ظلم و جور کی انتہا یہ تھی کہ کسی بی بی کی پشت پر تازیانے لگائے جا رہے تھے کسی کے رخسار پر تماچے لگ رہے تھے کسی کی پیٹ پر نیزے کی انی چبائی

جا رہی تھی جب سب لٹ چکا، خیمے جل چکے اور شام آگئی تو یہی وقت تھا کہ بہن
کو بھائی کی وصیت یاد آگئی کہ میرے بعد اے زینبؑ تم ہی ان بے کسوں کا سہارا
ہو۔ (مدینے سے چلتے وقت امام حسینؑ اپنے ساتھ دو سالار لے کر چلے تھے ایک
جناب حضرت عباسؑ اور دوسری جناب زینبؑ اور یہی وہ وقت تھا کہ جناب زینبؑ
نے سالاری کی ذمہ داری سنبھالی۔ تمام بیبیوں کو ایک جلے ہوئے خیمے میں جمع کیا
اور بچوں کو ڈھونڈا لیکن انہیں جناب سکینہؑ نہ ملیں۔

جناب زینبؑ اپنی بہن ام کلثومؑ کو لے کر مقتل کی طرف حضرت سکینہؑ
باپ کے سینے سے لپٹی ہوئی گریہ کر رہی ہیں۔ جناب زینبؑ انہیں خیمہ میں لے
آئیں جناب سکینہؑ نے اپنی پھپھی جناب زینبؑ کو بتایا کہ بابا کی کٹی ہوئی گردن سے
یہ آواز آرہی تھی۔

> اے میرے شیعو۔ جب ٹھنڈا پانی پینا تو مجھے یاد
> کرنا اور جب کسی غریب یا شہید کے واقعات سننا تو مجھ پر
> گریہ کرنا۔ اے میرے دوستو۔ سنو میں رسول خدا کا وہ
> مظلوم نواسہ ہوں جسے بے جرم و خطا دشمنوں نے قتل کر دیا
> اور پھر قتل کے بعد اس کی لاش پر گھوڑے دوڑا دیے۔
> اے میرے شیعو کاش تم آج عاشور کے دن ہوتے تو یہ
> روح فرسا منظر دیکھتے کہ میں اپنے پیاسے بچے (علی اصغرؑ)
> کے لئے کس طرح پانی مانگ رہا تھا اور یہ سنگ دل کس
> دلیری اور بے باکی سے انکار کر رہے تھے۔

جناب زینبؑ جناب سکینہؑ کو باپ کے سینے پر سے سمجھا بجھا کر اٹھا
لائیں تھیں اور انہیں جناب ام کلثومؑ کے سپرد کیا اور خود ایک ٹوٹا ہوا نیزہ لے کر
خیمے کے چاروں طرف پہرہ دینا شروع کیا اس وقت جناب زینبؑ نے جناب
عباسؑ کا کردار ادا کیا اور صبر میں امام حسینؑ کا۔

رات کا کافی حصہ گزرنے کے بعد جناب زینبؑ نے دیکھا کہ سوار گھوڑا
بڑھائے چلا آرہا ہے۔ اس وقت زینبؑ نے علیؑ کے لہجہ میں للکار کے کہا کہ اے
سوار میں شیر خدا کی بیٹی ہوں اگر تمہیں ہمیں اور زیادہ لوٹنا ہو تو صبح آجانا کیونکہ
ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے ابھی روتے روتے سوئے ہیں اور جو کچھ ہمارے پاس
رہ گیا ہے اسے بھی لوٹ لینا۔ لیکن سوار برابر بڑھتا ہی رہا آخر زینبؑ بھی شیر خدا
کی بیٹی تھیں انہیں جلال آگیا اور انہوں نے بڑھ کر لگام پر ہاتھ ڈال دیا اور کہا
میں کیا کہتی ہوں اور تو سنتا نہیں یہ حال دیکھ کر سوار گھوڑے سے اتر پڑا اور نقاب
اتار کر کہا کہ اے زینبؑ میں تمہارا باپ علیؑ ہوں اور تم لوگوں کی حفاظت کے
لئے آیا ہوں۔ یہ دیکھ کر جناب زینبؑ کو تاب ضبط نہ رہی اور آپؑ سے فریاد و
فغاں کرنے لگیں۔

زینبؑ نے کہا باپ کے قدموں سے لپٹ کر
اب آئے ہو بابا
جب لٹ گیا پردیس میں اماں کا بھرا گھر
اب آئے ہو بابا

گیارہ محرم الحرام کا سورج غربت و امارت کا پیام لئے طلوع ہو چکا تھا۔

دوپہر کی دھوپ اور صحرائے کربلا سادات کے خیموں میں بھوکے اور پیاسے بچوں کے لئے قیامت کا منظر تھا۔ عمر سعد نے اپنی ستم شعار کا حکم دیا کہ رسول زادیوں کو چادروں کے بغیر اونٹوں پر سوار کرادیا جائے۔ ابن سعد کے حکم سے لشکریوں نے آکر رسول زادیوں کو گھیر لیا اور اونٹوں پر سوار ہونے کے لئے کہا۔

جناب زینبؑ نے شامیوں کے لشکریوں کی اس جسارت پر ابن سعد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

اے ابن سعد۔ خدا دنیا و آخرت میں تیرا منہ کالا کرے کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو نے ان اشقیا کو حکم دیا ہے کہ رسول زادیوں کو اونٹوں پر سوار کرائیں رسول کی بیٹیاں اور نامحرم انہیں سوار کرائیں یہ قطعاً ممکن نہیں۔ ان سے کہو دور ہٹ جائیں ہم خود ایک دوسرے کو سوار کرائیں گے۔

جناب زینبؑ کے پرجوش جملے سن کر ابن سعد نے فوجوں کو پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیا فوجی پیچھے ہٹ گئے تو جناب زینبؑ اپنی بہن ام کلثوم کو لے کر آگے بڑھیں اور ہر بی بی کو نام کے ساتھ پکار پکار کر جمع کیا اور ہر ایک کو خود سوار کرایا۔ جب سب کو سوار کرا چکیں اور جناب زینبؑ کے سوا کوئی باقی نہ رہا تو علیؑ کی بیٹی نے ہر طرف نگاہ کی لیکن سوائے بیمار کربلا سید سجاد کے اور کوئی نظر نہ آیا جناب زینبؑ سید سجادؑ کے پاس آئیں اور کہا بیٹا آؤ ہم آپ کو سوار کرادیں۔ امام مظلوم سید سجادؑ علالت کی وجہ سے چونکہ تاب و تواں نہ رکھتے تھے اس لئے انہیں سوار ہونے میں دشواری ہو رہی تھی جب شمر نے دیکھا تو تازیانہ لے کر آگے بڑھا اور اتنے زور سے امام پر تازیانے برسانے شروع کر دیئے کہ بیمار

فرزندان ساقی کوثر پیاس سے ہلاک ہوا چاہتے ہیں بڑے افسوس کا مقام ہے کہ تلواروں کے قبضے ہمارے ہاتھوں میں ہیں اور ہم آل رسولؐ کے لئے پانی بھی نہیں لا سکتے۔ مجاہدین اٹھ کھڑے ہوئے۔ کسی نے کہا ہم لوگ بچوں کا ہاتھ پکڑ کر نہر پر لے چلیں اور انھیں پانی پلا لائیں۔ اس پر ایک شخص یحیٰ، مازندانی نے کہا میرے خیال میں تو نہر پر بچوں کا لے جانا مناسب نہیں ہے کیونکہ دشمنوں سے ہماری جھڑپ ضرور ہوگی اور اس صورت میں اگر کسی بچے کو کچھ ہو گیا تو ہم آقا حسینؑ کو کیا جواب دیں گے؟ بہتر ہے کہ ہم خود ہی مشکیں لے کر نہر پر چلیں اور انھیں بھر کر لے آئیں۔ یحیٰ مازندانی کا یہ مشورہ سبھوں کو پسند آیا چنانچہ قبیلہ ازد کے بہادروں پر مشتمل چار آدمیوں کی ایک مختصر سی جماعت مشکیزے لے کر جناب بریر ہمدانی کی قیادت میں دریا کی طرف روانہ ہوئی۔

جب یہ لوگ دریا کے کنارے پہنچے تو محافظوں نے انھیں روکا اور پوچھا کہ تم لوگ کون ہو اور کیوں آئے ہو؟ بریر نے شجاعانہ لہجے میں جواب دیا میں بریر بن خضیر ہمدانی ہوں اور یہ لوگ میرے ہمراہی اور صحابی ہیں ہم لوگ یہاں پانی پینے اور لے جانے کی غرض سے آئے ہیں۔ ایک شقی بولا۔ ابھی ٹھہرو پہلے ہم اپنے سردار سے پوچھ لیں اگر اس نے اجازت دے دی تو تم لوگ پانی پیو گے ورنہ نہیں غرض کہ وہ اپنے سردار اسحاق بن حیثوہ کے پاس گیا جو اتفاق سے بریر کا رشتہ دار بھی تھا جب اسے بریر کے آنے کا حال معلوم ہوا تو اس نے کہا بریر کے لئے گھاٹ خالی کردو تاکہ وہ اور ان کے ساتھی جی بھر کے پانی پی لیں مگر اس بات پر بھی نظر رکھو کہ پانی کا ایک قطرہ بھی خیام حسینی میں نہ جانے پائے اور اگر بریر یا ان کے

دوپہر کی دھوپ اور صحرائے کربلا سادات کے خیموں میں بھوکے اور پیاسے بچوں
کے لئے قیامت کا منظر تھا۔ عمر سعد نے اپنی ستم شعار کا حکم دیا کہ رسول زادیوں
کو چادروں کے بغیر اونٹوں پر سوار کرادیا جائے۔ ابن سعد کے حکم سے لشکریوں
نے آکر رسول زادیوں کو گھیر لیا اور اونٹوں پر سوار ہونے کے لئے کہا۔

جناب زینبؑ نے شامیوں کے لشکریوں کی اس جسارت پر ابن سعد کی
طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

اے ابن سعد۔ خدا دنیا و آخرت میں تیرا منھ کالا کرے کیا تجھے شرم
نہیں آتی کہ تو نے ان اشقیا کو حکم دیا ہے کہ رسول زادیوں کو اونٹوں پر سوار
کرائیں رسول کی بیٹیاں اور نامحرم انہیں سوار کرائیں یہ قطعاً ممکن نہیں۔ ان
سے کہو دور ہٹ جائیں ہم خود ایک دوسرے کو سوار کرائیں گے۔

جناب زینبؑ کے پرجوش جملے سن کر ابن سعد نے فوجوں کو پیچھے ہٹ
جانے کا حکم دیا فوجی پیچھے ہٹ گئے تو جناب زینبؑ اپنی بہن ام کلثوم کو لے کر آگے
بڑھیں اور ہر بی بی کو نام کے ساتھ پکار پکار کر جمع کیا اور ہر ایک کو خود سوار کرایا۔

جب سب کو سوار کرا چکیں اور جناب زینبؑ کے سوا کوئی باقی نہ رہا تو علیؑ
کی بیٹی نے ہر طرف نگاہ کی لیکن سوائے بیمار کربلا سید سجاد کے اور کوئی نظر نہ
آیا جناب زینبؑ سید سجادؑ کے پاس آئیں اور کہا بیٹا آؤ ہم آپ کو سوار کرادیں۔

امام مظلوم سید سجادؑ علالت کی وجہ سے چونکہ تاب و تواں نہ رکھتے تھے
اس لئے انہیں سوار ہونے میں دشواری ہو رہی تھی جب شمر نے دیکھا تو تازیانہ
لے کر آگے بڑھا اور اتنے زور سے امام پر تازیانے برسانے شروع کر دیئے کہ بیمار

کربلا کی چیخیں نکل گئیں۔ بیمار کربلا کی مظلومانہ فریادیں سن کر جناب زینبؑ
رونے لگیں اور شمر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے شمر خدا کا خوف کر اور اس
یتیم رسول زادے کو تازیانے نہ لگا یہ خاندان نبوت و رسالت کی امیدوں کا چراغ
ہے ہر تاج خلافت و مسند امامت کا مالک ہے کیا تجھے اس کی بیماری پر بھی رحم نہیں
آتا۔

جناب زینبؑ کی باتیں سن کر شمر پیچھے ہٹ گیا اور فضہؑ نے دوڑ کر امام
کو سوار ہونے میں مدد دی اور آپ ناقے پر سوار ہو گئے۔ لیکن طاقت نہ ہونے کی
وجہ سے آپ کی پشت پر سنبھلنا دشوار تھا اس لئے دشمنان اسلام نے آپ کے
پیروں کو ناقے کے پیٹ سے ملا کر باندھ دیا۔

پھر اس قافلہ کو لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے اور ستم یہ کیا کہ ان
رسول زادیوں کو مقتل کی طرف سے گزارا۔ جیسے ہی یہ حسینی قافلہ مقتل میں
پہنچا حشر کا سماں برپا ہو گیا۔

جناب زینبؑ نے اپنے کو ناقہ سے گرادیا اور مدینہ کی طرف رخ کر کے
جد بزرگوار رسول خدا سے فریاد و فغاں کرنے لگیں۔

نانا جانؐ یہ حسینؑ جسے آپ اپنی آغوش محبت میں بٹھا
کر اپنی عنایت و شفقت سے نوازتے تھے اور اسے سینے سے لگا
کر اس کی پاکیزہ جبین کے بوسے لیتے تھے آج بے گور و کفن
صحرائے کربلا میں اس حال میں ہے دیکھئے آکر یہ حسینؑ خاک
و خون میں آلودہ ٹکڑے ٹکڑے چٹیل میدان میں پڑے ہیں

۔آپ کی بیٹیاں و نواسیاں قیدی ہیں۔ آپ کی اولاد مقتول ہے اور ان پر خاک اڑ رہی ہے۔

نانا جانؐ! ہم آپ کے اہل بیت و اولاد آج غربت میں بے سہارا ہیں اور کافر و فاسق و فاجر لوگوں کے ہاتھوں اسیر ہو کر اپنے عزیزوں کو صحرائے کربلا میں تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ اے نانا جانؐ ہماری غربت و مظلومین اور اسارت پر گواہ رہیے گا۔

اہل بیت کی بے سہارا بیبیوں اور یتیم بچوں اور بیمار کربلا سید سجادؑ کا قافلہ قیدی ہو کر اپنے سفر کی کٹھن اور خوفناک منزلیں طے کرتا ہوا کوفہ پہنچ گیا۔ بغیر پالان کے اونٹوں پر سوار کر کے رسول زادیوں اور معصوم بچوں کو شہر میں لایا گیا۔ قیدیوں کے آگے آگے مظلوم شہیدوں کے سر نیزوں پر سوار تھے۔ سر انصار حسینؑ اور خاندان رسول کے تھے اور سب سے آگے مظلوم کربلا جوانان جنت کے سردار حسینؑ ابن علیؑ کا سر مبارک تھا۔ جب جناب زینبؑ کی نظر اپنے مظلوم بھائی کے سر اقدس پر پڑی تو کہا۔

پڑھ رہا تھا لب کا سورۃ سناں پر فرق شاہ
شیہ کا کوفے میں تلاوت کا یہ درس عام تھا

حضرت زینبؑ نے اشقیا کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اے لوگو! تم اس وقت کیا جواب دو گے جب رسول خدا تم سے پوچھیں گے کہ تم نے میرے امت۔ میرے عزت میرے اہل بیت کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کیا۔ میں اس روز سے خائف [illegible]

بھی سخت عذاب الٰہی سے دوچار ہو گے۔

جب اسیروں کا قافلہ مظلوم شہیدوں کے سروں کے ساتھ شہر کے اندر داخل ہوا تو گلی کوچے اور سڑکوں پر لوگوں کا ہجوم تھا اور کوفہ کی عورتیں مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر قیدیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ باغی کا کنبہ قید ہو کر آ رہا ہے۔ لہٰذا سارا شہر تماشہ دیکھنے آئے۔ کسی کو اس بات کی خبر نہ تھی کہ نواسہ رسول حسینؑ ابن علیؑ کو شہید کر دیا گیا ہے اور یہ سب قیدی عورتیں رسول زادیاں ہیں۔

عربوں کے رسم کے مطابق کوفہ کے شہری۔ قیدیوں کے لئے روٹیاں اور کھجوریں صدقہ کے طور پر لے آئے۔ جناب زینبؑ نے کوفہ والوں کے ہاتھوں میں کھجوریں اور روٹیاں دیکھیں تو سمجھ گئیں کہ یہ لوگ اپنی رسم کو پورا کرنے کے لئے قیدیوں کے لئے یہ سب چیزیں صدقہ کے طور پر لائے ہیں۔ جناب زینبؑ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

اے کوفہ والوں! ہم اہلبیت نبوت ہیں ہم اولاد رسول ہیں ہم پر صدقہ حرام ہے جب کوفہ والوں نے جناب زینبؑ سے دریافت کی کہ آپ لوگ کون ہیں تو جناب زینبؑ نے فرمایا۔ ہم اہل بیت رسول ہیں اور تمہارے نبی کی عزت و اولاد ہیں۔

جناب زینبؑ کا جواب سن کر کوفے کی عورتیں دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں وہ سب آل محمد کی مظلومیت پر نوحہ کناں تھیں شرمندہ تھیں اور ساتھ ہی ساتھ ہائے حسینؑ، ہائے عباسؑ کی صدائیں بھی بلند کر رہی تھیں۔

کوفہ کی عورتوں کے رونے اور نوحہ وماتم کی آوازوں سے سارا شہر لرز اٹھا رسول زادیوں کو برہنہ سر دیکھ کر ہر خاتون اشکبار تھی عورتوں کو دیکھ کر کوفے کے مرد بھی زاروقطار رونے لگے لیکن حکومت کی طرف سے اس قدر دباؤ تھا کہ کوئی شخص صدائے احتجاج بلند کرنے کی جرات نہ کر سکا۔

جناب زینبؑ کی نظر جب امام حسینؑ کے سر پر پڑی جو نوک نیزہ پر تھا تو فرط غم سے محمل پر گر پڑیں۔ آپ کی حالت غیر تھی۔ آہیں بھرتے ہوئے مظلوم کربلا کے سر کی طرف نظر ڈال کر جناب زینبؑ نے فرمایا۔

اے میرے پیارے بھائی میں نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ تقدیر ہمیں کہاں سے کہاں لے آئے گی۔ اے بھائی ذرا فاطمہ صغریٰ سے بھی گفتگو کر لو۔ کہ اس کا دل گر چکا ہے شاید اسے تسکین قلب مل جائے۔ اے میرے آنکھوں کی ٹھنڈک بھائی۔ تیرا دل ہمارے لئے کس قدر مہربان تھا مگر اب کیوں ہم سے تمہارا جی بھر گیا اور تو پتھر دل بن گیا۔

اے بھائی اگر تو علیؑ کو دیکھے تو اسارت اور یتیمی کے غم نے اس کو قوتیں مضمحل کر دی ہیں۔ ان ظالموں نے جب بھی اس پر تازیانے برسائے اس نے دھاڑیں مار مار کر تجھے پکارا۔

اے بھائی ذرا بیمار کربلا کو بھی سینے سے لگا لو کہ اس کے غمگین دل کو تسکین و قرار مل جائے یتیم پر کیا گزری ہوگی جب وہ بابا کہہ کر آپ کو پکارتا ہوگا لیکن کوئی اسے جواب

دینے والا نہ تھا۔

علیؑ کی بیٹی کے اس نوحے سے حسرت وافسوس کی چنگاریاں اڑنے لگیں اور تماشائیوں کی آنکھیں خون کے آنسو رونے لگیں۔

تب شمر و عمر سعد نے تماشائیوں کے مجمع کو متاثر ہوتے دیکھا تو جس طرح اور ظلم اہل بیت پر اپنا رعب بٹھانے کے لئے یہ دشمن کرتے تھے یا صرف ابن زیاد کی خوشی کے لئے محملوں سے اہل بیتؑ کو اتار کر برہنہ اونٹوں پر بٹھا دیا کرتے اور بدسلوکی کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ اہل بیت کو زیادہ سے زیادہ تکلیف پہنچائیں اور ذلت اور رسوائی ہو۔ ابن زیاد کا لشکر اہل بیت کو محاصرے میں لئے ہوئے کوفہ میں داخل ہوا کوفہ کی عورتوں نے ان کا یہ حال دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ بشیر ابن جذلم کہتا ہے کہ جناب زینبؑ اس وقت اپنے اعلیٰ مرتبہ باپ کی طرح تقریر کر رہی تھیں جب کہ ہر طرف لوگوں کا ہجوم تھا ہر طرف آوازیں بلند تھیں اس وقت جناب زینبؑ نے اشارے سے لوگوں کو خاموش ہونے کا حکم دیا۔ لوگ فوراً خاموش ہو گئے اور پورے ہجوم پر خاموشی چھا گئی۔

جناب زینبؑ نے بعد حمد خدا فرمایا!

اے اہل کوفہ! اے مکارو تم ہم پر روتے اور آنسو بہاتے ہو تمہاری آنکھوں کا آنسو کبھی نہیں تھمے گا اور تمہارا چیخ چیخ کر رونا کبھی نہیں رکے گا۔ تمہاری مثال اس عورت کی ہے جو اپنے دھاگے کو مضبوط بنتی ہے پھر اس

کے بل کھول دیتی ہے۔ تم نے بھی ایمان کے دھاگے کو
مٹ کر گرہ لگائی پھر تم نے اس دھاگے کو توڑ ڈالا اور اپنے کفر
پر پلٹ گئے۔ تم لوگوں میں بس یہی صفت و خصلت ہے
کہ شیخی مارتے ہو اور اپنی ذات کو سب کچھ سمجھتے ہو۔
دشمنی، جھوٹ کنیزوں کی طرح چاپلوسی دشمنوں کے مانند
غمازی کرنا تمہاری عادت ہے۔ تم اس سبزے کی اور گھاس
کی مانند ہو جو کوڑے کے ٹکڑے پر اگا ہو اور چونے کا مثل ہو
جس سے قبر پر گھگل کی گئی ہو۔ تم نے آخرت کے لئے کیا برا
توشہ ذخیرہ کیا ہے تم پر خدا کا غیظ تم نے ہمیشہ کے لئے
دوزخ کو اپنا ٹھکانا بنا لیا ہے۔ پہلے تو تم نے ہم کو مار ڈالا اب
ہم پر روتے ہو تم اسی کے لائق ہو کہ رویا ہی کرو بہت رو اور
کم ہنسو کیوں کہ تم نے ذلت و رسوائی اور عیوب سے اپنے
محسن خانہ کو لیپا ہے اور اس کی گندگی کسی پانی سے دھوئی
نہیں جا سکتی اور کیونکر دھوئی جا سکے اور کس طرح اس گناہ
کی تلافی کرو گے۔ تم نے خاتم الانبیاء کے کلیجے کے ٹکڑے
کو قتل کر ڈالا تم نے سردار جوانان جنت کو مار ڈالا تم نے نیک
چلن لوگوں کو ذبح کر ڈالا۔ تم نے مصیبتوں میں جس کے
دامن میں چھپتے تھے اس کو قتل کر ڈالا جو تمہاری کشادہ
راہوں کی علامت و نشان تھا اس کو شہید کر ڈالا جو تمہارا

نگہبان تھا اور تمہاری صحبتوں کا بیان کرنے والا تھا۔ جس
کے پاس تم ہر حادثے میں پناہ لیتے تھے جس سے تم دین اور
شریعت کی باتیں سیکھتے تھے اس کو ہی مار ڈالا خبردار رہو تم
نے بہت بڑا گناہ روز حشر کے لئے اپنے واسطے مہیا کیا۔ تم
ہمیشہ ہلاکت میں پڑے رہو گے تم منہ کے بل عذاب میں
گرو گے تم ہمیشہ اپنی سعی اور کوشش سے ناامید ہو جاؤ گے۔
تمہارے ہاتھ کٹ کر گر پڑیں۔ تمہارے وعدے عہد و
پیان تم کو گھاٹے اور نقصان کے سوا کچھ نہ دیں گے۔ بے
شک تم نے خداوند عالم کو غضب کی جانب بازگشت کی۔
محتاجی و ذلت نے تم کو گھیر لیا۔ تم پر افسوس ہے تم جانتے ہو
کہ تم نے رسول خدا کے کس جگر کے ٹکڑے کو چاک کیا اور
پیغمبر ﷺ کے نواسہ کا خون کس طرح بہایا ہے اور کن پردہ
داران عصمت کو بے پردہ کیا ہے۔ کتنا تم نے سخت مشکل
اور عجیب یہ کام کیا۔ نزدیک ہے کہ آسمان پھٹ جائے زمین
کے ٹکڑے اڑ جائیں۔ پہاڑ پرزے پرزے ہو جائیں۔ تم
نے ایسا بدترین اور لغو کام کیا ہے کہ جس کی تاریکی نے آسمان
و زمین کو گھیر لیا تم تعجب کرتے ہو کہ تمہارے اس اقدام
ظلم پر خداوند آسمان سے خون برسا دے۔ یہ تو دنیا میں خون
ناحق کا اثر دیکھا۔ آخرت میں اس سے بھی زیادہ اس جرم کے

۔آپ کی بیٹیاں و نواسیاں قیدی ہیں۔ آپ کی اولاد مقتول ہے
اور ان پر خاک اڑ رہی ہے۔

نانا جانؐ! ہم آپ کے اہل بیت و اولاد آج غربت میں بے سہارا ہیں اور کافر و فاسق و فاجر لوگوں کے ہاتھوں اسیر ہو کر اپنے عزیزوں کو صحرائے کربلا میں تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ اے نانا جانؐ ہماری غربت و مظلومیت اور اسارت پر گواہ رہے گا۔

اہل بیت کی بے سہارا بی بیوں اور یتیم بچوں اور بیمار کربلا سید سجادؑ کا قافلہ قیدی ہو کر اپنے سفر کی کٹھن اور خوفناک منزلیں طے کرتا ہوا کوفہ پہنچ گیا۔ بغیر پالان کے اونٹوں پر سوار کر کے رسول زادیوں اور معصوم بچوں کو شہر میں لایا گیا۔ قیدیوں کے آگے آگے مظلوم شہیدوں کے سر نیزوں پر سوار تھے۔ سر انصار حسینؑ اور خاندان رسول کے تھے اور سب سے آگے مظلوم کربلا جوانان جنت کے سردار حسینؑ ابن علیؑ کا سر مبارک تھا۔ جب جناب زینبؑ کی نظر اپنے مظلوم بھائی کے سر اقدس پر پڑی تو کہا۔

پڑھ رہا تھا لب کا سورۂ سناں پر فرق شاہ
شیہ کا کوفے میں تلاوت کا یہ درس عام تھا

حضرت زینبؑ نے اشقیا کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اے لوگو! تم اس وقت کیا جواب دو گے جب رسول خدا تم سے پوچھیں گے کہ تم نے میرے امت۔ میرے عزتؑ میرے اہل بیت کے ساتھ بعد کیا سلوک کیا۔ میں اس روز سے خائف۔

بھی سخت عذاب الٰہی سے دوچار ہو گے۔

جب اسیروں کا قافلہ مظلوم شہیدوں کے سروں کے ساتھ شہر کے اندر داخل ہوا تو گلی کوچے اور سڑکوں پر لوگوں کا ہجوم تھا اور کوفہ کی عورتیں مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر قیدیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ باغی کا کنبہ قید ہو کر آ رہا ہے۔ لہٰذا سارا شہر تماشہ دیکھنے آئے۔ کسی کو اس بات کی خبر نہ تھی کہ نواسہ رسول حسینؑ ابن علیؑ کو شہید کر دیا گیا ہے اور یہ سب قیدی عورتیں رسول زادیاں ہیں۔

عربوں کے رسم کے مطابق کوفہ کے شہری۔ قیدیوں کے لئے روٹیاں اور کھجوریں صدقہ کے طور پر لے آئے۔ جناب زینبؑ نے کوفہ والوں کے ہاتھوں میں کھجوریں اور روٹیاں دیکھیں تو سمجھ گئیں کہ یہ لوگ اپنی رسم کو پورا کرنے کے لئے قیدیوں کے لئے یہ سب چیزیں صدقہ کے طور پر لائے ہیں۔ جناب زینبؑ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

اے کوفہ والوں! ہم اہلبیت نبوت ہیں ہم اولاد رسول ہیں ہم پر [illegible] حرام ہے جب کوفہ والوں نے جناب زینبؑ سے دریافت کی کہ آپ لوگ [illegible] ہیں تو جناب زینبؑ نے فرمایا۔ ہم اہل بیت رسول ہیں اور تمہارے نبی کی اولاد ہیں۔

جناب زینبؑ کا جواب سن کر کوفے کی عورتیں رونے لگیں وہ سب آل محمدؐ کی مظلومیت پر نوحہ [illegible] ساتھ ہی ساتھ ہائے حسینؑ، ہائے عباسؑ کی صدا [illegible]

کوفہ کی عورتوں کے رونے اور نوحہ وماتم کی آوازوں سے سارا شہر لرز اٹھا رسول زادیوں کو برہنہ سر دیکھ کر ہر خاتون اشکبار تھی عورتوں کو دیکھ کر کوفے کے مرد بھی زار وقطار رونے لگے لیکن حکومت کی طرف سے اس قدر دباؤ تھا کہ کوئی شخص صدائے احتجاج بلند کرنے کی جرات نہ کر سکا۔

جناب زینبؑ کی نظر جب امام حسینؑ کے سر پر پڑی جو نوک نیزہ پر تھا تو فرط غم سے محمل پر گر پڑیں۔ آپ کی حالت غیر تھی۔ آہیں بھرتے ہوئے مظلوم کربلا کے سر کی طرف نظر ڈال کر جناب زینبؑ نے فرمایا۔

> اے میرے پیارے بھائی میں نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ تقدیر ہمیں کہاں سے کہاں لے آئے گی۔ اے بھائی ذرا فاطمہؑ صغریٰ سے بھی گفتگو کر لو۔ کہ اس کا دل گر چکا ہے شاید اسے تسکین قلب مل جائے۔ اے میرے آنکھوں کی ٹھنڈک بھائی۔ تیرا دل ہمارے لئے کس قدر مہربان تھا مگر اب کیوں ہم سے تمہارا جی بھر گیا اور تو پتھر دل بن گیا۔ اے بھائی اگر تو علیؑ کو دیکھے تو اسارت اور یتیمی کے غم نے اس کو قوتیں مضمحل کر دی ہیں۔ ان ظالموں نے جب بھی اس پر تازیانے برسائے اس نے دھاڑیں مار مار کر تجھے پکارا۔ اے بھائی ذرا بیمار کربلا کو بھی سینے سے لگا لو کہ اس کے غمگین دل کو تسکین وقرار مل جائے یتیم پر کیا گزری ہوگی جب وہ بابا کہہ کر آپ کو پکارتا ہوگا لیکن کوئی اسے جواب

> دینے والا نہ تھا۔

علیؑ کی بیٹی کے اس نوحے سے حسرت وافسوس کی چنگاریاں اڑنے لگیں اور تماشائیوں کی آنکھیں خون کے آنسو رونے لگیں۔

تب شمر و عمر سعد نے تماشائیوں کے مجمع کو متاثر ہوتے دیکھا تو جس طرح اور ظلم اہل بیت پر اپنا رعب بٹھانے کے لئے یہ دشمن کرتے تھے یا صرف ابن زیاد کی خوشی کے لئے محملوں سے اہل بیت کو اتار کا برہنہ اونٹوں پر بٹھا دیا کرتے اور بدسلوکی کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ اہل بیت کو زیادہ سے زیادہ تکلیف پہنچائیں اور ذلت اور رسوائی ہو۔ ابن زیاد کا لشکر اہل بیت کو محاصرے میں لئے ہوئے کوفہ میں داخل ہوا کوفہ کی عورتوں نے ان کا یہ حال دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ بشیر ابن جذلم کہتا ہے کہ جناب زینبؑ اس وقت اپنے اعلیٰ مرتبہ باپ کی طرح تقریر کر رہی تھیں جب کہ ہر طرف لوگوں کا ہجوم تھا ہر طرف آوازیں بلند تھیں اس وقت جناب زینبؑ نے اشارے سے لوگوں کو خاموش ہونے کا حکم دیا۔ لوگ فوراً خاموش ہو گئے اور پورے ہجوم پر خاموشی چھا گئی۔

جناب زینبؑ نے بعد حمد خدا فرمایا!

> اے اہل کوفہ! اے مکارو! تم ہم پر روتے اور آنسو بہاتے ہو تمہاری آنکھوں کا آنسو کبھی نہیں تھمے گا اور تمہارا چیخ چیخ کر رونا کبھی نہیں رکے گا۔ تمہاری مثال اس عورت کی ہے جو اپنے دھاگے کو مضبوط بنتی ہے پھر اس

کے بل کھول دیتی ہے۔ تم نے بھی ایمان کے دھاگے کو بٹ کر گرہ لگائی پھر تم نے اس دھاگے کو توڑ ڈالا اور اپنے کفر پر پلٹ گئے۔ تم لوگوں میں بس یہی صفت و خصلت ہے کہ شیخی مارتے ہو اور اپنی ذات کو سب کچھ سمجھتے ہو۔ دشمنی، جھوٹ کنیزوں کی طرح چاپلوسی دشمنوں کے مانند غمازی کرنا تمہاری عادت ہے۔ تم اس سبزے کی اور گھاس کی مانند ہو جو کوڑے کے ٹکڑے پر اگا ہو اور چونے کا مثل ہو جس سے قبر پر گھگل کی گئی ہو۔ تم نے آخرت کے لئے کیا برا توشہ ذخیرہ کیا ہے تم پر خدا کا غیظ تم نے ہمیشہ کے لئے دوزخ کو اپنا ٹھکانا بنالیا ہے۔ پہلے تو تم نے ہم کو مار ڈالا اب ہم پر روتے ہو تم اسی کے لائق ہو کہ رد یا ہی کرو بہت روؤ اور کم ہنسو کیوں کے تم نے ذلت و رسوائی اور عیوب سے اپنے محسن خانہ کو لیپا ہے اور اس کی گندگی کسی پانی سے دھوئی نہیں جا سکتی اور کیونکر دھوئی جاسکے اور کس طرح اس گناہ کی تلافی کرو گے۔ تم نے خاتم الانبیاء کے کلیجے کے ٹکڑے کو قتل کر ڈالا تم نے سردار جوانان جنت کو مار ڈالا تم نے نیک چلن لوگوں کو ذبح کر ڈالا۔ تم نے مصیبتوں میں جس کے دامن میں چھپتے تھے اس کو قتل کر ڈالا جو تمہاری کشادہ راہوں کی علامت و نشان تھا اس کو شہید کر ڈالا جو تمہارا

نگہبان تھا اور تمہاری نصیحتوں کا بیان کرنے والا تھا۔ جس کے پاس تم ہر حادثے میں پناہ لیتے تھے جس سے تم دین اور شریعت کی باتیں سیکھتے تھے اس کو ہی مار ڈالا خبردار رہو تم نے بہت بڑا گناہ روز حشر کے لئے اپنے واسطے مہیا کیا۔ تم ہمیشہ ہلاکت میں پڑے رہو گے تم منہ کے بل عذاب میں گرو گے تم ہمیشہ اپنی سعی اور کوشش سے ناامید ہو جاؤ گے۔ تمہارے ہاتھ کٹ کر گر پڑیں۔ تمہارے وعدے عہد و پیمان تم کو گھاٹے اور نقصان کے سوا کچھ نہ دیں گے۔ بے شک تم نے خداوند عالم کو غضب کی جانب بازگشت کی۔ محتاجی و ذلت نے تم کو گھیر لیا۔ تم پر افسوس ہے تم جانتے ہو کہ تم نے رسول خدا کے کس جگر کے ٹکڑے کو چاک کیا اور پیغمبر ﷺ کے نواسہ کا خون کس طرح بہایا ہے اور کن پردہ داران عصمت کو بے پردہ کیا ہے۔ کتنا تم نے سخت مشکل اور عجیب یہ کام کیا۔ نزدیک ہے کہ آسمان پھٹ جائے زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں۔ پہاڑ پرزے پرزے ہو جائیں۔ تم نے ایسا بدترین اور لغو کام کیا ہے کہ جس کی تاریکی نے آسمان و زمین کو گھیر لیا تم تعجب کرتے ہو کہ تمہارے اس اقدام ظلم پر خداوند آسمان سے خون برسا دے۔ یہ تو دنیا میں خون ناحق کا اثر دیکھا۔ آخرت میں اس سے بھی زیادہ اس جرم کے

پاداش میں اثر دیکھو گے اور ذلیل تر ہو گے۔ اس مہلت پر
مغرور اور خوش نہ ہو خدا بدلہ لینے میں جلدی نہیں کرتا
خدا کو یہ ڈر نہیں ہے کہ انتقام کا وقت گزر جائے گا۔ بے
شک وہ گناہگاروں کی تاک میں رہتا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ جناب زینبؑ یہ خطبہ دے کر خاموش ہوئیں تو کوفہ والے حیرت میں غرق تھے۔ روتے جاتے تھے اور دانتوں سے اپنے ہاتھوں کی بوٹیاں کاٹتے جاتے تھے اور میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھے آدمی کے چہرے اور اس کی ڈاڑھی کے بالوں سے اس کی آنکھوں کے آنسو بہہ رہے ہیں۔

جناب زینبؑ نے اپنا خطبہ بیمار کربلا سید سجادؑ امام وقت کے کہنے سے ختم کیا۔ جناب سید سجادؑ نے فرمایا۔ پھوپھی اب خاموش ہو جائیں آپ تو جانتی ہیں کے بعد مصیبت فریاد کرنا مفید نہیں اور آہ و زاری دنیا سے جانے والوں کو واپس نہیں لا سکتی۔

جناب زینبؑ نے خطبہ امامؑ کے کہنے سے بند کیا مگر خطبوں کا سلسلہ پھر بھی جاری رہا۔ جناب زینبؑ کے بعد شہید کربلا جناب امام حسینؑ کی صاحبزادی جناب سکینہؑ نے خطبے کا آغاز کیا۔

آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا!

حمد ہے اس ذات حق کے لئے جو کائنات کا حقیقی خالق ہے۔
اے کوفے والو! اے اپنے اوپر فخر کرنے والو تمہارے منہ
میں خاک تم لوگ ان لوگوں کو قتل کر کے فخر کرتے ہو۔

حسینؑ کی تعریف خداوند عالم نے کی ہے اور جن کو ہر شک
اور گناہ سے پاک و پاکیزہ کیا ہے تم بھی اپنے باپ دادا کی طرح
کافر ہو۔ تم اپنے کردار پر نظر کرو۔ اپنے انجام پر روؤ۔ تم
نے ہماری عظمت و جلالت پر حسد کیا۔ ہماری فضل و شرف
کو دیکھ کر تم کو تاب نہ رہی مگر یہ سمجھ لو کہ یہ سب خدا کا
فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے جس کو خدا نے اپنا
نور عطا کیا وہ دنیا و آخرت میں بے نور نہیں ہے۔

امام حسینؑ کی بیٹی جناب سکینہؑ کے اس خطبہ سے کہ جس کی ہر سطر ہر لفظ بلکہ ہر حرف غم و الم کی ایسی چنگاری تھا کہ سننے والوں کے دل و جگر بلکہ سننے والوں کی روح تک جل اٹھی تھی۔ ہر شخص چیخ چیخ کر رونے لگا اور ہر در و دیوار ہر ذرہ کوچہ و بازار سے نوحہ و ماتم کی آواز بلند ہوئی اور سب کے سب کہنے لگے۔ اے معصوم اور پاکیزہ لوگوں کی بیٹی اب کچھ نہ کہیئے۔ ہمارے دل جل رہے ہیں ہمارے سینوں میں افسوس و حسرت کی آگ بھڑک رہی ہے۔

اس کے بعد جناب ام کلثومؑ حضرت علیؑ کی چھوٹی بیٹی جناب زینبؑ کی چھوٹی بہن نے فرمایا:

اے اہل کوفہ! تم تباہ و برباد ہو تمہارے منہ کالے ہوں۔ ارے تم نے کیوں میرے بھائی امام حسینؑ کو بلایا اور کیوں مدد نہ کی! پھر ان کو قتل بھی کیا اور ان کا مال و اسباب بھی لوٹ لیا اور ان کی اہل بیت عصمت و طہارت کو اسیر کیا۔ تم نے رسولؐ کے نواسہ کا خون بہایا۔ رسول خداؐ کے بعد جو تم میں سب سے بہتر

تھے اس کو تم نے قتل کر ڈالا۔ تمہارے دلوں میں رحم نہ رہا یہ تم نے کیسے ظلم و ستم کئے یہ تم نے کتنے بڑے گناہ کو اپنی پیٹھ پر لادلیا۔ خدا کے دوست ہمیشہ تم پر غالب رہیں گے۔

امام سید سجادؑ نے اشارے سے سب کو چپ کرایا اور لوگ جب چپ ہو گئے جو رو رہے تھے جو خوشی کے باجے بجا رہے تھے وہ بھی خاموش ہو گئے۔

جب کوفے کے بازاروں میں سناٹا چھا گیا تو امام وقت سید سجادؑ نے خطبہ پڑھنے سے پہلے خدائے یگانہ کی حمد و ثنا کی اور محمد و آل محمد پر درود بھیجا پھر آپ نے فرمایا۔ اے کوفے والو!

جو شخص مجھ کو پہچانتا ہے وہ تو مجھ کو پہچانتا ہی ہے جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے۔ میں علیؑ ہوں امام حسینؑ کا فرزند اور علی ابن ابو طالب کا پوتا ہوں میں اس کا فرزند ہوں کہ جس کو نہر فرات کے کنارے قتل کیا گیا۔ حالانکہ اس نے کسی کا خون نہیں بہایا تھا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کی ہتک کی گئی جس کا مال و اسباب لوٹا گیا جس کے اہل و عیال کو اسیر کیا گیا میں اس کا فرزند ہوں کہ جو صبر کے ساتھ قتل ہو گیا اور یہی میرے فخر کے لئے کافی ہے۔

اے لوگو! میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم میرے پدر و بزرگوار کو خطوط لکھ کر بھول گئے۔ جب تمہارے بلانے پر وہ تشریف لائے تو ان کو دھوکا دے کر تم لوگوں نے انہیں

قتل کر دیا کہ تم نے اپنے عہد و پیماں سب فراموش کر ڈالے اور ان سے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا کر ان کو مار ڈالا اور ذلیل کیا۔ تم نے جو سامان آخرت میں اپنے لئے بھیجا ہے اس کے سبب تم اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑے ہو۔ تم کیا جواب دو گے جب رسول خدا کہیں گے کہ تم نے میری عترت کو مار ڈالا اور تم نے میری حرمت نہ کی۔ تم میری امت میں نہیں ہو سکتے۔ خدا رحمت نازل کرے اس شخص پر جو میری نصیحت قبول کرے اور میری وصیت کو راہ خدا اور راہ رسولؐ خدا اور اہل بیت رسول خدا کے بارے میں یاد رکھے کیونکہ ہم ہی رسول خدا کے نیک پیروکار ہیں۔

بیمار کربلا اور جناب زینبؑ نے اپنے صداقت شعار خطاب اور حقیقت آمیز بیان سے کوفہ والوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑا اور انہیں تزکیہ و تطہیر نفس کی تاکید کرتے ہوئے شیطان کے غلبے سے نجات پانے کی ضرورت کا احساس دلایا۔

جناب زینبؑ اہل کوفہ کی ظاہری اشک ریزی کے دھوکے میں نہ آئیں اور ان کے جھوٹے اظہار جذبات و احساسات سے متاثر نہ ہوئیں بلکہ رسولؐ زادی نے ان کے جرائم کی سنگینی سے پردہ اٹھاتے ہوئے ان کے مکر و فریب کو آشکار کر دیا اور انہیں بتایا کہ جھوٹ اور مکر و فریب ہی انسانی عظمتوں کی پامالی اور ابن آدم کی بدبختی کا موجب بنتے ہیں۔

اس مقام پر یہ بات کسی مبالغے پر مبنی نہیں کہ جناب زینبؑ کے خطبے اور حضرت فاطمہؑ اور جناب ام کلثوم اور امام زین العابدینؑ کے انقلاب آفرین خطبوں کی وجہ سے لوگوں میں یزید کی طاغوتی حکومتوں کے خلاف بغاوت کی راہ ہموار ہوئی اور انہیں خطبوں ہی کا اثر تھا کہ لوگ بنی امیہ کے ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انقلابی سرگرمیوں کا سبب بھی یہی خطبات بنے۔

ادھر اہل بیت امام حسینؑ سر برہنہ، بے محمل و عماری اونٹوں پر سوار ہیں سید سجادؑ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ساتھ ہیں۔ نیزوں پر شہیدوں کے سر ہمراہ ہیں اور کوفہ کے بازاروں سے تماشائیوں کے مجمع سے ان بے کسوں کو لے جایا جارہا ہے۔ ادھر ابن زیاد کو خبر ملی کہ کربلا سے اسیروں کا قافلہ آپہنچا ہے اس نے اپنے دربار میں حاضر ہونے کا ہر خاص و عام کو حکم دیا۔ سب کے سب اب اس کے دربار میں آکر جمع ہو گئے۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو اس نے کہا امام حسینؑ کا سر مقدس لایا جائے۔ امام مظلوم کا سر آگیا۔ اس شقی کے پاس رکھا گیا۔ جب اس نے رسولؐ کے نواسے کا سر دیکھا تو وہ نام نہاد مسلمان خوش ہوا اور مسکرایا۔

جب مظلوم و ستم دیدہ قیدیوں کو ابن زیاد کے دربار میں لایا گیا تو جناب زینبؑ نے نامحرموں کا ہجوم دیکھ کر اپنی آستین سے اپنا منہ چھپالیا اور ایسی حالت اپنی بنائے ہوئے تھیں کہ کوئی پہچان نہ سکے اور بہت ہی کم قیمت لباس پہنے ہوئے تھیں۔ آپ اپنے کو سب سے چھپائے ہوئے دربار ابن زیاد کے ایک

کونے میں جا بیٹھیں کنیزوں نے چاروں طرف آکر گھیر لیا ابن زیاد کی نگاہ حضرت جناب زینبؑ پر پڑی تو اس شقی قلب نے پوچھا کہ یہ خاتون کون ہے جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ اور آگے بڑھا اور جناب زینبؑ سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگا آپ کون ہیں کنیزوں نے چاروں طرف سے آکر گھیر لیا جب ابن زیاد نے تیسری مرتبہ پوچھا تو ان کنیزوں میں سے جو جناب زینبؑ کو اپنے گھیرے میں لئے تھیں جناب فضہؓ نے کہا یہ بی بی سیدہ زینبؑ کبریٰ بنت علی ابن ابو طالبؑ ہیں فاطمہؑ زہرا کی بیٹی رسولؐ خدا کی نواسی ہیں۔

کتنی سمجھدار تھی وہ کنیز کہ اس نے اپنی مالکہ جناب زینبؑ کی محبت میں ابن زیاد کو یوں تعارف کرایا کہ یہ فاطمہؑ کی بیٹی ہیں اور رسولؐ کی نواسی ہیں عام مسلمان جو دربار میں موجود تھے یہ سن کر کہ یہ رسولؐ کی نواسی ہے ہمدردی پیدا ہونا قدرتی عمل تھا۔ ابن زیاد نے جب یہ سنا تو اس نے اپنے جواب میں بڑی چالاکی سے گویا ہوا اور لوگوں کے خیالات بدلنے کی روک تھام کرنے کی کوشش کی۔ اس خدا کی حمد ہے جس نے تم کو ذلیل کیا اور قتل کیا اور تمہارے جھوٹ کو ظاہر کیا تم لوگوں کو رسوا کیا اور تمہیں نابود کر ڈالا ہے اور تمہاری من گھڑت باتوں کی قلعی کھول دی۔

جناب زینبؑ نے اس شقی کے کفر آمیز کلمات سنے تو رسولؐ زادی سے رہا نہ گیا اور اس کے جواب میں فرمایا کہ

میں خدا کی حمد کرتی ہوں کہ جس نے ہم کو اپنے
پیغمبرؐ کی ذات سے عزت بخشی اور پاک و پاکیزہ رکھا۔ ہم آل

رسولؐ ہمیشہ سے نیک کردار ہیں تم لوگوں کی طرح بد کردار
نہیں ہیں ہمارا فاسق و فاجر دشمن ہی رسوا ہوا ہے اور اس کی
اسلام دشمنی اور جھوٹ آشکار ہو گیا اور ہم اس خدا کا شکر بجا
لاتے ہیں۔

جناب زینبؑ نے سرور کائنات کی رسالت کو ابن زیاد کے
سامنے ہی نہیں بلکہ اس کے بھرے دربار کے روبرو پیش
کرتے ہوئے بتایا کہ حق کی لئے جان دینے والے ذلیل نہیں
ہوتے نہ ہی خدا قتل کرتا ہے وہ بڑے نیک لوگ ہوتے ہیں
حسینؑ نیک لوگوں میں سے تھے اور تو اور یہ تیرے ساتھی
سب ظالم گنہگار ہیں۔

آج تو جتنا بھی چاہے ظلم کرے تیرے ان ظالمانہ حملوں میں
خدا تیری مخالفت فرمائے گا اور خدا ہی تم دشمنان اہلبیت سے
انتقام لے گا۔

کربلا کی اس شیر دل خاتون نے ان حقائق کا اس ماحول میں اظہار کیا
جبکہ ایک قیدی بن کر ظالم حکمران کے سامنے کھڑی تھیں اور دشمنان خدا
اور اولاد رسولؐ کو قتل کر کے اہل بیت کو قیدی بنا لینے کی خوشی میں فتح و نصرت
اور کامرانی و شادمانی کے نقارے بجانے میں مصروف تھے ہر طرف سے ظلم و جبر
کی تیز دھار تلواریں چمکتی ہوئی نظر آرہی تھیں اس خوفناک فضا میں علیؑ کی
بیٹی نے ابن زیاد کی اسلام دشمنی سے پردہ اٹھایا اور اس کے ناپاک طبیعت شخص

کو اس کے ایوان اقتدار ہی میں رسوا کر دیا۔

جناب زینبؑ کے جواب نے ابن زیاد پر وہ کام کیا کہ اگر اس کو سو مرتبہ
بھی زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے ٹکڑے کیا جائے تو شاید اس کے دل کو اتنی
تکلیف نہ ہوتی ابن زیاد کو بھرے دربار میں اپنی رسوائی پر غصہ آگیا اور اذیت یا
قتل جناب زینبؑ کا ارادہ کیا۔ اس وقت عمر بن حر موجود تھا جب اس نے ابن
زیاد کے ارادہ کا احساس کیا تو وہ آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ اے امیر یہ عورت ہے اور
عورتوں کے کہنے پر ان پر ظلم یا قتل نہیں کرتے ہیں۔ ابن زیاد نے عمر بن حر
کے کہنے پر قتل کے ارادہ سے تو باز رہا مگر آئے ہوئے غصہ اور اپنے اقتدار میں
رسوا ہونے کا اس قدر رنج تھا کہ غصہ میں پاگل ہو گیا اور کہنے لگا کہ تمہارے
بھائی (معاذ اللہ) باغی بھائی اور تمہارے اہل بیت میں سے کمتر شخص کو خدا نے
قتل کر دیا اور میرے دل کو شفا دی۔

جناب زینبؑ نے کہا تو نے ہمارے امام کو قتل کر کے شفا پائی حالانکہ اس
کا یقین ہے کہ آخرت میں اس انتقام کا بدلہ لیا جائے گا۔

ابن زیاد نے غصہ میں اپنے ایوان اقتدار میں اسارت و مظلومیت کی
زنجیروں میں جکڑے ہوئے اہل بیت کے امیروں پر نظر ڈالی تو اس کی نگاہ بیمار
کربلا جناب امام سید سجادؑ پر پڑی جو بیماری کے غلبے سے بے حال ہو رہے تھے۔

اس ظالم نے امام کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟

جناب بیمار کربلا نے فرمایا میرا ایک اور بھائی تھا جس کا نام علیؑ تھا جسے تم
ظالموں نے کربلا میں شہید کر دیا ہے اور اس جوان کے خون ناحق کے متعلق

قیامت کے دن تم سے پوچھا جائے گا۔ ابن زیاد نے بلند آواز میں غصہ میں کہا خدا نے اسے قتل کیا ہے۔ بیمار کربلا نے فرمایا تو نے غلط کہا ہے وہ تم ستمگروں کے ہاتھوں شہید ہوا ہے البتہ جب موت کے سائے کسی پر چھا جاتے ہیں تو اس کی روح خدا کے حکم سے قبض ہوتی ہے اور قبض روح کا اختیار خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

بیمار کربلا امام سید سجادؑ کا جواب سن کر ابن زیاد نے کہا تیری کیا مجال ہے کہ میرے سامنے بات کرے تجھے میرے سامنے گستاخی کی جرات کیسے ہوئی۔ تجھے میرے سامنے اونچا بولنے کی سزا ضرور ملے گی۔

اس کے بعد اس ظالم نے ایک جلاد کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ اس نوجوان کو لے جاؤ اور اس کی گردن اڑا دو۔

جناب زینبؑ ابن زیاد کی بربریت کا مشاہدہ کر رہی تھیں اس ظالم کی بات سن کر علیؑ کی بیٹی جناب زینبؑ اپنے اوپر قابو نہ پا سکیں۔ ظالم حکمران کی پرواہ کئے بغیر امام سے لپٹ گئی ابن زیاد سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں۔

کیا آل رسولؐ کے ناحق خون میں اپنے ہاتھ رنگین کرنے سے تیرے دل کی تسکین نہیں ہوئی اور اب یہ ایک بیمار کربلا ہی ہمارے خاندان کی نشانی بچ گیا ہے اس کی طرف بری آنکھ مت اٹھانا ورنہ تجھے میرے لاش سے گزر کر جانا ہوگا اور جب تک میری جان میں جان ہے تم بیمار کربلا جناب سید سجادؑ کو قتل نہیں کر سکتے۔

ابن زیاد نے رسولؐ زادی کی بے مثال شجاعت و شہامت کے سامنے

ہتھیار ڈال دیئے اور جلاد کو حکم دیا کہ اسے کچھ نہ کہو ورنہ جناب زینبؑ کے خون میں ہاتھ رنگین کرنے پڑیں گے جو ہمارے لئے دشوار ہوگا اور ہم اس کے سنگین نتائج برداشت نہیں کر سکیں گے۔

یہ جناب زینبؑ ہی کے عظیم کردار کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا میں اولاد رسول کا نام باقی اور اسلام زندہ ہے۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ رسولؐ زادیوں کو تنگ و تاریک قید خانوں میں بند کر دیا جائے۔ کربلا کے اسیروں کو قید خانوں کی طرف لایا گیا تو شہر کی گلیاں اور کوچے۔ مردوں اور عورتوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر رسولؐ زادیاں رونے لگیں اور اپنی مظلومیت کا ماتم کرتے ہوئے قید خانے میں داخل ہوئیں۔ جناب زینبؑ سے شہر کی عورتوں نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو جناب زینبؑ نے فرمایا۔

ہم اس وقت قیدی ہیں اور ہماری آزادی سلب کر لی گئی ہے لہذا غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی کنیزوں اور بے بس لونڈیوں کے سوا کوئی عورت ہماری ملاقات کے لئے نہ آئے۔

ابن زیاد کے خط کے جواب میں یزید نے حکم بھیجا کہ سرہائے شہداء اور اسیر اہل حرم کو دمشق بھیج دیا جائے۔ چنانچہ قافلہ ملک شام کی طرف روانہ ہو اسیروں کو ایذا دینے کے لئے دشمن اہلبیت اونٹوں کو تیز دوڑاتے تھے جس کی وجہ سے ماؤں کی گودوں سے معصوم بچے گر گر کر شہید ہونے لگے۔ اسی دوران ایک جگہ امام حسینؑ کا سر جس نیزے پر تھا وہ خولی کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین میں

گر گیا اس وقت شمر نے امام سید سجادؑ کو تازیانہ مار کے کہا کہ تمہارے باپ کا سر آگے کیوں نہیں بڑھتا۔ سید سجادؑ نے اپنے بابا کے سر کے پاس جا کر کہا بابا جان کیا وجہ ہے کہ آپ آگے نہیں بڑھتے۔ امام حسینؑ نے روتے ہوئے فرمایا بیٹا میری پیاری بیٹی سکینہ راہ میں گر گئی ہے یہ سننا تھا کہ جناب زینبؑ جناب سکینہؑ کو ڈھونڈنے کے لئے چل پڑیں روتی جاتی تھیں اور جناب سکینہؑ کو آوازیں دے رہی تھیں۔ اسی طرح آگے بڑھیں کہ ایک جگہ درخت کے نیچے ایک نقاب پوش معظمہ بیٹھی تھیں ان کی گود میں جناب سکینہؑ سکون سے سو رہی تھیں۔ جناب زینبؑ ان معظمہ کے پاس گئیں اور فرمایا کہ اے بی بی تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے اس یتیم بچی پر رحم کیا۔ خدا بزرگ و برتر آپ کو اس کا اجر دے گا یہ سننا تھا کہ معظمہ نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا کر کہا کہ اے زینبؑ تم نے اپنی ماں کو نہیں پہچانا میں کربلا سے تمہارے ساتھ ساتھ ہوں یہ دیکھنا تھا کہ جناب زینبؑ ماں سے لپٹ کر رونے لگیں۔ چنانچہ جب قافلہ منزلیں طے کرتا ہوا دمشق پہنچا تو شمر کے مشورے سے امیروں کی زیادہ بے حرمتی ہو سرہائے شہداء کو اہلبیت کی سواریوں کے نزدیک کر دیا تاکہ تماشائیوں کا ہجوم اسیروں کے گرد رہے۔ شمر طویل نیزے پر سر مبارک امام حسینؑ شہید کربلا کا بلند کئے ہوئے تھا اور کہتا جاتا تھا کہ میں اصلی دین کا پیرو ہوں۔ میں نے فرزند رسول کو قتل کیا اور امیر المومنین یزید کے لئے اسی کا سر لایا ہوں۔ سر مبارک امام مظلوم تلاوت قرآن مجید کر رہا تھا۔ اس وقت جناب زینبؑ مظلومہ کربلا نے شمر ملعون سے ارشاد فرمایا کہ تو کلمہ گو ہونے کا دعوی کر رہا ہے۔ جس پیغمبر کا تو کلمہ پڑھتا

ہے۔ ہم اسی پیغمبرؐ کی ذریت ہیں۔ اسی رسولؐ کے صدقے ہمیں اچھے راستے سے لے چل جس طرف لوگوں کی بھیڑ کم ہو۔ شمر ملعون ایسی باتیں کب سننے والا تھا اور دروازہ ساعات سے جہاں تماشائیوں کا سب سے زیادہ ہجوم تھا قافلہ کو لے چلا۔

چونکہ اہل بیت کا لٹا ہوا قافلہ صبح کے وقت شہر میں داخل ہوا تھا اس لئے وہ ملعون دن بھر دمشق کے بازاروں اور گلی کوچوں میں تشہیر کرتے رہے اور جب بوقت شام یہ قافلہ دار الامارہ کے قریب پہنچا تو ایک تنگ و تاریک قید خانے میں قیدیوں کو بند کر دیا گیا۔

یزید کی شقی القلبی اور خباثت باطنی ابن زیاد سے کہیں زیادہ تھی دربار کو خوب سجایا گیا تھا تاکہ رسولؐ زادیاں شاہی دبدبے سے مرعوب ہوں۔ مگر جناب زینبؑ خدا داد قوت کا مظاہرہ کرنے کے لئے پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ نظر آ رہی تھیں۔

یزید نے اپنے جاہ و حشمت کے اظہار کے لئے اپنے محل میں ہر طرح کا اہتمام کر رکھا تھا۔ محل کے چاروں طرف بڑے بڑے اور اونچے اونچے اور شاندار دروازے تھے ہر دروازے کے دو طرف کواڑ تھے ہر کواڑ کے ساتھ غلام ہاتھ میں مرصع عصاء لئے ہوئے تھے اس طرح محل کے ہر کمرے کے باہر مختلف رنگوں کے لباس فاخرہ میں ملبوس چوبدار کھڑے ہوئے تھے۔ اس کا دیوان عام جو محل کے عین درمیان میں واقع تھا اس کی راہداری میں دونوں طرف برابر فاصلے پر لونڈیاں اور غلام دست بستہ مودب کھڑے ہوئے تھے اس

تمام ماحول سے عجیب جلال اور ہیبت ٹپکتی تھی۔ اس کا دربار ایک بہت بڑا ہال تھا۔ اس ہال میں ایک اونچی جگہ پر رنگین نگینوں سے مزین کرسیاں تھیں ان پر غیر ملکی سفیر بیٹھتے تھے ان کرسیوں سے اونچا اس کے لئے ایک بڑا تخت تھا جس کی پشت اور بازوں پر ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ یزید زرق برق پوشاک پہنے نہایت غرور و تکبر سے اکڑ کر تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور کرسیوں پر سرداران قبائل عرب اور رئیس شہر بیٹھے تھے۔ شراب و کباب، موسیقی کا دور چل رہا تھا۔ ہر ایک کی تواضع کی جارہی تھی۔ گانے والے دھیمے سر چھیڑ رہے تھے۔ ان سب کا دل بہلا رہے تھے۔ گویا یزید کی شاندار فتح کا جشن منایا جارہا تھا۔

یزید کی تیرگی و کثافت کے مقابلے میں نور ایمانی اور لطافت روحانی کی ضرورت تھی۔ اللہ نے جناب زینبؑ کو اتنی طاقت عطا کی تھی کہ پر شکوہ ماحول میں اور اس شہر دمشق میں جہاں چالیس سال تک علی کا نام گالی بنا رہا تھا اور معاویہ نے اپنی محنت سے بنی امیہ کو شامیوں کی نگاہ میں صاحب شرف اور اہل بیت اطہار کو ہیچ اور پست مشہور کئے رکھا تھا۔ یزید اور معاویہ کے مکار چہروں سے اسلام کی مقدس کتاب ہٹا کر باپ بیٹے کی ذلیل حرکات کو طشت ازبام کر کے رکھ دیا۔ یزید باوجود بادشاہ وقت ہونے کے دم نہ مار سکا۔

دوسرے روز یزید نے اسیران اہلبیت و سرہائے شہداء کو دربار میں طلب کیا جب سب قیدی دربار میں آگئے تو فوج کے جرنیل آگے بڑھے اور اپنی کارگزاریاں بیان کرنے لگے۔ یزید پوچھے جارہا تھا اور جرنیل جواب دے رہے تھے حتی کہ امام حسینؑ کی شہادت تک تمام واقعات تفصیل سے سنائے گئے اسی

درمیان میں جب یزید جرنیل سے معلومات حاصل کر رہا تھا امام حسینؑ کا سر مقدس ایک طشت میں رکھ کر یزید ملعون کے آگے رکھ دیا گیا۔

جناب زینبؑ نے جیسے ہی یہ دلخراش منظر دیکھا بے ساختہ نوحے پڑھنے لگیں۔

پیارے بھائی اے میرے دل کی ٹھنڈک۔ اے مکہ و منیٰ کے بیٹے رسول خداﷺ کے لخت جگر۔ جناب زینبؑ کے دل سوز بین سن کر سب اہل محفل حالات کی سنجیدگی و سنگینی کا احساس کرنے لگے۔ محفل درہم برہم ہوگئی۔ قہقہوں کی گونج خوش گپیوں کا غلغلہ اور تالیوں کی جھنکار کی جگہ موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ بنی امیہ کی قلعے میں دراڑیں پڑ گئیں۔

جناب زینبؑ نے فرمایا! اے یزید کیا دل میں خدا کا خوف نہیں ہے کہ تو نے نواسہ رسولؐ امام حسینؑ کو قتل کیا ہے لیکن اس سے تیرے دل کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی اور تو رسولؐ زادیوں کو قید کر کے عراق سے شام لایا لیکن اس پر بھی اکتفانہ کیا اور رسول زادیوں کی ہتک و حرمت کرنے کے لئے نامحرموں کے مجمع میں اس طرح لایا ہے جیسے لونڈیوں کو اونٹوں پر سوار کر کے شہر بہ شہر پھرایا جاتا ہے۔

جناب زینبؑ کا جرات مندانہ اظہار مظلومیت یزید کو ناگوار گزرا اور اس ظالم نے جناب زینبؑ سے مخاطب ہو کر کہا تیرے بھائی نے میرے حق میں

گستاخی کی اور میری توہین کی ہے اور اپنے آپ کو مجھ سے بہتر قرار دیتے ہوئے کہا
کہ میں یزید سے افضل ہوں اور میرا باپ یزید کے باپ سے افضل ہے لیکن
تمہارے حسینؑ کے ماں باپ میرے ماں باپ سے افضل ہوں یہ بات درست
نہیں کیونکہ حکمین کے مسئلے میں میرا باپ تمہارے حسینؑ کے باپ پر غالب آگیا
تھا اور یہ خدا کی دین تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

قل اللہ مالک الملک

یزید کی گستاخانہ گفتگو سن کر سیدہ زینبؑ نے جواب میں قرآن مجید کی یہ
آیت تلاوت فرمائی۔

واللہ تحسین الدین۔۔۔۔۔۔۔

ترجمہ : گمان نہ کرو کہ جو اللہ کی راہ میں مارے گئے وہ مردہ ہیں اور اپنے
پروردگار کے پاس روزی پا رہے ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل و عنایت
سے مرحمت فرمایا ہے وہ اس پر راضی و خوش ہیں۔ اس کے بعد جناب زینبؑ
نے فرمایا۔

اے یزید تو نے امام وقت حسینؑ ابن علیؑ کو شہید کیا ہے اور اگر تو نہ ہوتا
تو مرجانہ کے بیٹے کی کیا جرات تھی کہ فرزند رسولؐ کے قتل کے سنگین جرم کا
ارتکاب کر سکے تو خدا کے عذاب سے نہیں ڈرتا اور اپنے گھناؤنے اور مکروہ ترین
عمل پر فخر و مباہات کر کے اپنی افضلیت کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ میرے ماں باپ
عصمتوں اور فضیلتوں کا مرکز ہیں جن کے ساتھ کسی قیاس کا کرنا ہی غلط ہے اور
میرے بھائیوں کے متعلق رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔

حسنؑ اور حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں اگر تو اس حقیقت سے انکار
کرے اور رسولؐ خدا کی حدیث کی تکذیب کرے تو جھوٹ کا مرتکب ہوگا اور اگر
اسے سچ اور حق تسلیم کر لے تو پھر تجھے معلوم ہونا چاہئے کو تو نے اپنے شیطانی
اعمال سے اپنی آخرت تباہ کر لی ہے۔

جناب زینبؑ کا جواب سن کر یزید بوکھلا گیا اور غصہ میں نواسہ رسولؐ
امام حسینؑ کے سر اقدس کے دندان مبارک کے ساتھ گستاخی کرتے ہوئے ان
پر چھڑی مار مار کر کہہ رہا تھا کاش آج میرے بزرگ زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ میں
نے کس طرح ان کا انتقام لیا ہے۔ وہ میری بہادری پر مجھے داد تحسین دیتے میں
نے اسلام کا ڈھونگ رچانے والوں کو قتل کر دیا ہے اور جنگ بدر کے اپنے
شہیدوں کا بدلہ لے لیا ہے۔ بنی ہاشم نے لوگوں کو دھوکہ و فریب میں مبتلا کر
رکھا تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو کوئی وحی نازل ہوئی اور نہ ہی خدا کا کوئی پیغام
آیا۔ میں خندق کے دن موجود نہ تھا ورنہ اولاد محمدؐ کو ان کے کرتوتوں کا مزا چکھا
دیتا۔

جناب زینبؑ نے جب دیکھا کہ یزید ملعون امام حسینؑ کے دانتوں کے
ساتھ گستاخی کر رہا ہے تو جناب زینبؑ غصے میں آگئیں اور یزید کی طرف رخ
کر کے ایک فصیح و بلیغ خطاب فرمایا۔

جناب زینبؑ نے فرمایا!

سب تعریفیں اس خدا کے لئے جو کائنات کا پروردگار ہے اور اللہ کی
رحمتیں نازل ہوں پیغمبرؐ اکرام اور ان کی پاکیزہ عترت اور اہل بیت پر۔

لہٰذا :۔

اے یزید برا ہے انجام ان لوگوں کا جنہوں نے اپنے دامن حیات کو برائیوں کی سیاہی سے داغدار کر کے خدا کی آیات کی تکذیب کی اور آیات پروردگار کا مذاق اڑایا۔

اے یزید۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ تو نے ہم پر زمین کے کونے اور آسمان کے کنارے تنگ کر دیئے ہیں اور کیا آل رسولؐ کو رسیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر در بدر پھرانے سے خدا کی بارگاہ میں تو سرفراز ہوا اور ہم لوگ رسوا ہوئے کیا تیرے خیال میں ہم مظلوم ہو کر ذلیل ہو گئے اور تو ظالم بن کر سربلند ہوا ہے کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم پر ظلم کر کے خدا کی بارگاہ میں تجھے شان و مقام حاصل ہو گیا ہے آج تو اپنی ظاہری فتح کی خوشی میں سرمست اور ناک بھوں چڑھاتا ہوا مسرت و شادمانی سے سرشار ہو کر اپنے غالب ہونے پر اترا رہا ہے اور ہمارے مسلمہ حقوق کو غصب کر کے خوشی و سرور کا جشن منانے میں مصروف ہے اپنی غلط سوچ پر مغرور نہ ہو کیا تو نے خدا کا فرمان بھلا دیا ہے کہ حق کا انکار کرنے والے یہ خیال نہ کریں کہ ہم نے جو مہلت انہیں دی ہے وہ ان کے لئے بہتر ہے بلکہ ہم نے اس لئے ڈھیل دے رکھی ہے تاکہ جی بھر کے اپنے گناہوں میں اضافہ کر لیں اور ان کے لئے خوفناک عذاب متعین ہے۔ اے آزاد کردہ غلاموں کے بیٹے کیا یہ تیرا انصاف ہے کہ تو نے اپنی عورتوں اور لونڈیوں کو چادر اور چار دیواری کا تحفظ فراہم کر کے پردے میں رکھا ہے اور رسولؐ زادیوں کو سر برہنہ دربدر پھرا رہا ہے تو نے اہل بیت کی چادریں لوٹ لیں اور ان کی بے حرمتی کا مرتکب ہوا۔

تیرے حکم پر ظالموں نے رسولؐ زادیوں کو بے نقاب کر کے شہر بہ شہر پھرایا۔ تیرے حکم پر دشمنان خدا اہل بیت کی پاک دامن مستورات کو ننگے سر لوگوں کے ہجوم میں لے آئے اور لوگ رسولؐ زادیوں کے کھلے سر دیکھ کر ان کا مذاق اڑا رہے ہیں اور دور و نزدیک کے رہنے والے سب ان کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے ہیں اور ہر شریف دیکھنے کی نگاہیں ان بیبیوں کے ننگے سروں پر جمی ہیں۔ آج رسولؐ کی بیٹیوں سے ہمدردی کرنے والا کوئی نہیں آج ان قیدی بیبیوں کے ساتھ ان کے مرد موجود نہیں جو ان کی سرپرستی کریں۔ آج آل محمدؐ کا مددگار کوئی نہیں ہے سوائے اللہ کے۔

اس شخص سے بھلائی کی امید ہی کیا ہو سکتی ہے جو اس خاندان کا چشم و چراغ ہو جس کی بزرگ خاتون (یزید کی دادی ہندہ) نے جناب حمزہ کا جگر چبا کر تھوک دیا ہو اور اس شخص سے انصاف کی کیا امید ہو سکتی ہے وہ شخص کس طرح ہم اہل بیت پر مظالم ڈھانے میں کمی کر سکتا ہے۔ جو بغض و عداوت اور کینے سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ ہمیں دیکھتا ہو۔

اے یزید! کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو اتنے بڑے جرم کا ارتکاب کرنے اور اتنے بڑے گناہ کو انجام دینے کے باوجود فخر و مباہات کرتا ہوا یہ کہہ رہا ہے کہ میرے اسلاف اگر موجود ہوتے تو ان کے دل باغ باغ ہو جاتے اور مجھے دعائیں دیتے ہوئے کہتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں اہل بیت کو قتل کرتے ہوئے۔

اے یزید! کیا تجھے حیا نہیں آئے کہ تو جوانان جنت کے سردار امام

حسینؑ کے دندان مبارک پر چھڑی مار کر ان کی بے ادبی کر رہا ہے۔

اے یزید :۔ تو کیوں خوش ہے اور فخر و مباہات کے قصیدے پڑھ رہا ہے تو نے اپنے ظلم و استبداد کے ذریعے ہمارے دلوں کے زخموں کو گہرا کر دیا ہے اور شجرہ طیبہ کی جڑیں کاٹنے کے گھناؤنے جرم کا مرتکب ہوا ہے۔ تو نے اولاد رسولؐ کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین کئے ہیں تو نے عبدالمطلب کے خاندان کے ان جوانوں کو تہ تیغ کیا ہے جن کی عظمت و کردار کے رخشندہ ستارے زمین کے گوشہ گوشہ کو منور کئے ہوئے ہیں۔ آج تو آل رسولؐ کو قتل کر کے اپنے بے نہاد اسلاف کو پکار اور انہیں اپنی فتح کے گیت سنانے میں مگن ہے۔ تو عنقریب اپنے ان کافر بزرگوں کے ساتھ مل جائے گا اور اس وقت اپنی گفتار و کردار پر پشیمان ہو کر یہ آرزو کرے گا کہ کاش میرے ہاتھ شل ہو جاتے اور میری زبان بولنے سے عاجز ہوتی اور میں نے جو کچھ کیا اور کہا اس سے باز رہتا

اس کے بعد جناب زینبؑ نے آسمان کی طرف منہ کر کے بدرگاہ الٰہی میں عرض کی !

اے ہمارے پروردگار ! تو ہمارا حق ان ظالموں سے ہمیں دلا اور تو ہمارے حق کا بدلہ ان سے لے۔ اے پروردگار ! تو ہی ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے۔ اے خدا تو ہی اس پر اپنا غضب نازل فرما جس نے ہمارے عزیزوں کو خون میں نہلایا اور ہمارے مددگاروں کو قتل کیا۔

اے یزید ! خدا کی قسم تو نے جو ظلم کیا وہ اپنے ساتھ کیا تو نے کسی کی نہیں بلکہ اپنی ہی کھال چاک کی ہے۔ اور تو نے نواسہ رسول کا ناحق خون کیوں بہایا اور رسولؐ زادیوں کو دربدر کیوں پھرایا اور رسولؐ کے جگر پاروں کے ساتھ

ظلم کیوں کیا۔

اے یزید :۔ یاد رکھ کہ خدا آل رسولؐ کا تجھ سے انتقام لے کر ان مظلوموں کا حق انہیں دلائے گا اور انہیں امن و سکون کی نعمت سے مالا مال کر دے گا۔ خدا کا فرمان ہے کہ تم گمان نہ کرو کہ جو لوگ راہ خدا میں مارے جائیں گے وہ مردہ ہو جاتے ہیں بلکہ وہ ہمیشہ زندگی پائیں گے اور بارگاہ الٰہی میں روزی پا رہے ہیں۔

اے یزید ! یاد رکھ کہ تو نے جو ظلم آل محمد ﷺ پر ڈھائے ہیں اس پر رسولؐ خدا عدالت الٰہی میں تیرے خلاف شکایت کریں گے اور جبرائیلؑ امین آل رسولؐ کی گواہی دیں گے پھر خدا اپنے عدل و انصاف کے ذریعہ تجھے سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا اور یہی بات تیرے برے انجام کے لئے کافی ہے۔ عنقریب وہ لوگ بھی اپنے انجام کو پہنچیں گے جنہوں نے تیرے لئے ظلم کی بنیادیں مضبوط کیں اور تیری آمرانہ سلطنت کی بساط بچھا کر تجھے اہل اسلام پر مسلط کر دیا۔ ان لوگوں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ ستمگروں کا انجام برا ہوتا ہے اور کس کے ساتھی ناتوانی کا شکار ہیں۔

اے یزید ! یہ گردش ایام اور حوادث روزگار کا اثر ہے کہ تجھ جیسے ملعون سے ہمکلام ہونا پڑا ہے اور میں تجھ جیسے ظالم سے گفتگو کر رہی ہوں۔ لیکن یاد رکھ کہ میری نظر میں تو ایک نہایت پست اور گھٹیا شخص ہے جس سے کلام کرنا بھی شریفوں کی توہین ہے میری اس جرات سخن پر تو مجھے اپنے ستم کا نشانہ ہی کیوں نہ بنا دے لیکن میں اسے اپنے لئے ایک عظیم امتحان و آزمائش سمجھتے ہوئے

صبر واستقامت اختیار کروں گی اور بد کلامی اور بد سلوکی میرے عزم واستقلال پر اثرانداز نہیں ہو سکتی۔

اے یزید! آج ہماری آنکھیں اشکبار ہیں اور سینوں میں آتش غم کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ شیطان کے ہمنواؤں اور بد نام لوگوں کی اولاد نے رحمان کے سپاہیوں اور پاکباز افراد کو قتل کر ڈالا ہے اور ابھی تک اس شیطانی ٹولے کے ہاتھوں سے ہمارے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں اور ان کے ناپاک دہن ہمارا گوشت چبانے میں مصروف ہیں اور صحرا کے بھیڑیئے ان پاکباز شہیدوں کے مظلوم لاشوں کے ارد گرد گھوم رہے ہیں اور جنگل کے درندے ان کے پاکیزہ جسموں کی بے حرمتی کر رہے ہیں۔

اے یزید! اگر آج تو ہماری مظلومیت پر خوش ہو رہا ہے اور اسے اپنے دل کی تسکین کا باعث سمجھ رہا ہے تو یاد رکھ کہ قیامت کے دن جب اپنی بد کرداری کی سزا پائے گا تو اس کو برداشت کرنا تیرے بس سے باہر ہوگا۔ خدا عادل ہے اور وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ ہم اپنی مظلومیت خدا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ہر حال میں اس کی عنایات اور عدل وانصاف پر ہمارا بھروسہ ہے۔

اے یزید! تو جتنا چاہے مکر و فریب کرے اور بھرپور کوشش کر کے دیکھ لے لیکن تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تو نہ تو ہماری یادوں کو لوگوں کے دلوں سے مٹا سکتا ہے اور نہ ہی وحی کے پاکیزہ آثار محو کر سکتا ہے تو یہ خیال اپنے دل سے نکال دے کہ ظاہر سازی کے ذریعہ ہماری شان و منزلت کو پالے گا۔ تو نے

جس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہے اس کا بدنما داغ اپنے دامن سے نہیں دھو سکتا۔ تیرا نظریہ نہایت کمزور و گھٹیا ہے۔ تیری حیات اقتدار کے گنتی کے چند دن باقی ہیں تیرے سب ساتھی تیرا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ تیرے پاس اس دن کے لئے حیرت و پریشانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ظالم و قاتل لوگوں کے لئے خدا کی لعنت ہے۔ ہم خدا کی بارگاہ میں سپاس گزار ہیں اس نے ہمارے خاندان کے پہلے فرد (حضرت محمد ﷺ) کو رحمت کی نعمتوں سے نوازہ۔ ہم بارگاہ ایزدی میں دعا کرتے ہیں کہ ہمارے شہیدوں کے ثواب واجر میں اضافہ و تکمیل فرمائے اور باقی سب ہمارے افراد کو اپنی عنایتوں سے نوازے۔ بے شک خدا ہی رحم و رحمت کرنے والا اور حقیقی معنوں میں مہربان ہے۔ خدا کی عنایتوں کے سوا ہمیں کچھ مطلوب نہیں اور ہمیں صرف اور صرف اسی کی ذات پر بھروسہ ہے اس لئے کہ اس سے بہتر کوئی سہارا نہیں۔

جناب زینبؑ کا حقیقت آمیز خطبہ سن کر یزید ڈر گیا اور اپنے جرائم کے تمام راز فاش ہونے اور اپنے برے انجام کا سن کر اس کے حواس باختہ ہو گئے۔

جناب زینب کا یہ خطبہ ماضی اور مستقبل میں بھی مثال نہیں رکھتا۔

اس خطبے کے ذریعہ امام حسینؑ کے موقف کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا اور بنی امیہ کے ناپاک عزائم کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا جن کا تعلق مستقبل سے تھا اپنی جگہ جناب زینبؑ کی کرامات کا حیرت انگیز مظاہرہ ہے۔ خطبے کے دوران تمام حاضرین پر کچھ اس طرح سے روحانی غلبہ ہوا کہ دربار یزید میں ہو کا عالم طاری ہو گیا اور حاضرین کی زبانیں گنگ ہو کر رہ گئیں۔

یزید نے مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کیلئے قرآن مجید کا سہارا لیا اور ایک آیہ مجیدہ کی من مانی تفسیر کی تاکہ یہ ثابت کر سکے کہ امام حسینؑ حکومت کے لئے اٹھے تھے۔ مگر اللہ کی نظر میں میرا (یزید کا) استحقاق زیادہ تھا لہذا مجھے ان پر غالب کیا گیا اور وہ مارے گئے۔ اگر جناب زینبؑ یزید کے غلط دعوے کی تردید نہ فرماتیں سرِ دربار بعض آیات کریمہ کے ذریعے یزید کی مکاری طشت ازبام نہ کرتیں تو امام حسینؑ کی عظیم قربانی کا مقصد واضح نہ ہوتا اور دین اسلام صفحہ ہستی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ جاتا۔ آپ ہی کی ذات (جناب زینبؑ) گرامی امام حسینؑ کی تحریک اور قربانی کو پایہ تکمیل اور امام حسینؑ کے نصب العین کو عوام تک پہنچانے والی ہے۔

یہ بات سچ ہے کہ اگر جناب زینبؑ قید ہو کر دمشق نہ جاتیں تو واقعہ کربلا کوئی نہ جان پاتا اور دھیرے دھیرے لوگوں کے ذہنوں سے مٹ جاتا اور امام حسینؑ کی قربانی رائیگاں جاتی اسلام مٹ جاتا اور واقعہ کربلا سے کچھ حاصل نہ ہوتا۔

یزید نے اہل بیت رسولؐ کو اپنے دربار سے کسی ایسی جگہ منتقل کر دینے کا حکم دیا جہاں وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہیں تاکہ لوگ ان کی حالت زار کو دیکھ کر یزید کے خلاف تلوار نہ اٹھالیں۔ چنانچہ اس ستم پرور شخص نے تمام انسانی اقدار کو پامال کرتے ہوئے اولاد رسول کو ایک ایسے کمرے میں قید کیا جہاں نہ تو ہوا آتی تھی اور نہ ہی روشنی، گرمی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اس کمرے میں رسولؐ زادیوں اور معصوم بچوں کے چہرے گرمی کی شدت سے جھلس گئے۔

جب تک اس تاریک کمرے میں ان رسولؐ زادیوں کو رکھا گیا ان کی زبانوں پر ہائے مظلوم حسینؑ کی صدائیں جاری رہیں۔

> قید خانے میں ایک روز جناب سید سجادؑ نے اپنی پھوپھی جناب زینبؑ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھا آپ ان کے پاس گئے اور فرمایا پھوپھی آپ تو شدید بیماری اور تکالیف کے باوجود بیٹھ کر نماز نہ پڑھتی تھیں پھر کیا وجہ ہے کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہی ہیں۔ جناب زینب نے فرمایا بیٹا سید سجادؑ کیا بتاؤں تمہیں تو معلوم ہے قید خانے میں اتنا کم کھانا اور پانی آتا ہے کہ کوئی پیٹ بھر کر نہیں کھا سکتا پس اسی لئے میں اپنے حصے کا کھانا بچوں کو کھلا دیتی ہوں اسی وجہ سے یہ نقاہت ہے کہ کھڑا نہیں ہوا جاتا یہ سن کر جناب سید سجادؑ کو انتہائی صدمہ ہوا۔

اسی طرح رسولؐ زادیاں یزید کی قید میں تھیں۔ اس تاریک کمرے میں ایک رات سکینہؑ بنت الحسینؑ نے اپنے پدر بزرگوار کو خواب میں دیکھا۔ مظلوم کربلا کو خواب میں دیکھ کر سکینہؑ بنت الحسینؑ کی چیخ نکل گئی اور بیدار ہو کر زار و قطار رونے لگیں۔ جناب زینبؑ اور ساری بیبیوں کی آنکھ کھل گئی۔ جناب سکینہؑ کے رونے سے معصوم بچی کی گریہ کی آواز سن کر تاریک کمرے میں موجود سب بیبیاں اور بچے گریہ کرنے لگے۔

یزید کو صورت حال کی اطلاع دی گئی تو اس نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کا

سر لا کر اس بچی کے سامنے رکھا جائے جب سر امام حسینؑ لایا گیا تو مظلوم کربلا کی
مظلوم بیٹی اپنے باپ کی طرف دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ جناب
سکینہؑ نے کہا بابا آپ کے بعد ہمارے خیموں کو آگ لگا دی گئی ہماری چادریں
اتاری گئیں ہمارا سامان لوٹ لیا گیا ہمیں قیدی بنا کر جنگلوں اور بیابانوں سے گزارا
گیا ہمیں برہنہ سر کر کے بازاروں اور درباروں میں لایا گیا۔ بابا جان اب ہم اس
تاریک کمرے میں جہاں نہ ہوا ہے نہ دھوپ ہے اور گرمی کی شدت ہے آپ کی
مظلومیت کو یاد کر کے روتے ہیں۔ بابا آپ کا سر اقدس کس ظالم نے کاٹا بابا آپ کا
نازنین بدن کیا ہوا۔ بابا ذرا ہماری دردبھری حالت کو بھی دیکھئے اس کے بعد سکینہؑ
بنت الحسینؑ مظلوم کربلا امام حسینؑ کے سر اقدس کے بوسے لینے لگیں اور روتے
روتے اس بچی کی روح پرواز کر گئی۔

جناب سکینہؑ کی وفات سے آل رسول کا غم شدید ہو گیا ہر عورت مرد
اور بچے بھی شدت سے نڈھال تھے۔ حضرت ام کلثومؑ کی حالت سب سے زیادہ
غیر ہو گئی اور وہ سکینہؑ کے غم میں دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں۔ جناب زینبؑ
نے ام کلثومؑ سے کہا صبر کرو بہن ام کلثومؑ یہ امتحان کی منزل ہے۔ جناب رقیہ
کے غم نے ہم سب کو نڈھال کر دیا ہے۔ جناب ام کلثومؑ نے فرمایا جناب سکینہؑ
اکثر ان سے کہا کرتی تھیں پھوپھی جان کیا ہمارا کوئی گھر نہیں اور کیا ہم اس
تاریک کمرے میں ہمیشہ رہیں گے۔

جب یزیدیوں کو دمشق میں لایا گیا تو ایک لونڈی یزید کی بیوی ہند کے
پاس آئی اور اس سے کہا اے ہند!! ابھی ابھی قیدی آئے اور مجھے معلوم نہیں کہ وہ

کون ہیں بہتر ہے آپ بھی چل کر دیکھیں۔

ہند اٹھی اور اس نے اچھے لباس زیب تن کیا اور سر تا پا چادر اوڑھی اور
دوپٹہ سر پر رکھ کے دربار میں آگئی۔ جب وہ کرسی پر بیٹھ گئی تو جناب زینبؑ کی
نظر اس پر پڑی آپ نے غور سے اس کی طرف دیکھا تو اسے پہچان لیا اور ام کلثومؑ
سے کہا۔

ام کلثومؑ آپ نے اس عورت کو پہچانا جناب ام کلثومؑ نے جواب میں
فرمایا کہ میں نے نہیں پہچانا۔

جناب زینبؑ نے فرمایا بہن یہ ہماری کنیز ہند بنت عبداللہ جو ہمارے
گھر میں کام کاج کرتی تھی اس کے بعد جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ نے اپنا سر
نیچا کر لیا تاکہ ہند ان کی طرف متوجہ نہ ہو ہند نے جب ان لوگوں کو باتیں کرتے
کرتے اچانک خاموش ہوتے دیکھا تو وہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئی اور اس
نے پوچھا آپ لوگ آپس میں باتیں کرتے کرتے اچانک خاموش کیوں ہو گئیں۔
جناب زینبؑ نے کوئی جواب نہ دیا ہند نے پھر معلوم کیا کہ آپ لوگ کہاں کے
رہنے والے ہیں۔

اب جناب زینبؑ خاموش نہ رہ سکیں اور فرمایا ہم مدینہ منورہ کے رہنے
والے ہیں جیسے ہی ہند نے مدینے کا نام سنا اپنی کرسی چھوڑ دی اور احترام میں
کھڑی ہو گئی اور پوچھنے لگی۔

بہن کیا آپ مدینے والوں کو جانتی ہیں۔

جناب زینبؑ نے کہا آپ کن مدینے والوں کے متعلق معلوم کرنا چاہتی

ہیں۔

ہند نہ کہا میں اپنے آقا امام علیؑ کے گھرانے کے متعلق پوچھنا چاہتی ہوں۔ جناب زینبؑ نے فرمایا امام علیؑ کے گھرانے کو کیسے جانتی ہو۔ اپنے امام علیؑ کے گھرانے کا نام سن کر ہند کی آنکھوں سے اشکِ محبت جاری ہو گئے اور کہنے لگی میں اس گھر کی خادمہ تھی اور وہاں کام کیا کرتی تھی۔ مجھے اس گھر سے بہت محبت و عقیدت ہے۔

جناب زینبؑ نے ہند سے فرمایا تو اس گھر کے کن لوگوں کو جانتی ہے کن کے متعلق دریافت کرنا چاہتی ہے۔

ہند نے کہا میں امام علیؑ کے بیٹے حسنؑ اور حسینؑ اور اولاد حسینؑ کے بارے میں معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ حضرت زینبؑ نے فرمایا تو نے امام حسینؑ کے متعلق دریافت کیا ہے تو یہ دیکھ تیرے آقا امام حسینؑ کا سر تیرے شوہر یزید کے سامنے رکھا ہے۔ تو نے اولاد علیؑ کے بارے میں پوچھا ہے تو ہم ابوالفضل العباسؑ سمیت سب جوانوں کو کربلا کے ریگزاروں میں بے کفن چھوڑ آئے ہیں اور تو دل پر ہاتھ رکھ کر سن کہ میں زینبؑ ہوں اور یہ میری چھوٹی بہن ام کلثوم ہیں اور یہ سب بیبیاں فاطمہؑ کی مظلوم بہو بیٹیاں ہیں۔

جناب زینبؑ کا یہ دردناک جواب سن کر ہند کی چیخ نکل گئی اور منہ پیٹ کر کہنے لگی! کاش میں اس سے پہلے اندھی ہو جاتی اور فاطمہؑ کی بیٹیوں کو اس حالت میں نہ دیکھتی۔

اے ہند تم کھڑی ہو جاؤ اور اپنے گھر چلی جاؤ کیونکہ تمہارا شوہر ایک

ظالم شخص ہے۔ ممکن ہے وہ تم پر اذیت و ظلم ڈھائے ہم اپنی مصیبت کا یہ وقت بھی گزار لیں گے۔

ہند نے جواب دیا! خدا کی قسم مجھے اپنے آقا امام حسینؑ سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں۔ یہ کہہ کر ہند اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی چادر اتار کر منہ پیٹتی ہوئی سر برہنہ یزید کے پاس آگئی یزید اس وقت لوگوں کے درمیان بیٹھا تھا۔ ہند نے یزید سے کہا اے یزید کیا تو نے حکم دیا ہے کہ میرے آقا امام حسینؑ کا سر نوکِ نیزہ پر سوار کر کے دروازے پر لٹکایا جائے نواسہ رسولؐ کا سر اور میرے گھر کے دروازے پر۔

یزید نے اپنی بیوی کو اس حالت میں دیکھا تو فوراً کھڑا ہو گیا اور بھرے مجمعے میں اپنی بیوی کو دیکھ کر برداشت نہ کر سکا۔ اسے چادر پہنائی اور کہنے لگا۔ ہاں یہ حکم میں نے دیا ہے کیا تو اب نواسہ رسولؐ پر گریہ و ماتم کرنا چاہتی ہے تو بے شک کر لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابن زیاد نے جلد بازی سے کام لیتے ہوئے حسینؑ کو قتل کر ڈالا ہے۔

جب یزید نے ہند کو چادر اوڑھائی تو ہند نے کہا اے یزید خدا تجھے تباہ و برباد کرے!

مجھے دربار میں سر برہنہ دیکھ کر تیری غیرت جاگ اٹھی ہے مگر تو رسولؐ زادیوں کو کھلے عام سر برہنہ بازاروں اور درباروں میں لایا ہے اور ان کی چادریں چھین کر انہیں نامحرموں کے سامنے لاتے وقت تیری غیرت کہاں گئی تھی اور انہیں ایک خرابے میں بند کر کے خود امن و سکون کی نیند سونا چاہتا ہے۔

خدا کی قسم جب تک انھیں میرے ساتھ نہیں بھیجو گا اس وقت تک میں تیرے گھر میں قدم نہیں رکھوں گی۔ ہند کی باتیں سن کر یزید نے حکم دیا کہ رسولؐ زادیوں کو مدینہ روانہ کر دیا جائے۔

نوٹ :۔ (ہند بنت عبداللہ یزید سے شادی کرنے سے پہلے حضرت علی ابن ابو طالب کے گھر میں خادمہ تھیں ان کا دل معرفت و محبت اہل بیت سے سرشار تھا)

ہند کی باتیں سننے کے بعد یزید نے اہل بیت کی دلجوئی کرنی شروع کر دی اور اس نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کا یہاں رکھنا خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ شام کے لوگوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی ہے۔ جس سے یزید کو یقین ہو گیا کہ اگر اہل بیت رسولؐ کو مزید کچھ دنوں کے لئے دمشق میں رہنے دیا گیا تو لوگوں میں بغاوت پھوٹ پڑے گی پھر ان لوگوں پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا اور پھر ایک ایسا انقلاب برپا ہو گا کہ پوری مملکت کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اس لئے ایک دن حضرت امام وقت سید سجادؑ کو دربار میں طلب کیا۔ عزت سے بٹھایا اور کہا اگر آپ چاہیں تو مدینہ تشریف لے جا سکتے ہیں یا اگر خواہش ہو تو یہیں مقام فرمائیں۔ حضرت امام سید سجادؑ نے جواب دیا کہ میں اپنی سردار قافلہ اپنی پھوپھی جناب زینبؑ سے معلوم کر لوں پھر یزید تجھ کو جواب دوں گا۔ جناب امام سید سجادؑ نے وہ ساری گفتگو جو یزید سے ہوئی تھی جناب زینبؑ سے آکر کہہ دی اور جناب زینبؑ کے جواب کا انتظار کرنے لگے۔

جناب زینبؑ نے یزید کو کہلا بھیجا کہ اول تو ہمیں شہدا کی مجلس ماتم بپا

کرنے کی اجازت ملے اور دوسرے ہم کو مدینے جانے دیا جائے چنانچہ مجلس کے لئے یزید نے ایک مکان خالی کروا دیا۔ جس میں شامی عورتوں اور ہند نے شرکت کی اور وہاں اس قدر آہ و بکا ہوا کہ دمشق میں قیامت صغریٰ بپا ہو گئی اور لوگوں کو اہلبیت محمدؐ سے ہمدردی اور عقیدت ہو گئی۔

نعمان ابن بشیر جو محبان اہل بیت میں سے تھا قافلے کے ساتھ بھیجا گیا۔ محملوں کو بڑی شان سے سجایا گیا مگر جب جناب زینبؑ کی نگاہ محمل پر پڑی تو آپ نے چیخ مار کر کہا کہ میں تو گھر لٹوا کے جا رہی ہوں یہ سجاوٹ کیسی جیسے ہی یہ خبر نعمان ابن بشیر تک پہنچی۔ اس نے محملوں کو فوراً سادہ اور سیاہ پوش بنا دیا اور بڑی عزت و احترام سے یہ قافلہ رخصت ہوا مگر اہل بیت کا ہر فرد وداعی کلمات کے ساتھ اشکبار تھا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے ایک بار پھر یزید کے ظلم کے خلاف بھڑک گئے۔ بہر حال اہل بیت دمشق سے رخصت ہوئے راستے میں ایک دوراہا آیا نعمان ابن بشیر جناب زینبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یہاں سے ایک راستہ کربلا کو جاتا ہے اور دوسرا مدینہ کو جناب زینبؑ نے حکم دیا کہ پہلے ہم لوگ کربلا جائیں گے چنانچہ قافلہ کربلا کی طرف روانہ ہو گیا اور ۲۰ صفر کو یہ قافلہ کربلا پہنچا جب قافلہ قتل گاہ شہدا تک پہنچ گیا تو مظلوم سادات نے وہاں جابر بن عبداللہ انصاری کو دیکھا جو تنہا قتل گاہ کے گرد گھوم رہے ہیں۔ قتل گاہ کا دردناک منظر دیکھ کر رسولؐ زادیاں اپنے اوپر قابو نہ پا سکیں اور دھاڑیں مار کر رونے لگیں ہر طرف رونے اور پیٹنے کی آوازیں مقتل گاہ سے آنے لگیں آل رسولؐ کے نوحہ ماتم کی صداؤں سے صحرائے کربلا لرز اٹھا۔ جناب زینبؑ بین کرتی

ہوئے ہائے مظلوم بھائی ہائے رسولؐ خدا کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہائے میرے
حسینؑ گریہ وماتم کی شدت سے رسولؐ زادیوں پر غشی طاری ہو گئی جب کچھ افاقہ
ہوا تو امام وقت حضرت سید سجادؑ نے چلنے کا حکم دیا۔

مظلوموں کا قافلہ جب مدینے کے نزدیک پہنچ گیا اور مدینہ شہر کے
آثار نظر آنے لگے تو امام وقت حضرت سید سجادؑ نے نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ
جلدی جاکر مدینہ والوں کو نواسہ رسولؐ کی شہادت کی اطلاع کرو۔

نعمان بن بشیر امام وقت کا حکم ملتے ہی شہر مدینہ میں داخل ہو گیا جب مسجد
نبوی کے سامنے پہنچا تو اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے وہ روتے ہوئے بلند آواز
سے کہنے لگا۔

اے مدینے والو مدینہ رہنے کے قابل نہیں رہا تمہاری عزت خاک میں
مل گئی نواسہ رسولؐ حسینؑ ابن علیؑ کو بے دردی سے شہید کر دیا گیا اور صحرائے
کربلا میں ان کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بے گور وکفن چھوڑ دیا گیا ہے اور
ان کا سر اقدس نوک نیزہ پر بلند کر کے کوفہ اور شام کے بازاروں میں پھرایا گیا اور
دربار یزید میں لایا گیا۔

نعمان بن بشیر کا دردناک بیان سن کر مدینے کے لوگوں میں اضطراب
کی لہر دوڑ گئی۔ مدینہ میں صف ماتم بچھ گئی اور ہر طرف سے نوحہ وماتم کی
صدائیں آنی شروع ہو گئیں۔ اہل مدینہ آل رسولؐ کے استقبال کے لئے مدینہ
سے نکل پڑے اور شہر میں غم والم کی ہولناک کیفیت چھا گئی پورا مدینہ اشکبار
غمزدہ اور ماتم کناں تھا لوگ روتی ہوئی آنکھوں اور دھڑکتے ہوئے دلوں کے

ساتھ امام وقت حضرت سید سجادؑ کی خدمت میں حاضر ہونا شروع ہو گئے۔
لوگوں کا ہجوم اتنا تھا کہ امام وقت کا ہر ایک سے گفتگو کرنا دشوار ہو گیا۔ جناب
سید سجادؑ نے استقبال کے لئے آنے والوں سے خطاب فرمایا۔

یزید کے ظلم وستم و بربریت کا تمام حال بیان کیا اور آل محمدؐ کی دکھ
بھری داستان سنائی اولاد رسولؐ کی مظلومیت سن کر لوگ دھاڑیں مار مار کر
رونے لگے۔

اس کے بعد یہ کارواں آل محمدؐ شہر مدینہ میں داخل ہو گیا جیسے ہی رسولؐ
کا حرم نظر آیا جناب زینبؑ نے یہ نوحہ پڑھا۔

اے ہمارے نانا کے شہر مدینے اب ہم یہاں آنے کے قابل نہیں رہے
ہم غموں اور حسرتوں سے بھرے ہوئے دلوں کے ساتھ آئے ہیں ہم جب تجھ
سے جدا ہوئے تھے ہمارا بھرا گھر ساتھ تھا اور اب واپس آئے ہیں نہ تو ہمارے
مرد واپس آئے ہیں اور نہ ہی بچے۔ روتے روتے جناب زینبؑ مسجد نبوی کے
دروازے سے لپٹ گئیں اور کہا نانا میرا بھائی مارا گیا نانا میرا حسینؑ شہید کر دیا گیا۔

جناب زینبؑ وام کلثومؑ واقعہ کربلا کے مراحل سے گزرنے کے بعد قید
خانہ شام سے چھوٹ کر مدینہ پہنچیں تو جناب زینبؑ نے واقعہ کربلا سے اہل
مدینہ کو آگاہ کیا اور رونے پیٹنے اور نوحہ وماتم کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیا۔ اس سے
حکومت کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں واقعہ 'حرہ' پیش آیا۔

جناب زینبؑ مدینہ میں مجالس عزا برپا کرتی تھیں اور خود ہی ذاکری
فرماتی تھیں اس وقت کے حاکم وقت کو یہ گوارا نہ تھا کہ واقعہ کربلا کھلم کھلا طور پر

بیان کیا جائے۔

جناب زینبؑ مدینہ پہنچ کر یہ چاہتی تھیں کہ زندگی کے بقیہ ایام یہیں گزریں لیکن وہ جو مصائب کربلا بیان کرتی تھیں وہ انتہا سوز و رقت ہوا اور مدینہ کے باشندوں پر اس کا بے حد اثر ہوا ان حالات کو دیکھتے ہوئے والی مدینہ نے یزید کو لکھا کہ جناب زینبؑ کا مدینہ میں رہنا ہیجان پیدا کر رہا ہے۔ ان کی تقریروں سے اہل مدینہ میں بغاوت پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے یزید کو جب والی مدینہ کا خط ملا تو اس نے حکم دیا کہ ان سب کو مختلف ممالک میں منتشر کر دیا جائے۔ اس کے حکم آنے کے بعد والی مدینہ نے حضرت زینبؑ سے کہلا بھیجا کہ آپ جہاں مناسب سمجھیں یہاں سے چلی جائیں یہ سن کر جناب زینبؑ کو جلال آ گیا آپ نے فرمایا!

ہم اپنے گھر بار لٹنے اور رسولؐ زادوں کے قتل کا غم دل میں لئے ہوئے ہیں اور اس بات سے حاکم وقت اچھی طرح آگاہ ہے کہ اس نے کس طرح آل محمدؐ کو ستایا اور رسولؐ زادیوں کے گلے میں رسیاں ڈال کر ان کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا۔ ہم اب تک ہر قسم کے مظالم برداشت کرتے آئے ہیں لیکن خدا کی قسم اب ہم نانا کے شہر مدینہ سے کبھی نہیں نکلیں گے۔ خدا کی قسم ہرگز یہاں سے نہ جائیں گے چاہے ہمارے خون بہا دیئے جائیں۔

جناب زینبؑ کا یہ حال دیکھ کر جناب زینبؑ بنت عقیل ابن ابوطالب نے عرض کی اے میری بہن غصہ سے کام لینے کا وقت نہیں ہے بہتر یہی ہے کہ ہم کسی اور شہر میں چلے جائیں۔

اس کے بعد جناب زینبؑ نے مدینہ چھوڑ دیا پھر دوبارہ جناب زینب

مدینہ منورہ کبھی نہیں آئیں وہ وہاں سے چل کر مصر پہنچیں لیکن زیادہ دن جناب زینبؑ مصر میں بھی نہ ٹھہر سکیں اس طرح جناب زینبؑ غیر مطمئن حالت میں پریشان شہر بہ شہر پھرتی رہیں۔ جناب زینبؑ اپنے بھائی امام حسینؑ کی شہادت کے بعد سکون سے نہ رہ سکیں وہ ایک شہر سے دوسرے شہر سرگرداں پھرتی رہیں اور ہر جگہ یزید کے ظلم کو بیان کرتی رہیں اور حق و باطل کی وضاحت فرماتی رہیں اور شہادت امام حسینؑ پر تفصیلی روشنی ڈالتی رہیں یہاں تک کہ آپ شام پہنچیں اور وہاں قیام کیا۔

(یہ سب غم و الم اور مصیبت کے اور درد کے وہ حالات تھے جو علیؑ کی بیٹی جناب زینبؑ کو پریشان رکھتے تھے اور جن کا تصور کرتے کرتے جناب زینبؑ ایک بے جان ڈھانچے کی طرح ہو گئیں تھیں اور مصیبتوں اور دکھوں نے جناب زینبؑ کا سکون لوٹ لیا)۔

جناب عبداللہ ابن جعفر طیار کی زمین جس گاؤں میں تھی اس کا نام 'راویہ' بیان کیا جاتا ہے۔ جناب زینبؑ یہاں پہنچ کر علیل ہو گئیں۔ بروز شنبہ اتوار کی رات ۱۴ رجب ۶۲ھ کو انتقال ہو گیا۔ اس وقت جناب زینبؑ کی عمر ۵۵ سال تھی۔

آپ کی شہادت کے متعلق یہ مشہور ہے کہ ایک دن آپ اس باغ میں تشریف لے گئیں جس کے ایک درخت میں حضرت امام حسینؑ کا سر معلق کیا گیا تھا اس باغ کو دیکھ کر آپ بے چین ہو گئیں وقت شب کا تھا کہ آپ کو اپنی پہلی اسیری میدان کربلا کا نقشہ اشقیاء کے مظالم یاد آئے آپ اس قدر بے چین و بے

قرار ہو کر روئیں کہ آپ روتے روتے بے ہوش ہو کر نہر میں گر گئیں۔ آپ کے گرنے کی وجہ سے نہر کا پانی رک گیا۔ مالی جو باغ کو سینچ رہا تھا پانی کو بند دیکھ کر اس مقام پر پہنچا۔ جہاں زینبؑ بیہوش ہو کر نہر میں گری ہوئی تھیں اس شقی ازلی نے اپنا بیلچہ آپ کے سر مبارک پر مارا جس سے آپ شدید زخمی ہوئیں آپ کی چیخ سے آپ کے بھتیجے امام وقت جناب سید سجادؑ اور خادمہ وہاں پہنچے دیکھا کہ آپ کا فرق مبارک شگافتہ ہو گیا ہے۔

افسوس کہ وہ پنجتن پاک کو رونے والی، شہدائے کربلا کا ماتم کرنے والی یتیمان حسینؑ کی سرپرست، اشقیاء کے ہاتھوں تازیانے کھانے والی، دربار میں حالت اسیری میں حاضر ہونے والی، قید کی تکلیفیں اٹھانے والی، عاشق حسینؑ علی وبتول کی لاڈلی رسولؐ کی پیاری نواسی، اسلام کو زندہ کرنے والی پیغام توحید سنانے والی، دشمنوں کو خوف خدا سے ڈرانے والی اپنے بھائی امام حسینؑ پر جان فدا کرنے والی اسی باغ میں دفن کی گئیں۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

جناب ظہور جاجوری نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

بنت حیدر گئیں روتی ہوئی نزدیک شجر
ہاتھ اٹھا کر یہ کہا اے شجر پر نور
تیرا احسان ہے یہ بنت علیؑ کے سر پر
تیری شاخوں سے بندھا تھا میرے ماجائے کا سر
اے شجر تجھ کو خبر ہے کہ وہ سر کس کا تھا

مالک باغ جناں تاج سر طوبیٰ تھا
رو رہی تھی یہ بیاں کر کے جو وہ دکھ پائی
باغباں باغ میں تھا ایک شقی ازلی
بیلچہ لے کے چلا دشمن اولاد نبی
سر پر اس زور سے مارا کہ زمیں کانپ گئی
سر کے ٹکڑے ہوئے روئیں نہ پکاریں زینبؑ
خاک پر گر کے سوئے خلد سدھاریں زینبؑ

جناب ام کلثومؑ بنت علی ابن ابی طالبؑ

آپ کا اسم گرامی زینب صغریٰ تھا اور کنیت ام کلثومؑ تھی لیکن آپ ام کلثومؑ ہی کے نام سے مشہور ہوئیں۔

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ حضرت ام کلثوم سلام اللہ علیہا اپنی بہن جناب زینبؑ کبریٰ کے کارناموں میں برابر کی شریک تھیں۔ وہ تاریخ میں اپنی بہن کے بالکل دوش بدوش نظر آتی ہیں۔ وہ مدینہ کی زندگی، کربلا کے واقعات، دوبارہ گرفتاری اور مدینہ سے اخراج، سب میں حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے ساتھ رہیں۔ خصوصاً آپ کا وہ تاریخی خطبہ، جو واقعہ کربلا کے بعد عالم اسیری میں کوفہ میں فاسقوں کے دربار میں خطاب فرما کر مسلمانوں کی خوابیدہ حمیت کو جگایا اور آپ کے پر فصاحت و بلاغت کلام نے شیر خدا علی ابن ابو طالب علیہ السلام کی آواز کا اشتباہ پیدا کر دیا۔ مسلمانوں کی غیرت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا وہ خطبہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔

جناب ام کلثومؑ حضرت علیؑ کی چھوٹی بیٹی جناب زینب کی چھوٹی بہن تھیں۔

جناب ام کلثومؑ نے فرمایا:

اے اہل کوفہ! تم تباہ و برباد ہو تمہارے منہ کالے ہوں، اور تم نے

کیوں میرے بھائی امام حسینؑ کو بلایا اور کیوں مدد نہ کی! پھر ان کو قتل بھی کیا اور ان کا مال و اسباب بھی لوٹ لیا اور ان کی اہل بیت عصمت و طہارت کو اسیر کیا۔ تم نے رسول ﷺ کے نواسہ کا خون بہایا۔ رسول خدا ﷺ کے بعد جو تم میں سب سے بہتر تھے اس کو تم نے قتل کر ڈالا۔ تمہارے دلوں میں رحم نہ رہا یہ تم نے کیسے ظلم و ستم کئے یہ تم نے کتنے بڑے گناہ کو اپنی پیٹھ پر لاد لیا۔ خدا کے دوست ہمیشہ تم پر غالب رہیں گے۔

آپ کی ولادت ۹ ھ میں ہوئی۔ آپ کا عقد محمد بن جعفر بن ابی طالبؑ سے اور ایک روایت کے مطابق علی بن جعفر بن ابی طالبؑ سے ہوا۔ (حضرت ام کلثوم سلام اللہ علیہا کے ساتھ عمر بن خطاب کے عقد کا افسانہ توہین آل محمد ﷺ کا ایک دل سوز باب ہے۔ اس کی رد کے لئے ہمارے بہت سے علماء، دانشوران نے مختلف کتابیں تحریر فرمائی ہیں اور تاریخ کے حوالے سے اس کو غلط ثابت کیا ہے۔

آپ کی وفات جناب زینبؑ سے دو ماہ بیس دن قبل ہوئی آپ شام میں دفن ہوئیں آپ کا مزار اور سکینہؑ بنت حسنؑ کا مزار شام میں ایک ہی عمارت میں واقع ہے آپؑ کی عمر ۵۱ سال کی تھی۔ آپ کی کسی اولاد کا تاریخ میں سراغ نہیں ملتا۔

☆☆☆

جناب ام ربابؑ بنت امراالقیس

والدہ گرامی جناب سکینہؑ اور حضرت علی اصغرؑ

عورت وہ حقیقت ہے جو مرکز جمال ہونے کے علاوہ اپنی فطری کمزوریوں کی بنا پر پردے اور مرد کے تعاون و تحفظ کے بغیر عاجز ہو جاتی ہے۔ اس انمول موتی کو اسلام نے مرد کے تحفظ کی ڈھال عطا کی ہے تاکہ قدرت کا یہ ان مول موتی زمانے کی بری نگاہوں سے محفوظ رہے۔

مسلمان عورتوں نے اپنی اپنی صلاحیت و اہلیت کے مطابق اسلام کی دی ہوئی آزادی اور تحفظ سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس فضا میں بہت سی خواتین نے بڑا نام پیدا کیا۔ جناب خدیجہؑ، جناب فاطمہ زہراؑ جناب زینبؑ جناب ام کلثومؑ جناب سکینہؑ اور حضرت علی اصغرؑ کی مادر گرامی حضرت ام ربابؑ کا اسم گرامی بھی انہی عظیم خواتین میں شامل ہے۔ بی بی ام ربابؑ امراالقیس بن عدی کی صاحبزادی تھیں اور ماں باپ دونوں کی طرف سے بلند درجات پر فائز تھیں۔

آپ ایک صالح، دیندار، پرہیزگار، عبادت گزار، سلیقہ شعار اور رحم دل خاتون تھیں۔ حق پرستی و حق آگہی فرماں برداری و جاں نثاری، ایثار و قربانی، صداقت و محبت اور علم و عمل کا جوہر آپ کی شخصیت میں بدرجہ اتم موجود تھا۔

علم و ادب میں آپ بچپن ہی سے ممتاز مقام رکھتی تھیں۔ اپنے قبیلے کی تمام لڑکیوں میں سب سے نمایاں تھیں۔ درس و تدریس کا سلسلہ بھی آپ کی

ذات سے وابستہ تھا جس کی وجہ سے آپ کے گھر میں محلے اور قبیلے کی لڑکیوں کا مجمع لگا رہتا تھا۔ امور خانہ داری کے تمام شعبوں میں آپ کو خصوصی مہارت حاصل تھی۔ چنانچہ شادی سے قبل جب تک آپ اپنے والدین کے گھر میں رہیں گھر کا سارا انتظام آپ ہی کے سپرد رہا اور شادی کے بعد جب آپ امام حسینؑ کے گھر میں داخل ہوئیں تو خانہ داری کے فرائض کی انجام دہی میں آپ کو کوئی پریشانی یا کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی۔ بلکہ آپ نے ان ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے نبھایا۔ اسی لیے حضرت امام حسینؑ نے جناب ام ربابؑ کے بارے میں متعدد بار فرمایا۔ 'جس گھر میں ربابؑ اور سکینہؑ نہ ہوں وہ گھر مجھے پسند نہیں۔' (طبری ج ۱۳ ص ۱۹)

علامہ رازق الخیری رقم طراز ہیں۔ 'جناب ام ربابؑ کی سلیقہ شعاری میں یہ عادت بھی شامل تھی کہ وہ گھر میں کوئی فضول اور بیکار چیز نہیں رکھتی تھیں۔ کھانا وقت پر اور ضرورت کے مطابق پکاتی تھیں اور جب گھر کے تمام لوگ کھانے سے فارغ ہو جاتے تو بعد میں جناب ام ربابؑ خود کھاتیں اور جو بچ جاتا وہ کسی بھوکے اور محتاجوں کو کھلا دیتیں۔ کفایت اور نظم ان تمام کاموں میں جلوہ گر ہوتا۔ ان کے دستور خانہ داری میں غریبوں، محتاجوں، بے کسوں اور یتیموں کی مدد بھی شامل تھی۔'

بی بی ربابؑ حضرت امام حسینؑ کے کاشانہ عصمت و طہارت میں کب تشریف لائیں، اس سوال کے جواب میں عام طور پر مورخین کی کتابیں خاموش نظر آتی ہیں۔ اکثر علماء نے غلط روایتوں اور قیاس آرائیوں کی بنیاد پر اس ذیل میں

مختلف نظریے قائم کیے ہیں۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ بی بی رباب ۵۱ھ میں حضرت امام حسینؑ سے منسوب ہوئی ہوں گی اور ۵۲ھ میں ان کے بطن سے حضرت سکینہؑ کی ولادت واقع ہوئی۔

ظاہر ہے کہ قیاس آرائی نہ تو حقیقت کی نمائندگی کر سکتی ہے اور نہ ہی اس سلسلے کی دلیل بن سکتی ہے۔ پھر اگر قیاس یا کسی نے بنیاد روایت کی بنا پر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ ۵۱ھ میں حضرت سکینہؑ کی ولادت کو بفرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے تو ۶۱ھ میں حضرت سکینہؑ کی عمر ۹ سال قرار پاتی ہے اور یہ تاریخ ان علماء کے نزدیک یقیناً غلط ہے جو واقعات کربلا کے ذیل میں آپ کی عمر ۳ یا ۴ اور ۵ سال کی بتاتے ہیں۔ اس قضیہ کی حقیقت کیا ہے یہ ایک معروف مورخ و محقق جناب خاور عثمانی کی زبان قلم سے سنتے ہیں۔

جناب خاور عثمانی صاحب فرماتے ہیں۔ بڑی تحقیق و جستجو اور دیدہ ریزی کے بعد ابن اسحاق مدائنی المتوفی ۲۱۲ھ کی کتاب 'مقتل الاسلام' سے یہ امر ثابت ہو سکا کہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ حضرت ام ربابؑ بنت امراء القیس کا عقد ۵۵ھ میں ہوا جو ایک محترم، شریف النفس، بلند کردار اور باوقار بی بی تھیں۔ انہی کے بطن سے ۵۶ھ میں حضرت سکینہؑ پیدا ہوئیں جو امام حسینؑ کی بڑی عزیز اور چہیتی بیٹی تھیں۔

۶۰ھ میں حضرت امام حسینؑ جب حق کی نصرت اور باطل سے جنگ پر کمربستہ ہوئے تو جناب ام ربابؑ بھی امام حسینؑ کی اجازت سے ثانی زہراؑ حضرت زینبؑ بنت علیؑ کی قیادت میں اٹھ کھڑی ہوئیں، مدینہ چھوڑا، سفر کی

صعوبتیں برداشت کر کے دوسری محرم ۶۱ھ کو وارد کربلا ہوئیں۔ بھوک و پیاس کی سختیاں جھیلیں اور پھر عاشورۂ محرم کو امام حسینؑ نے اسلامی شریعت کو روشن و منور کرنے کے لئے ظلم و استبداد کی تیز آندھیوں میں عزم و عمل کے چراغ جلائے تو جناب ام ربابؑ نے ان چراغوں کی حفاظت کی۔

اگر امام حسینؑ نے اپنے خون سے شریعت کی تصویر میں رنگ بھرا تو جناب ام ربابؑ نے اپنے شیر خوار بچے حضرت علی اصغرؑ کی یادگار قربانی کے ذریعے دین کی تصویر کو ہمیشہ کے لئے پرکشش بنا دیا۔ اگر امام حسینؑ نے شبیہ رسول علی اکبرؑ کو میدان کارزار کی اجازت دی تو جناب ام ربابؑ نے بھی حضرت علی اکبرؑ کو دولھا بنانے میں حضرت زینبؑ کا ہاتھ بٹایا۔ امام حسینؑ نے اپنے بھائی کی نشانی حضرت قاسم کو زرہ بکتر سے آراستہ کیا تو جناب ام ربابؑ نے اس زرہ بکتر کی کڑیاں درست کیں۔ امام حسینؑ نے کلمۂ حق اور احیائے دین کی خاطر اپنا گھر لٹایا تو جناب ام ربابؑ قدم بہ قدم آپ کے ہمراہ تھیں۔ امام حسینؑ نے اتمام حجت کے لئے علی اصغرؑ کو طلب کیا تو جناب ام ربابؑ نے اپنی گود خالی کر دی۔ امام حسینؑ نے کربلا کی سلگتی ہوئی خاک پر تین دن کا بھوکا پیاسا رہ کر ذبح ہونا گوارہ کیا تو جناب ام ربابؑ نے بھی کوفہ و شام کے بازاروں میں سر برہنہ تشہیر کیا جانا برداشت کیا۔

حضرت 'عبداللہ' جو علی اصغرؑ کے نام سے مشہور ہیں جناب ربابؑ کے بطن سے امام حسینؑ کے سب سے چھوٹے بیٹے اور جناب سکینہؑ کے حقیقی بھائی تھے۔ حضرت علی اصغرؑ کی ولادت ۱۰ رجب ۶۰ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور

جب امام حسینؑ نے مدینہ سے عراق کا سفر اختیار کیا تو اس وقت حضرت علی اصغرؑ کی عمر ۱۸ یوم تھی۔ جو یوم عاشور چھ ماہ کی ہوئی تھی۔

تمام اعزہ و اصحاب کی شہادتوں کے بعد عمر سعد ملعون اور اس کے ساتھی یہ سمجھ رہے تھے کہ امام حسینؑ کے صبر و تحمل اور اس کے مقابلے میں ان کے ظلم و تشدد کی انتہا ہو چکی ہے۔ مگر امام حسینؑ کو ابھی ایک عظیم ترین قربانی اور پیش کرنا تھی۔ نیز اس قربانی کے لئے ظلم کے ترکش میں ابھی ایک ایسا تیر تھا جس کے بارے میں ہر مذہب و ملت کا درد مند انسان یہ گواہی دینے پر مجبور ہے کہ یزیدیوں کو انسانیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔

جب تمام جاں نثاروں نے اپنی جانیں مقصد امام حسینؑ پر نثار کر دیں تو امام حسینؑ بذات خود حصول شہادت کے لئے میدان کارزار میں تشریف لائے اور ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر صدائے استغاثہ بلند کی۔

راویوں کا بیان ہے کہ اس استغاثے کا بلند ہونا تھا کہ زمین کربلا پر زلزلہ آگیا۔ شہدا کی لاشیں تڑپنے لگیں اور لبیک یا ابن رسول اللہ ﷺ کی صداؤں سے فضا گونجنے لگی۔ تیسری آواز استغاثہ پر چھ مہینے کے علی اصغرؑ نے اپنے آپ کو جھولے سے گرا دیا جس کے سبب بیبیوں میں کہرام برپا ہو گیا۔

گریہ و بکا کی آوازیں سن کر حضرت امام حسینؑ میدان کارزار سے خیمے میں تشریف لائے جناب ام ربابؑ حضرت علی اصغرؑ کو اپنے ہاتھوں پر لئے امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ امام حسینؑ نے آگے بڑھ کر حضرت علی اصغرؑ کو ماں کی گود سے لے کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ بچہ پیاس کی شدت سے بے

حال تھا۔ گردن ڈھلکی ہوئی تھی۔ ننھا بچہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر اپنی زبان کو پھیر رہا تھا۔ حضرت علی اصغرؑ نے ماں کی طرف دیکھا اور اشارے اشارے میں کہنے لگے۔

'میری ماں تم میرا غم نہ کرنا۔ اپنی آنکھوں کو بھی نم نہ کرنا'

حضرت امام حسینؑ نے حضرت علی اصغرؑ کو اپنی عبا کے دامن کے سائے میں لیا اور میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ دشمن یہ سمجھے کہ امام حسینؑ قرآن لا رہے ہیں اور اسی کے واسطے سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ مگر دشمنوں کے سامنے پہنچ کر امام حسینؑ نے جب عبا کا دامن ہٹایا تو ظالموں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ایک چاند کا ٹکڑا تھا جو دن کی روشنی میں بھی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔

امام نے ظالموں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ 'اے ظالمو! میں تمہارے نزدیک گناہ گار سہی، مگر اس معصوم بچے کی کیا خطا ہے کہ تم نے اس پر پانی بند کر رکھا ہے۔ اس کی ماں کا دودھ خشک ہو گیا پیاس کی شدت سے یہ بچہ جان بہ لب ہے اس پر رحم کرو اور اسے پانی پلا دو۔'

یزیدیوں کی طرف سے جب کوئی جواب نہ ملا تو امام حسینؑ نے علی اصغرؑ کے پھول سے مرجھائے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ 'بیٹا تم ساقیٔ کوثر کے پوتے ہو۔ خود ہی حجت تمام کر لو۔' بچے نے خشک ہونٹوں پر اپنی زبان پھیری تو ادھر یزید کا لشکر منہ پھیر کر رونے لگا۔ عمر سعد نے یہ حال دیکھا تو اسے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں فوج بغاوت نہ کر دے۔ اس نے حرملہ کو للکار

کر کہا۔ "کیا دیکھتا ہے حسینؑ کے کلام کو قطع کر دے۔"

حرملہ نے پہلے بچے کی کمسنی کو پھر اپنے بازوؤں کی طاقت کو دیکھا اور ایک تیر جس کا وزن بچے کے وزن سے زیادہ تھا۔ چلۂ کمان میں چڑھایا۔ تین بھال کا یہ تیر علی اصغرؑ کہ رگ کو کاٹتا ہوا امام حسینؑ کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ بچے نے مسکرا کر فاتحانہ انداز سے بابا کے چہرے کو دیکھا اور شہادت سے ہمکنار ہو گیا۔ امام حسینؑ نے علی اصغرؑ کے خون کو اپنے چہرے پر ملا اور ذوالفقار کی مدد سے ایک ننھی سی قبر کھود کر علی اصغرؑ کو سپرد خاک کر دیا۔

حضرت علی اصغرؑ کو نذر راہ خدا میں پیش کرنے کے لئے امام حسینؑ کے پاس کوئی ایسی قربانی نہ بچی جسے امام حسینؑ بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے۔ حضرت امام حسینؑ نے اپنے نانا کے اس قول کو سچ کر دکھایا۔ "حسینؑ کو میری جرات و سخاوت میراث میں ملی ہے۔" (رسول اللہ ﷺ)

تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بعد امام حسینؑ غمزدہ، دل شکستہ، تشنہ و گرسنہ ہونے کے باوجود تن تنہا جب تلوار کھینچ کر فوج مخالف پر حملہ آور ہوئے تو تمام گزشتہ بہادروں کے کارنامے محو ہو گئے اور انسانی حافظے میں قیامت تک اس شجاعت و جرات کی تصویر محفوظ رہ گئی۔ ہزاروں کی فوج آپؑ پر ٹوٹ پڑی اور آپؑ پر تیروں اور نیزوں کی بارش ہونے لگی۔ آپؑ گھوڑے کی پشت سے فرس پر تشریف لائے۔ شمر نے للکارا کہ آخر اب کیا انتظار ہے آخر مالک بن نسر یدی آگے بڑھا اور امامؑ کے سر پر تلوار لگائی جو کاسۂ سر تک پہنچ گئی۔ سچائی کی گردن قلم ہوئی اور شہید حق، شہید انسانیت، شہید راہ خدا کا سر نیزہ پر بلند ہو گیا۔ ۱۰

محرم ۶۱ھ کی وہ یادگار تاریخ جمعہ کا دن تھا کہ انسانی تاریخ کا یہ سب سے اہم واقعہ رونما ہوا۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ایک طرف تو اہل حرم میں کہرام برپا تھا اور دوسری طرف یزیدیوں نے خیموں میں آگ لگا دی تھی۔ شہزادیوں کے سروں سے چادریں چھینی جا رہی تھیں۔ بیمار کا بستر اور حضرت علی اصغرؑ کا جھولا جل رہا تھا۔ جناب ام ربابؑ نے بڑی حسرت سے علی اصغرؑ کے جھولے کو جلتا ہوا دیکھ کر کہا

اے میرے لال اے میرے اصغرؑ
جل گیا اب تو جھولا بھی دلبر
اشکوں کے رو کے کیسے یہ مادر
اے میرے لال اے میرے اصغرؑ

یہ جناب ام ربابؑ ہی کا دل تھا کہ انہوں نے اپنے شیر خوار بچے کی لاش کو عجیب انداز میں تلاش کرتے ہوئے لعینوں کو دیکھا۔ فوج یزید کے کئی شہسوار اپنے نیزوں کو زمین میں پیوست کر کر کے ننھے سے لاشے کو تلاش کر رہے تھے۔ پھر وہ منظر بھی دکھیاری ماں نے دیکھا کہ جب ننھا سا لاشہ ایک لعین کے نیزے میں پیوست ہو کر زمین سے نکلا پھر اس لاشے کا سر تن سے جدا کر کے نیزے پر بلند ہوتے بھی دیکھا۔ صبر ایوبؑ بھی اس ماں کے صبر کو دیکھ کر کانپ اٹھا ہو گا۔ اللہ اللہ مادر گرامی حضرت علی اصغرؑ جناب ام ربابؑ کا صبر۔

جناب سکینہؑ بنت حسینؑ

جناب خاور عثمانی ابن اسحاق ہمدانی کی کتاب "مستقل الاسلام" کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ:

"حضرت سکینہؑ بنت الحسینؑ بروز عید مباہلہ بتاریخ ۲۴ /ذی الحجہ ۵۶ھ کو مدینہ منورہ میں متولد ہوئیں اور جس وقت آپ اپنی مادر گرامی ربابؑ کے ہمراہ کربلا کے سفر پر روانہ ہوئیں اس وقت آپ کی عمر ۳ سال ۷ ماہ ۴ یوم کی تھی اور آپ کے بھائی علی اصغرؑ یا عبداللہ کل ۸ اون کے تھے۔"

علامہ صدر الدین واعظ قزوینی "ریاض القدس" میں تحریر فرماتے ہیں

"حضرت امام حسینؑ اپنے ہر بیٹے کا نام "علی" اور ہر بیٹی کا نام "فاطمہ" رکھتے تھے، نیز ان میں امتیاز کے لئے القاب معین فرماتے تھے جیسے علی اکبر، علی اوسط اور علی اصغر وغیرہ یا جیسے فاطمہ کبریٰ اور فاطمہ صغریٰ وغیرہ۔ اسی طرح حضرت سکینہؑ کا نام بھی فاطمہ اور لقب سکینہؑ تھا۔"

الحضارۃ الاسلامیہ میں ہے کہ جب حضرت سکینہؑ متولد ہوئیں تو امام حسینؑ نے آپ کا نام فاطمہ اور رباب نے رقیہ تجویز فرمایا۔

صوفی بزرگ کریم عطا شاہ اپنی کتاب "تذکرۃ الصالحین" میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت سکینہؑ بنت حسینؑ کے اصل ناموں پر پردہ ڈالنے کے لئے اموی اور عباسی دور کے بعض مورخین نے آپ کا نام امینہ، آمنہ اور امیمہ وغیرہ تحریر کیا ہے جو آل رسولؐ سے تعصب اور عداوت کا نتیجہ ہے۔"

شاہ صاحب اسی کتاب کے صفحہ ۹۷ پر رقم طراز ہیں:

امام حسینؑ کی طرف سے سکینہؑ کا نام فاطمہؑ اور ربابؑ کی طرف سے رقیہ تجویز ہوا سکینہؑ آپ کا لقب تھا اور اسی لقب سے آپ مشہور ہوئیں۔

لفظ سکینہؑ کے بارے میں علماء کی صراحت ہے کہ اصل لفظ سکینہؑ ہے جو کثرت استعمال کی بنا پر سکینہؑ مستعمل ہو گیا اس لفظ کے لغوی معنی سکون آرام اور راحت کے ہیں شاید اسی لئے امام حسینؑ آپ کو پیار سے سکینہ کہتے تھے کیونکہ اس بچی کی قربت سے آپ کو دلی سکون ملتا ہے۔

دنیا میں تشریف لانے کے بعد سیدہ سکینہؑ کو پہلی غذا جو فراہم ہوئی وہ حضرت امام حسینؑ کے لعاب دہن پر مشتمل تھی۔ چنانچہ علامہ ابو البرکات عبد اللہ احمد بن محمود (المتوفی ۱۰۷ء) کا بیان ہے کہ ولادت کے بعد جناب سکینہؑ نے دو دن تک اپنی ماں کا دودھ نہیں پیا جس کی وجہ سے جناب رباب سخت متفکر و پریشان ہوئیں تیسرے دن اس واقعہ کی اطلاع جب امام حسینؑ کو ہوئی تو آپ تشریف لائے اور فرمایا اے ربابؑ! میری بچی کو تھوڑی دیر کے لئے مجھے دے دیجئے۔ جناب ربابؑ نے حکم کی تعمیل کی۔ امام نے سکینہؑ کو آغوش میں لیا سینے سے لگایا پیار کیا پیشانی کو بوسہ دیا اور کان میں کچھ کہا اس کے بعد اپنی زبان مبارک بچی کے دہن میں دے دی جناب سکینہؑ ایک طرف زبان امامت چوس کر سیراب

ہو رہی تھیں اور دوسری طرف امام کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ رباب کی نظر امامؑ کے چہرے پر پڑی۔ گھبرا کر پوچھا اے آقا کیا اس بچی کی ولادت آپ کے اس کرب و اضطراب کا سبب ہے؟ فرمایا رباب! میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک دن یہی بچی بے آب و گیاہ میدان میں تین دن کی بھوکی پیاسی خالی کوزہ ہاتھ میں لیے العطش العطش کی صدائیں بلند کر رہی ہو گی اور نرغۂ اعدا میں اس کی فریاد سننے والا کوئی نہ ہو گا۔ اس کے بعد آپ نے کربلا میں رونما ہونے والے مصائب و آلام کا تذکرہ فرمایا جسے سن کر جناب ربابؑ اس قدر روئیں کہ بے ہوش ہو گئیں۔

جناب سکینہؑ علوی گھرانے کی سب سے چھوٹی باپ اور چچا کی چہیتی بھائیوں اور بہنوں کی پیاری نیز ماں اور پھوپھو کی دلاری تھیں۔ بچی وراثت میں آپ نے وہ تمام خوبیاں پائی تھیں جو علیؑ مرتضیٰ و فاطمہ زہراؑ کی پوتی حسن مجتبیٰؑ اور عباسؑ کی بھتیجی اور حسینؑ ایسے عظیم المرتبت باپ کی عظیم بیٹی کو مل سکتی تھیں۔ مستزاد یہ کہ امام حسینؑ ایسے باپ عباسؑ ایسے چچا ربابؑ ایسی ماں اور زینبؑ ایسی پھوپھی کی تربیت سونے پر سہاگہ تھی جس کی بدولت آپ کی معصومانہ سرشت اور حسن سیرت میں چار چاند لگ گئے تھے۔

کم سنی کے آئینہ میں اگر آپ کی خورد سال شخصیت کو غور و فکر کی نظروں سے دیکھا جائے تو دو تصویریں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ ولادت کے بعد ابتدائی دو تین برسوں میں آپ ایک ایسی ذہین اور صالح بچی کے روپ میں نظر آتی ہیں جو اپنی خاندانی عظمتوں پر فخر و ناز بھی کرتی ہے۔ نیز مدینہ سے ہجرت کے بعد سفر کی صعوبتوں اور مصیبتوں پر حیران و پریشان بھی نظر آتی ہے۔ لیکن جیسے جیسے کتاب

کربلا کے خونیں اوراق پلٹتے ہیں اور مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں آپ میں سنجیدگی، متانت، بردباری، قوت برداشت اور پختگی پیدا ہونے لگتی ہے اور یہ کوئی حیرت انگیز و تعجب خیز بات نہیں ہے۔ زندگی کا گہری نظر سے مشاہدہ کرنے والے اور سیرت کی باریکیوں کو سمجھنے والے یہ بات آسانی سے دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں کہ جن بچوں کو کٹھنائیوں مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ دوسرے بچوں کے مقابلے میں زیادہ حساس ذمہ دار اور سمجھ دار ہو جاتے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ ان میں شعور کی پختگی اور حالات کو سمجھنے و برداشت کرنے کی صلاحیت بھی اپنے ہم عمر بچوں سے زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔

سیدہ سکینہؑ کا کردار ابتدا میں جس انداز سے سامنے آتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ جس انداز میں ابھرتا ہے وہ ثابت کرتا ہے کہ آپ انتہائی کم سنی کے باوجود وقت اور حالات کی دھڑکن کو محسوس کرتی تھیں۔

محبت اور نفرت دو ایسی قلبی واردات ہیں جن کی تعبیر میلان نفس اور اغراض قلب سے کی جاتی ہے جب انسان کا دل کسی شے یا شخصیت کی طرف کھنچنے لگتا ہے تو اسے محبت کہتے ہیں اور جب دل منحرف ہو جاتا ہے تو اس کی تعبیر نفرت سے کی جاتی ہے۔

محبت اور نفرت جس طرح اپنے وجود میں اشیاء کی ان کیفیات و خصوصیات کی تابع ہیں جن کی بنا پر محبت یا نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح مقدار و منزل میں بھی انہی کی پابند ہیں انہی کیفیات سے ان کی حد بندی ہوتی ہے اور انہیں بنیاد پر ان کے درجات کا تعین ہوتا ہے۔ اس بنا پر وہ حقیقی ذات جو سب سے پہلے محبت کی مستحق

ہے پروردگار عالم کی ذات ہے جو صفات وافعال کے اعتبار سے کامل واکمل ہے۔ اس کی ہر صفت جمال و جلال و اس کا ہر نمونہ قدس و کمال اس کی ہر دلیل عظمت وبزرگی اس امر کی مقتضی ہے کہ اس سے محبت کی جائے اور ایسی محبت جس کی کوئی حدوانتہا نہ ہو۔

یوں تو ہر شخص کے دل میں خدا کی محبت بقدر علم و معرفت پیدا ہوسکتی ہے لیکن یہ محبت نتیجہ خیز اسی وقت ہوگی جب اس کا تعلق طرفین سے ہوگا اس لیے بندے کا فرض ہے کہ وہ اپنے اندر ایسے کمالات پیدا کرے کہ جس کی بنیاد پر خدا بھی اس سے محبت کرنے لگے جیسا کہ اس کا وعدہ ہے کہ:

"اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو نبیؐ کا اتباع کرو تاکہ اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے۔" (آل عمران۔۳۱)

ایسے محبان الوہیت کی جماعت میں سرفہرست مولائے کائنات حضرت علی بن ابی طالبؑ کا نام آتا ہے جن کو پیغمبر اسلامؐ نے جنگ خیبر کے موقع پر اسی صفت سے پہنچوایا تھا۔

"کل علم ایسے شخص کو دوں گا جو کرار غیر فرار ہوگا خدا اور رسولؐ اس کے دوست ہوں گے اور وہ خدا و رسولؐ کا دوست ہوگا۔"

ظاہر ہے کہ عبد اور معبود کے درمیان محبت کا رشتہ جب اتنا مستحکم و پائیدار ہوگا تو بندہ خدا کی کسی عنایت سے محروم نہ ہوگا۔ فضیلتیں اس کے گرد حلقہ بگوش ہوں گی اور تقرب کی وہ منزل ہوگی جس کی منظر کشی حدیث قدسی کے حوالے سے بخاری نے ان الفاظ میں کی ہے:

"میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے چاہنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کے لئے آنکھ کان ہاتھ اور پاؤں کا درجہ پیدا کرلیتا ہوں۔ میرے ہی ذریعہ وہ دیکھتا ہے میرے ہی ذریعہ سنتا ہے اور میرے ہی وسیلے سے قدم آگے بڑھاتا ہے۔"

پھر خدا کا یہی مقرب بندہ ایک "واسطہ" کی حیثیت پیدا کرلیتا ہے جس کے ذریعہ دوسرے لوگ بھی خدا سے قریب ہوتے ہیں۔ دنیاو آخرت کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اہل ایمان کی فلاح و نجات کا سامان فراہم ہوتا ہے۔ آسمان سے برکتیں نازل ہوتی ہیں اور یہی بندہ خدا کے بعد ساری کائنات میں محبوب بننے کا زیادہ حقدار ہے جیسا کہ بعض کتب صحاح میں آنحضرتؐ کا ارشاد ملتا ہے:

"خدا سے محبت کرو کہ وہ تمہیں رزق فراہم کرتا ہے، مجھؐ سے محبت کرو کہ خدا مجھ سے محبت کرتا ہے اور میرے اہل بیتؑ سے محبت کرو کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔"

خدا اور رسولؐ کے بعد محبت کے مستحق انسان کے والدین پھر اس کے اہل وعیال ہیں۔ حضرت امام حسینؑ اہل بیتؑ رسالت کی ایک نمایاں فرد ہونے کی حیثیت سے محبت کی اس منزل کمال پر فائز تھے جہاں فکر کی رسائی غیر ممکن ہے خدا کے بعد آپ کو اپنے نانا محمد مصطفیؐ، باپ علی مرتضیؑ اور ماں فاطمہ زہراؑ سے جو محبت تھی وہ تاریخ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اپنے عزیز و اقارب اور اہل و عیال سے بھی آپ کی محبت عام انسانوں کی محبت سے بلند تر تھی جیسا کہ واقعات

کربلا سے ظاہر ہے۔

یوں تو امامؑ کے دل میں اپنی ہر اولاد ہر عزیز ہر ناصر اور مددگار کے لیے محبت کا ایک بیکراں سمندر کروٹیں لے رہا تھا مگر خصوصی طور پر جو محبت آپ کو اپنی چھوٹی صاحبزادی جناب سکینہؑ سے تھی اس کی مثال زمانہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

جناب سکینہؑ یوں تو گھر بھر کی چہیتی تھیں مگر امامؑ انھیں بہت زیادہ چاہتے تھے اور یہ انسانی فطرت بھی ہے کہ باپ کی محبت کا رجحان بیٹی کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ پھر امام حسینؑ کے گھرانے کی یہ روایت بھی رہی ہے کہ آپ کے نانا حضرت رسولؐ خدا اپنی بیٹی جناب فاطمہ زہراؑ کو بے انتہا چاہتے تھے اور آپ کے پدربزرگوار حضرت علیؑ اپنی بیٹی زینب کبریٰؑ سے بے حد محبت فرماتے تھے۔

امام حسینؑ کو سیدہ سکینہؑ سے کتنی محبت تھی اس کا اندازہ مندرجہ ذیل روایات سے ہوتا ہے۔

۱) براہین ساباطیہ میں ایک روایت کے ذیل میں تحریر ہے:

سکینہؑ کی ولادت کے بعد امام حسینؑ نے شب عاشور تک اس بچی کو اپنے سینے سے جدا نہیں کیا۔

۲) تذکرۃ الصالحین جلد دوم میں ہے کہ:

حضرت سکینہؑ کی آرام گاہ ان کے باپ کا سینہ تھا جب تک وہ اپنے پدربزرگوار کے سینے پر سوتی نہیں تھیں انھیں نیند نہیں آتی تھی۔"

۳) میرزا عباس قلی خاں فرزند صاحب ناسخ التواریخ اپنی کتاب طراز المذ

ہب میں لکھتے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ کی کم سن سب بچی سکینہؑ اگر چند لمحوں کے لیے بھی ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی تو وہ بے چین ہو جاتے تھے"

۴) ڈاکٹر سید کلب صادق صاحب کا بیان ہے کہ:

سکینہ کا دستور تھا کہ جب نماز کا وقت آتا تو یہ بچی اپنے باپ کے لیے مصلی بچھا کر بیٹھ جایا کرتی تھی۔ چنانچہ جب عصر عاشور کی ساعت آئی تو سکینہؑ نے خیمہ کے اندر مصلی بچھایا مصلی تو بچھ گیا مگر حسینؑ نماز پڑھنے نہ آئے ایک مرتبہ سکینہؑ آگے بڑھیں اور مصلے پر بیٹھ گئیں، آنکھیں بند کر کے اور سر کے بال کھلے ہوئے فرماتی ہیں اے پالنے والے! ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے مصلی بچھایا ہو اور خالی رہ گیا ہو، کیا آج میرا بابا نماز پڑھنے کے لئے نہیں آئے گا؟ ادھر سکینہؑ دعا کر رہی تھیں، ادھر حسینؑ کا سر کربلا کے میدان میں کٹ گیا اور ایک مرتبہ سکینہؑ نے محسوس کیا کہ جیسے کوئی آرہا ہے۔ سکینہؑ سمجھیں شاید حسینؑ آرہے ہیں۔ لیکن جب گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ ایک خونخوار شخص سامنے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے سکینہؑ! تم کیا دعا کر رہی تھیں کہ تمہارا بابا مصلے پر آجائے؟ لو تمہارا بابا آگیا۔ یہ کہہ کر اس شخص نے حسینؑ کا کٹا ہوا سر سکینہؑ کی گود میں ڈال دیا۔ بچی نے منہ پر منہ رکھا اور فرمایا بابا! آج اس شان سے تشریف لائے ہیں۔

۵) صاحب ریاض القدس کا بیان ہے کہ:

عاشور کے دن عصر کے وقت جب شہیدوں کا امتحان تمام ہوا تو اسیروں کا امتحان شروع ہوا۔ ۱۰ محرم کی رات بڑی بے چینی سے گزری، خیمے جل چکے تھے

سے بچے پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ سو چکے تھے سید سجادؑ سجدہ شکر میں تھے زینبؑ
لٹے ہوئے قافلے کی نگرانی کر رہی تھیں کہ انھوں نے دیکھا ملعون کچھ بے کجاوہ
اونٹوں کے ہمراہ آگے بڑھ رہا ہے۔ قریب پہنچ کر اس نے کہا اے حسینؑ کے اہل
بیتؑ! تم لوگ ہماری قید میں ہو لشکر اب یہاں سے کوچ کرنے والا ہے تمہیں بھی
چلنا ہے اٹھو تمہیں اونٹوں پر سوار کردوں۔ فاطمہؑ کی غیرت دار بیٹی زینبؑ آگے
بڑھیں، فرمایا اے شمر! تو ہٹ جا ہم سیدانیاں ہیں رسول کی نواسیاں ہیں اور فاطمہؑ
کی بیٹیاں ہمیں کوئی نا محرم سوار نہیں کر سکتا ہم خود سوار ہو جائیں گے۔ یہ کہہ کر
حسینؑ کی غمزدہ بہن نے اونٹوں کو بٹھایا اور آواز دی ربابؑ! آؤ میں تمہیں سوار کردوں
ام لیلیٰؑ آؤ تمہیں سوار کردوں ام کلثوم آؤ بہن سوار کردوں سکینہؑ اٹھو میں سوار
کرلوں ایک ایک کو سوار کیا آخر میں فضہؓ سے فرمایا فضہؓ آؤ تمہیں بھی سوار
کردوں۔ فضہؓ نے کہا شاہزادی میں خود ہی سوار ہو جاؤں گی فرمایا نہیں فضہؓ تمہیں
میری ماں کے حق کی قسم آؤ تاکہ میں تمہیں سوار کردوں غرض کہ سب سوار
ہوگئے زینبؑ اکیلی رہ گئیں انھیں سوار کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے
میدان کارزار کا رخ کیا فرمایا۔ عباسؑ! اکبر! قاسم! عون و محمد! اٹھو زینبؑ سر
برہنہ کھڑی ہے اور اسے سوار کرانے والا کوئی نہیں ہے بیڑیوں اور زنجیروں میں
جکڑا ہوا بیمار بھتیجہ آگے بڑھا پھوپھی اماں ابھی میں زندہ ہوں امامؑ نے سہارا دیا اور
زینبؑ بھی سوار ہوگئیں۔ ابھی قافلہ قتل گاہ سے تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ شمر
ملعون اپنے کچھ سنگدل ساتھیوں کے ساتھ اہل حرم کے قریب آیا اور اس نے کہا
ہم نے سنا ہے کہ ان قیدیوں میں حسینؑ کی ایک کم سن بچی بھی ہے جس سے وہ بے حد

محبت کرتے تھے اور وہ بھی اپنے باپ کے سینے پر سوتی تھی۔ بتاؤ وہ کون ہے؟ کسی
ظالم نے کہا اس کا نام سکینہؑ ہے اور وہ اپنی پھوپھی کے ہمراہ اونٹ پر سوار ہے۔ شمر
ملعون نے کہا ہر اونٹ پر دو دو قیدی آسانی سے چل سکتے ہیں مگر چونکہ حسینؑ اس بچی
کو دل و جان سے چاہتے تھے اس لیے ہم نے طے کیا ہے یہ تنہا اونٹ پر سفر کرے گی
۔ دشمنوں نے بڑھ کر سکینہؑ کو پھوپھی کی گود سے چھین لیا ایک ظالم نے ایک
سرکش اونٹ پر بٹھا کر ننھی ننھی کلائیاں رسی سے جکڑ دیں۔ سکینہؑ تڑپنے لگیں کسی
نے کہا اسے چھوڑ دو یہ بہت کم سن ہے اور تنہا اونٹ پر سفر کرنے کے قابل نہیں
ہے۔ شمر لعین نے آگے بڑھ کر اونٹ کو بٹھایا اور سکینہؑ کو پیٹ کے بل اس اونٹ
کی برہنہ پیٹھ پر لٹا کر رسی سے کس کے باندھ دیا اونٹ چلا اس کی رگڑ سے سکینہؑ کا
سینہ چھلنے لگا۔ زخم گہرے ہوئے اور پیرہن کے ساتھ اونٹ کی پشت مظلوم بچی
کے خون سے تر ہوگئی سکینہؑ فریاد کر رہی تھیں اے بابا! آپ مجھے اپنے سینے پر
سلاتے تھے آج آپ کے بعد مجھ پر رحم کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

یہ روایت بھی باپ اور بیٹی کی محبت پر بھرپور دلالت کرتی ہے کہ جب
اہل حرم کا لٹا ہوا پریشان حال اور رسن بستہ قافلہ سر برہنہ یزید بن معاویہ کے
بھرے دربار میں داخل ہوا تو اس کے استفسار پر جناب سکینہؑ کے بارے میں اسے
بتایا گیا کہ یہ سکینہؑ بنت حسینؑ ہے تو وہ ملعون اس بچی کی طرف مخاطب ہوا اور اس
نے کہا اے سکینہؑ! میں نے سنا ہے کہ تمہارا باپ تم سے بے انتہا محبت کرتا تھا کیا یہ
سچ ہے؟ یزید کے اس سوال کے جواب میں ڈری سہمی سکینہؑ اپنی جگہ خاموش
کھڑی رہی۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری تھے کیونکہ وہ دیکھ رہی تھی

کہ اس کے شفیق و مشفق باپ کا کٹا ہوا سر یزید کے سامنے ایک طشت میں رکھا ہے
۔یزید ملعون نے پھر کہا اے سکینہؑ میں اس وقت یقین کروں گا کہ تمھارا باپ تمھیں
بے حد چاہتا تھا جب تم اسے آواز دو اور اس کا کٹا ہوا سر تمھاری گود میں چلا آئے۔
بچی بدستور سر جھکائے خاموش کھڑی رہی۔ اتنے میں شمر کا تازیانہ بلند ہوا اور
سکینہؑ تڑپ گئیں جلے ہوئے کرتے کا دامن پھیلایا لبوں کو جنبش ہوئی فرمایا اے بابا!
ظالموں کے دربار میں ہماری محبت کا امتحان لیا جارہا ہے۔ آپ کو میری قسم میری
گود میں آجایئے۔ آپ کی دکھیاری بیٹی سکینہؑ آپ کو آواز دے رہی ہے۔

روایت کہتی ہے کہ سر حسینؑ ایک مرتبہ طشت سے بلند ہوا اور سکینہؑ کی
گود میں آگیا یہ دیکھ کر اسیروں میں ایک کہرام بپا ہو گیا۔ آسمان بھی اس دل خراش
منظر کو دیکھ رہا تھا کہ کم سن بچی کی گود میں اس کے باپ کا کٹا ہوا سر ہے اور وہ
فریاد کر رہی ہے کہ اے بابا! آپ کی بیٹی بھوکی اور پیاسی برہنہ اونٹ پر اس طرح
دربدر پھرائی گئی کہ اس کا سارا جسم لہولہان ہے۔ اے بابا! میرے گوشوارے اس
طرح چھینے گئے کہ کان زخمی ہیں۔ اے بابا! شمر نے جو تازیانے اور طمانچے
مارے ہیں ان کے نیل میری پشت اور رخساروں پر موجود ہیں اے بابا! آپ کے بعد
زندگی کے کرب و اضطراب کے سوا کچھ نہیں ہے مجھے بھی اپنے پاس بلا لیجئے۔

جناب سکینہؑ کی ولادت کے وقت آپ کے پدر بزرگوار کے علاوہ پنجتنؑ
میں کوئی باقی نہ تھا۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد سے معاویہ کی تمام تر کوششیں
اس امر پر مرکوز تھیں کہ وہ امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالب اور امام حسنؑ
کی طرح امام حسینؑ کا چراغ زندگی بھی گل کر دے۔ ان کی اس جدوجہد کا بنیادی

مقصد یہ تھا کہ وہ خلافت یزید کے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔

آخر کار اس نے ۵۶ھ میں ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ یزید کی ولی
عہدی پر بیعت حاصل کرنے کی غرض سے حجاز کا سفر اختیار کیا اور جب مدینہ
منورہ کے قریب پہنچا تو سب سے پہلے اس کی ملاقات حضرت امام حسینؑ سے ہوئی
اس نے یزید کی بیعت کا ذکر کیا۔ آپ نے اس کی بدکرداری کا حوالہ دے کر صاف
لفظوں میں انکار کر دیا اس انکار پر برہم ہوتے ہوئے اس نے کہا اے حسینؑ میرے
نزدیک تم قربانی کا ایک دنبہ ہو جس کا خون جوش کھا رہا ہے خدا کی قسم یہ خون
ضرور بہایا جائے گا۔

امام نے فرمایا چپ رہو اور اپنی زبان کو قابو میں رکھ ہم آل رسولؐ ایسے
کلمات کے سزاوار نہیں ہیں۔ پھر اس کی ملاقات ابن زبیر سے ہوئی انھوں نے یزید
کی بیعت سے انکار کیا تو اس نے کہا اے ابن زبیر! تم اس سورما کی طرح ہو جو سوراخ
کے اندر اپنا منہ ڈال کر دم ہلاتا رہتا ہے خدا کی قسم عنقریب یہ دم پکڑ لی جائے گی
۔اس کے بعد وہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر سے ملا اور ان کے روبرو یزید کی بیعت کا سوال
رکھا۔ انھوں نے کہا، تیرا بیٹا فاسق و فاجر و بد کردار ہے اس کی بیعت کا کیا سوال۔ اس
پر اس نے عبدالرحمٰن کو برا بھلا کہا اور کہا کہ سٹھیا گیا ہے تیری عقل جاتی رہی ہے
دور ہو جا میرے سامنے سے۔ اس کے بعد معاویہ نے عبداللہ بن عمر سے ملاقات
کی اور ان کے ساتھ بھی اس نے ایسا ہی ناروا سلوک کیا۔

انکار و ملاقات کی ان منزلوں سے گزر کر معاویہ مدینہ شہر میں داخل ہوا
وہاں اس نے لوگوں کو ڈرایا دھمکایا اور قتل کی دھمکیاں دیں۔ حضرت عائشہؓ نے

جب یہ سنا تو غصہ کی حالت میں معاویہ کے پاس گئیں اور اس سے کہا اے معاویہ تو
نے میرے بھائی محمد بن ابو بکر کو زندہ آگ میں جلوایا اب میرے دوسرے بھائی کی
جان کا دشمن ہوا ہے حالانکہ تو ان لوگوں میں سے ہے جنہیں رسول اللہؐ کے رحم و
کرم سے فتح مکہ کے موقع پر قتل سے آزاد کر دیا تھا۔

جب معاویہ حضرت امام حسینؑ ابن عباس ابن زبیر عبداللہ بن عمر اور عبد
الرحمن بن ابو بکر وغیرہ کو ڈرانے دھمکانے اور خوفزدہ کرنے میں ناکام رہا تو اس نے
دولت کا آخری حربہ استعمال کیا چنانچہ اس نے حضرت عائشہؓ کے بھائی عبدالرحمن
بن ابو بکر کے پاس ایک لاکھ درہم روانہ کیے تاکہ وہ انھیں خرید سکے مگر
عبدالرحمن نے اس کی اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم
دولت دنیا کے عوض اپنا دین فروخت نہیں کرتے۔ اس واقعہ کے بعد وہ مدینہ
چھوڑ کر مکہ کی طرف ہجرت کر گیا۔

معاویہ نے عبداللہ بن عمر کو بھی ایک لاکھ درہم روانہ کئے انھوں نے
بھی جواب دیا کہ میرا دین دولت سے زیادہ قیمتی ہے عبدالرحمن بن ابو بکر اور عبداللہ
بن عمر کی طرح حضرت امام حسینؑ نے بھی معاویہ کی اس احمقانہ پیش کش کو
ٹھکراتے ہوئے اس کی زرداری کو اس کے منہ پر مار دیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ یزید کی ولی عہدی کے لئے معاویہ کی یہ کوشش
اکابرین اسلام کی نظروں میں اصول شریعت اور آئین اسلام کے خلاف تھی۔
اس کے علاوہ امام حسنؑ کے ساتھ صلح کی شرائط میں یہ بات طے ہو چکی تھی کہ
معاویہ کو اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا اور خلافت آل

رسولؐ کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ لہٰذا اس اعتبار سے بھی معاویہ کے لئے اپنے
بیٹے کو نامزد کرنا کسی بھی زاویے سے درست نہ تھا۔ شاید اسی لیے حضرت عائشہؓ نے
بھی معاویہ سے یہ فرمایا تھا کہ عہد نامہ کے خلاف اقدام کیسا؟ کیا تجھ سے پہلے
شیخین نے بھی اپنے بیٹوں کی بیعت کا مطالبہ کیا تھا۔

بہر حال مدینہ میں اپنی ناکامی کے بعد معاویہ غم و غصہ اور شرمساری کا
طوفان اپنے دل میں دبائے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر مناسک حج
سے فراغت کے بعد اس نے حضرت امام حسینؑ، عبدالرحمن بن ابو بکر، عبداللہ
بن عمر اور ابن زبیر سے (جو حج کی غرض سے وہاں موجود تھے) یزید کی بیعت حاصل
کرنے کی ایک آخری کوشش اور کی۔ چنانچہ جب اس کا قافلہ شام کی طرف واپسی
کے لئے تیار ہو چکا تھا اور تمام ساز و سامان لپیٹ لیا گیا تو اس نے کعبۃ اللہ کے
قریب ایک منبر رکھوایا اور یہ منادی کرائی کہ وہ تمام مسلمان جو اس حج کے موقع پر
مکہ میں موجود ہیں اس کی تقریر سننے کے لیے جمع ہو جائیں۔ اس اجتماع میں
خصوصی طور پر اس نے حضرت امام حسینؑ، عبدالرحمن بن ابو بکر، ابن عمر اور ابن
زبیر کو طلب کیا اور جب یہ لوگ آگئے تو وہ منبر پر گیا اور اس نے مجمع عام میں ان
لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

یزید آپ حضرات کا بھائی اور ابن عم ہے میری خواہش یہ ہے کہ اسے
اپنے بعد خلافت کے لیے پیش کر دوں اور یہ شرط عائد کر دوں کہ خلیفہ وہ رہے
لیکن امور سلطنت آپ حضرات کے ہاتھوں میں رہے۔

یہ سن کر ابن زبیر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا ہم تمہیں تین

باتوں میں سے ایک بات کا حق دیتے ہیں اول یا تو وہ صورت اختیار کرو جو وفا[illegible]
رسولؐ کے بعد رونما ہوئی یعنی مسئلہ خلافت کو لوگوں پر چھوڑ دو۔ دوسرے یا تو
طریقہ اختیار کرو جو خلیفہ اول نے کیا تھا یعنی خلافت کو اپنی اولادوں اور خاند[illegible]
سے ان کی طرح دور رکھو۔ تیسرے وہ طریقہ ہے جو خلیفہ ثانی نے اختیار کیا
یعنی خلیفہ کے انتخاب کا معاملہ ایک کمیٹی کی تشکیل کے بعد اس کے سپرد کر دو۔

ابن زبیر کی اس تجویز پر عمل پیرا ہونا معاویہ کے لیے ناممکن تھا اس [illegible]
اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی غیظ و غضب کی حالت میں اس نے تحکمانہ [illegible]
اختیار کیا اور کہا جو کچھ بھی میں کہہ رہا ہوں اس کی مخالفت اگر تم میں سے کسی [illegible]
کی تو اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے حکم دیا کہ ان لوگو[illegible]
میں سے ہر ایک پر دو دو مسلح فوجی مقرر کر دیے جائیں اور اگر اختلاف کا ایک [illegible]
بھی ان کی زبان سے نکلے تو انھیں فوراً قتل کر دیا جائے۔ لیکن بزور شمشیر بیعت
حاصل کرنے کا یہ خیال بھی معاویہ کے حق میں سود مند ثابت نہ ہوا اور بالآخر مجبو[illegible]
اسے اپنا سامنہ لے کر شام کی طرف کوچ کر جانا پڑا۔

امام حسینؑ ایک مستحکم استقلال کے ساتھ اپنے موقف میں بہ ہر منزل
ثابت قدم رہے۔ آپ نے نہ تو یزید ایسے فاسق و فاجر کی ولی عہدی قبول کی اور نہ
ہی معاویہ کی سلطانی سے مرعوب ہو کر اس کی بیعت کی یہاں تک کہ معاویہ اس
حسرت کو لیے ۶۰ھ میں اپنے سیاہ اعمال کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گیا۔
جناب سکینہؑ چونکہ امام وقت کی بیٹی تھیں اس لئے غیر معمولی قوت شعور کی بنا پر
آغوش مادر سے ان غیر معمولی حالات کی تلخی کو اپنے پدر بزرگوار کی اضطرابی

کیفیت کے پس منظر میں دیکھ رہی تھیں اور اس کے ساتھ ہی ایک ایسے کردار
عطش کی تعمیر میں مصروف تھیں جو کربلا کے میدان میں آپ کی انتہائی کم سنی اور
خورد سالی کے باوجود عزم و ثبات اور صبر و استقلال کا مکمل آئینہ ہو۔

مذکورہ حالات کے پیش نظر امام حسینؑ کے لئے اب مدینہ میں قیام ممکن
نہ تھا۔ اس لئے آپ نے صبر و تحمل کے ساتھ ترک وطن کا ارادہ کیا۔ اور اپنے نانا (
حضرت رسول خدا صلعم) کی قبر مطہر پر تشریف لے گئے ان سے اپنا درد دل بیان
کیا اور بے انتہا روئے۔ جب صبح صادق نمودار ہونے لگی تو پلٹ کر گھر آئے۔ آپ
نے دوسری رات پھر مناجات میں جاگ کر بسر کی اور رخصت آخر کے لئے سب
سے پہلے اپنی مادر گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ کی قبر پر گئے۔ انھیں سلام کیا قبر سے
جواب سلام آیا۔ پھر اپنے بھائی حسن مجتبیٰؑ کی لحد پر حاضری و گریہ و زاری کے بعد نانا
کے مزار اقدس پر آئے اور فرمایا نانا جان! میں آپ کا وہ نواسہ ہوں جس کے لئے
آپ نے امت سے وصیتیں فرمائی تھیں لیکن لوگوں نے انھیں فراموش کر دیا اور
اب میرے قتل پر آمادہ ہیں۔ اس کے بعد آپ لحد اقدس سے لپٹ کر مصروف
گریہ و مناجات ہوئے۔ رات کے کسی حصہ میں آپ کی آنکھ لگ گئی۔ خواب میں
دیکھا کہ آنحضرتؐ ملائکہ کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ انھوں
نے پیشانی و گردن کا بوسہ دیا اور فرمایا کہ اے فرزند! عنقریب میری امت کے
منحرف اور ظالم لوگ کربلا میں تین دن کا بھوکا پیاسا تجھے قتل کر دیں گے۔ اس
کے بعد آپ نے صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ اے فرزند! ہم تیرے انتظار میں ہیں

امامؑ بیدار ہوئے، دولت سرا میں تشریف لائے اور اپنے جملہ متعلقین
سے اپنا خواب بیان کیا جسے سن کر اہل حرم میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ صاحب
تذکرۃ الصالحین رقم طراز ہیں کہ باپ سے لپٹ کر سکینہؑ اس قدر روئیں کہ بے
ہوش ہو گئیں ہوش میں آنے کے بعد امام نے بچی کو تسلی دی اور بمشکل تمام اپنی
آغوش سے جدا کیا۔

پھر امام حسینؑ نے ارادہ سفر راسک کیا اور ۲۸ رجب ۶۰ھ کو مدینہ سے
مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے مخصوص اعزاء جوانان بنی
ہاشم مخدرات عصمت و طہارت اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ غایۃ المقصود
میں ہے کہ اپنے باپ کے ساتھ سکینہ کا یہ پہلا اور آخری سفر ہجرت تھا۔

امام حسینؑ کی ایک صاحبزادی فاطمہ صغریٰ جن کی عمر اس وقت ۷ سال
کی تھی بوجہ علالت آپ کے ہمراہ نہیں جا سکیں ان کی تیمارداری اور دیکھ بھال کے
لئے آپ نے جناب ام البنین کو چھوڑ دیا تھا اور کچھ فریضہ خدمت جناب ام سلمہ
کے سپرد بھی کر دیا تھا۔

غرض کہ اہل کوفہ متواتر د مسلسل امامؑ کی خدمت میں خطوط اور عرضہ
اشتیں بھیجتے رہے مگر آپ نے انھیں قابل اعتماد نہیں سمجھا بالآخر ایک دن کوفہ سے
ایک سوار آیا اور اس نے امامؑ کی خدمت میں ایک ایسی عرضہ اشت پیش کی جس پر
بہت سے سربرآوردہ لوگوں کے دستخط تھے اور اس کا مضمون یہ تھا کہ یزید بن
معاویہ نے ہم پر ظلم و جور کے دروازے کھول دیئے ہیں ہم نے آپ کو صدہا خطوط
ارسال کئے کہ آپ یہاں تشریف لے آئیں ہم یزید کے مقابلہ میں آپ کی بیعت

اور مدد پر تیار ہیں۔

مگر آپ نے ہمارے خطوط کو قابل التفات نہیں سمجھا۔ اب ہم آپ کو
آپ کے جد (رسولؐ اللہ) کی قسم دیتے ہیں کہ آپ یہاں تشریف لائیں ورنہ کل
خدا کے سامنے ہم آپ سے شکوہ کریں گے اور کہیں گے کہ پروردگار حسینؑ نے
ہماری مظلومی کو نظر انداز کر کے ہم پر ظلم کیا ہے معلوم نہیں آپ اس کا کیا
جواب دیں گے۔

اس مکتوب کو پڑھ کر امامؑ خوف الٰہی سے کانپنے لگے۔ خلق کی مظلومی اور
اپنے جد کی قسم کا خیال کر کے آپ کی آنکھوں میں آنسو آئے۔ اہل کوفہ کو آپ نے
جواب میں تحریر فرمایا کہ بے شک تمھارے بکثرت خطوط مجھے دستیاب ہوئے اور
اب چونکہ تمھارے اس مکتوب نے تمھاری مظلومی کا یقین دلا دیا ہے لہذا میری ذمہ
داری ہے کہ میں تمھاری مدد کو پہنچوں اور انشاءاللہ میں جلد آؤں گا۔

جناب سکینہؑ کے پدر بزرگوار کی عظمت و شرافت اور غیرت نفس کا تقاضا
بھی یہی تھا کہ وہ آمریت اور استبدادیت کے بالمقابل مظلومیت کا ساتھ دیتے۔
چنانچہ انھوں نے اہل کوفہ کی اخلاص اور ان کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنے
چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو فوری طور پر اہل کوفہ کے نام ایک خط کے ساتھ کوفہ
کی طرف روانہ کر دیا۔

حضرت مسلم بن عقیل مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ گئے۔ وہاں ایک
رات قیام کر کے اپنے دو کم سن بچوں (محمد اور ابراہیم) کو ساتھ لیا اور سفر کی جان
لیوا صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے کوفہ پہنچے۔ وہاں آپ کی آمد کی خبر برق رفتاری

کے ساتھ عوام میں پھیلی اور وہ جماعت بہ جماعت آپ سے ملاقات کے لئے
آنے لگے۔ جب ایک کثیر مجمع اکٹھا ہو گیا تو آپ نے امام کا وہ خط جو اہل کوفہ کے نام
تھا۔ پڑھکر لوگوں کو سنایا جسے سن کر لوگوں میں جوش و خروش کے آثار نمودار
ہوئے اور تمام حاضرین نے امام کا ساتھ دینے کے لئے جاں نثاری کا عہد کیا۔
راوی کا بیان ہے کہ عابس بن ابی شبیب شاکری، حبیب بن مظاہر، سعید بن عبداللہ
اور دوسرے سربرآوردہ افراد نے بھی تقریریں کیں۔

اس کے بعد حضرت مسلم کے ہاتھ پر حضرت سکینہؑ کے والد ماجد
حضرت امام حسینؑ کی غائبانہ بیعت کا سلسلہ شروع ہوا اور بتدریج بڑھتا گیا۔
چنانچہ بیعت کرنے والوں کی جو تعداد بتائی گئی ہے وہ تمام اہل کوفہ پر مشتمل ہے۔
اس سے کم ایک لاکھ اس کے بعد اسی ہزار اور کم سے کم بارہ یا اٹھارہ ہزار ہے۔

اس بیعت کے ذیل میں اہل کوفہ کا مخلصانہ جوش دیکھ کر حضرت مسلم
نے جناب سکینہؑ کے پدربزرگوار کی خدمت میں عابس بن ابی شبیب شاکری کے
ہاتھ ۱۲ ذی قعدہ ۶۰ھ کو ایک خط روانہ کیا جس میں تحریر تھا:

"اس شہر کے حالات آپ کے حق میں پوری
طرح سازگار ہیں اور یہاں کے لوگ دل و جان سے آپ کی
اطاعت پر آمادہ ہیں۔ لہذا جس قدر جلد ممکن ہو آپ یہاں
کے لئے روانہ ہو جائیں۔"

حضرت مسلم کے اس خط کے علاوہ اہل کوفہ کی طرف سے بھی یکے بعد دیگرے
ہزاروں کی تعداد میں خطوط حضرت سکینہؑ کے والد ماجد کو دستیاب ہو چکے تھے جن

میں کوفہ آنے کی درخواست اور آپ کی مدد کرنے کی پیش کش کی گئی تھی۔ چنانچہ
ان خطوط سے اہل کوفہ کا موقف بھی واضح تھا نیز جناب مسلم نے جو خط لکھا تھا وہ
ایک عینی مشاہد اور خصوصی نمائندہ کی حیثیت سے لکھا تھا لہذا اب جناب سکینہؑ
کے والد کی یہ ذمہ داری تھی کہ انھیں عراق جانا چاہئے۔ اس کے علاوہ وہ اس
حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ یزید کے بھیجے ہوئے لوگ حاجیوں کے بھیس میں آپ
کے قتل کے ارادے سے مکہ میں داخل ہو چکے ہیں جو حج کے دوران عرفات میں
مشعر کی طرف واپسی کے درمیان منیٰ میں قربانی کے موقع پر مقام ابراہیم میں
نماز کے وقت یا کسی بھی منزل میں قاتلانہ حملہ کے مرتکب ہو سکتے ہیں اور ایسی
صورت میں حرم کی حرمت پر آنچ آنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

"کسی دوسری جگہ قتل ہونا میرے لیے بہتر ہے اس سے کہ میری وجہ
سے حرم کی بے حرمتی ہو"

دوسرے یہ کہ جناب سکینہؑ کے پدربزرگوار یزید کو ایک فاسق و فاجر اور
نالائق شخص خیال کرتے تھے۔ جس نے اپنے باپ معاویہ کی کوششوں، سازشوں
فریب کاریوں، ناجائز دباؤ، حکومت کے عمالوں کے اشتراک و تعاون اور اہل شام
کی حمایت سے ایک ایسا حق غصب کر لیا تھا جس کا وہ قطعی اہل نہ تھا۔ یزید کا
مسلمانوں پر تسلط اور اس کا دعوائے خلافت بہر حال ناجائز تھا۔ اس لئے کہ اموی
حکومت کی بنیاد اہل حل و عقد کے مشوروں، رسول اللہؐ کی قرابت یا اس کے
حکمراں کی شخصیت و شخصی قابلیت پر نہیں تھی اسی بنا پر اس کی ولی عہدی اور
جانشینی اصولی طور پر ایک بدعت تھی جسے کوئی بھی متدین مسلمان قبول

نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بدعت کو مٹانا اور فسق وفجور کو ختم کرنا یوں تو ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے مگر جناب سکینہؑ کے والد چونکہ رسول اللہؐ کے نواسے اور آپ کی شریعت کے نگہبان محافظ اور وارث تھے لہٰذا دوسروں کی بہ نسبت یہ ذمہ داری آپ پر زیادہ عائد ہوتی تھی۔

کسی ناجائز فعل کو روکنے میں تاخیر اسی وقت مناسب ہے جب روکنے والا شخص اسے روکنے کے لئے ضروری قوت وطاقت نہ رکھتا ہو۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ معاویہ کے مقابلہ میں بیس سال تک آپ خاموش رہے۔ لیکن اب جب کہ جناب سکینہؑ کے والد کو اہل کوفہ کی مدد واشتراک سے قوت حاصل ہو رہی تھی تو ان کا فرض تھا کہ مزید تاخیر کئے بغیر اس ناجائز فعل کو روکنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یزید کسی طرح بھی انھیں چھوڑنے والا نہیں جیسا کہ آپؑ نے فرمایا۔

خدا کی قسم وہ مجھے چھوڑنے والا نہیں اور مجھے قتل کئے بغیر ہاتھ نہ اٹھائے گا۔ اور جب وہ ایسا کر چکے گا تو خدا اس پر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا جو اسے ذلیل رسوا کر دیں گے۔

اگر میں بلوں میں پناہ لے لوں تو بھی وہ مجھے وہاں سے نکال لیں گے اور اپنا مقصد پورا کریں۔

مذکورہ اسباب ووجوہات کی بنا پر حضرت امام حسینؑ کو عازم عراق ہو جانا ہی چاہئے تھا کیونکہ آپ بھی اپنے والد ماجد حضرت علیؑ کی طرح مجاہد اسلام ومحافظ

شریعت تھے اور اپنے موقف میں اسلام کی بقا اور اللہ کی رضا کے طالب تھے۔

جناب سکینہؑ کے پدر بزرگوار کی شخصیت نہ تو سیاسی تھی اور نہ ہی آپ کو اقتدار کی خواہش تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر نے جب آپ کو یزید کے ساتھ مفاہمت ومصالحت کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا:

"کیا تجھے نہیں معلوم کہ دنیا بے اعتباری کی نشانی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت یحیٰؑ کا سر ایک زانی کے پاس بطور ہدیہ پیش کیا گیا تھا۔ خدا سے خوف کر اور میری نصیحت سے ہاتھ اٹھا۔"

لوگ امام حسینؑ کو متفقہ طور پر یہ مشورہ دے رہے تھے کہ آپ کسی اقدام میں جلدی نہ کریں کیونکہ جنگی اور اقتصادی طاقتیں آپ کے خلاف ہیں اور کوفہ کے لوگ ناقابل اعتماد ہیں آپ مکہ ہی میں قیام فرما رہیں یا پھر عراق کے علاوہ کسی اور شہر کی طرف چلے جائیں۔ سمجھانے اور مشورہ دینے والوں میں عبداللہ بن عباس، محمد بن حنفیہ عبداللہ بن، عمر سربن عبدالرحمٰن مخزومی، عبداللہ بن جعفر اور عبدالرحمٰن بن حرث وغیرہ کا نام آتا ہے مگر آپ نے ان میں سے کسی کا مشورہ قبول نہیں فرمایا اور حج کی تکمیل میں دو دن باقی تھے کہ آپ نے حج کو عمرہ سے بدل کر ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مکہ معظمہ سے روانگی اختیار فرمائی اس وقت جناب سکینہ کی عمر تقریباً چار سال ۸ یوم کی تھی اور آپ ان تمام نامساعد حالات سے بے خبر نہ تھیں۔

حج کے موقع پر قتل کیے جانے کا جو خطرہ تھا وہ بھی کھل کر سامنے آگیا جب مکہ سے روانگی کے بعد بیرون شہر عمرو بن سعید حاکم مکہ کی طرف سے ایک

فوجی دستہ عمر بن سعید کی سرکردگی میں حضرت سکینہؑ کے والد بزرگوار سے
مزاحم ہوا اور آپ کو واپس لے جانا چاہا۔ آپ نے انکار کیا، طرفین میں کچھ آویزش
ہوئی مگر حسینؑ کے جانباز ساتھی پوری قوت کے ساتھ اس مزاحمت کو روکنے پر
تیار تھے اس لیے عمرو بن سعید کے فوجیوں کو ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا اور قافلہ روانہ
ہو گیا۔

جس روز کا یہ واقعہ ہے اسی روز ایک طرف حضرت مسلم کوفہ میں شہید
کیے جا رہے تھے اور دوسری طرف جناب سکینہؑ اپنے بابا کے ہمراہ راہ غربت میں
محو سفر تھیں دینوری کا بھی یہی بیان ہے کہ جس دن حضرت مسلم کی شہادت واقع
ہوئی اسی دن امام حسینؑ اپنے اہل بیتؑ کے ہمراہ مکہ سے کربلا کی طرف روانہ ہوئے

یہ نورانی قافلہ سفر کی صعوبتوں سے گزرتا ہوا جب زرود کی منزل میں
داخل ہوا تو زہیر بن قین جو وہاں حج کی واپسی پر موجود خیمہ زن تھے اور عثمانی
مسلک سے وابستگی کی بنا پر حضرت سکینہؑ کے پدر بزرگوار سے اختلاف رکھتے تھے
مختصر سی گفتگو کے بعد اپنا نظریہ تبدیل کر کے ان کے ساتھ ہو لیے

زرود سے چل کر جناب سکینہؑ کے والد اپنے قافلے کے ساتھ دوسرے
دن شام کو ثعلبیہ کے مقام پر آرام کی غرض سے قیام فرما ہوئے۔ یہاں آپ کو
عبداللہ بن سلیم اور مذری بن مشمعل اسدی کی زبانی حضرت مسلم کی شہادت کا حال
معلوم ہوا۔

یہ خبر یقیناً امام اور مخدرات عصمت و طہارت کے لئے بڑی کربناک و
اندوہ ناک تھی۔ ایک طرف جناب مسلم کی شہادت کا غم اور دوسری طرف

مستقبل کی تمام امیدوں کے ختم ہو جانے کا صدمہ ظاہر ہے کہ آپ پر کیا گزری
ہو گی۔ تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ آپ نے تین مرتبہ انا للہ و انا الیہ راجعون کا
کلمہ زبان پر جاری کیا اور اہل حرم کے خیموں میں تشریف لے گئے۔ رقیہ نامی
حضرت مسلم کی ایک کم سن بچی تھی آپ نے اسے طلب فرمایا اس کے سر پر دست
شفقت پھیر اور معمول سے زیادہ ملتفت ہوئے اس نے پوچھا آپ آج اس قدر
محبت و شفقت کیوں فرما رہے ہیں کیا میرا باپ عالم غربت میں قتل کر دیا گیا؟ یہ
کلمات سن کر امامؑ ضبط نہ کر سکے اور بے اختیار رو دیئے۔ پھر اہل حرم کو یہ خبر معلوم
ہوئی اور ایک کہرام برپا ہو گیا۔

اس واقعہ کو بیشتر مورخین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے لیکن صاحب
تذکرۃ الصالحین تحریر فرماتے ہیں کہ جب مسلم بن عقیل کی شہادت کا حال امام
حسینؑ کو معلوم ہوا تو آپ انا للہ و انا الیہ راجعون فرماتے ہوئے حضرت
زینبؑ کے خیمے میں تشریف لائے اور مسلم کی یتیمہ بچی رقیہ کو طلب فرمایا۔ اس
کے سر پر دست شفقت پھیر اور معمول سے زیادہ اس کی طرف ملتفت ہوئے امام
کے پاس ہی سکینہؑ کھڑی تھیں انھوں نے یہ محبت و شفقت دیکھ کر فرمایا کہ بابا جان
اکیا رقیہ کے باپ کو کوفیوں نے قتل کر دیا؟ یہ کلمہ سن کر امام بھی رو دیے اور
مخدرات میں بھی کہرام برپا ہو گیا۔

امام تھوڑی دیر کے بعد خیمہ سے باہر آئے اور ان حوصلہ شکن حالات کا
از سر نو جائزہ لینے کے بعد جناب عقیل کی اولادوں سے فرمایا، اب تمھاری
کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا خدا کی قسم! جب تک ہم مسلم کے خون کا بدلہ نہ

چکالیں گے واپس نہیں جائیں گے۔

غرض کہ امام حسینؑ نے انتہائی رنج و غم اور کرب و اضطراب کے ساتھ ایک رات ثعلبیہ میں بسر کی فریضۂ سحری ادا کرنے کے بعد پانی کا ذخیرہ کیا اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب آپ کا قافلہ زبالہ کے مقام پر پہنچا تو آپ کو قیس بن مسہر اور عبداللہ بن یقطر کی شہادت کا حال معلوم ہوا۔ چنانچہ حالات کی اس تبدیلی و سنگینی کے بعد یہ ضروری ہو گیا کہ آپ اپنے رفیقوں اور ساتھیوں کو مستقبل کے بارے میں آگاہ کر دیں تاکہ کوئی شخص کسی طرح کی غلط فہمی میں نہ رہے۔

اس آگاہی کی ضرورت اس لئے بھی تھی کہ دوران سفر بہت سے قبائلی عرب محض اس خیال سے آپ کے ساتھ ہو گئے تھے کہ آپ کی کامیابی و کامرانی کو وہ یقینی سمجھتے تھے کیونکہ آپ ایک ایسے مقام کی طرف جا رہے تھے جہاں کے لوگ مجازی طور پر آپ کی حکومت تسلیم کر چکے تھے اور بہت سے لالچی قسم کے لوگ محض اس لئے ساتھ ہو گئے تھے کہ اگر جنگ ہوئی تو مال غنیمت ہاتھ آئے گا۔ چنانچہ آپ نے اپنے تمام مددگاروں کو ایک مرکز پر جمع کیا اور فرمایا:

مجھے یہ افسوسناک خبر ملی ہے کہ مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ، قیس بن مسہر، اور عبداللہ بن یقطر شہید کر دیئے گئے اور کوفہ والوں نے ہماری مدد سے ہاتھ اٹھا لیا ہے تم میں سے جو جانا چاہتا ہے وہ خوشی سے چلا جائے میں تمھاری گردنوں سے اپنی بیعت اٹھائے لیتا ہوں۔

اس خطبہ کے بعد جو گھٹیا قسم کے یا لالچی لوگ تھے وہ چلے گئے اور جو حق

پرست سچے اور امام پر جان نثار کرنے والے تھے وہ رہ گئے۔ غرض کہ مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ اور قیس عبداللہ کے غموں کی چھاؤں میں یہ قافلہ آگے بڑھا اور بطن عقیق کی منزل آئی اس منزل میں ایک شخص عمرو بن لوذان نامی (جو قبیلہ بنی عکرمہ سے تعلق رکھتا تھا) جناب سکینہؑ کے پدر بزرگوار سے ملا۔ اس نے بتایا کہ ابن زیاد نے قادسیہ اور عذیب کے درمیان تمام راستوں کی ناکہ بندی کرا دی ہے آپ واپس لوٹ جائیے اور کوفہ والوں پر بھروسا نہ کیجئے۔ امام نے اسے دعائے خیر دی اور اپنے مقصد کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ قادسیہ کے راستوں کی ناکہ بندی عمل میں آچکی ہے امام نے سمت سفر تبدیل کیا اور رات سراہ میں بسر کی۔ وہاں سے روانہ ہو کر شراف پہنچے اور بنی ہاشم کے نوجوانوں کو حکم دیا کہ تمام مشکیں اور چھاگلیں پانی سے بھر لی جائیں۔

محرم ۶۱ھ کا چاند نمودار ہو چکا تھا۔ پہلی محرم کی دوپہر تھی امام کا قافلہ آگے بڑھ رہا تھا کہ اصحاب میں سے کسی نے تکبیر کی آواز بلند کی۔ امام نے فرمایا بے شک اللہ سب سے بڑا ہے مگر اس تکبیر کا سبب کیا ہے؟ اس نے کہا مجھے ایک نخلستان دکھائی دے رہا ہے۔ اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا اس راستے پر کوئی نخلستان نہیں ہے تم کوئی اور چیز دیکھ رہے ہو۔ جب قافلہ آگے بڑھا اور اہل قافلہ نے خوب غور سے دیکھا تو ان میں سے ایک نے کہا میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ نیزوں کی انیاں اور گھوڑوں کی کنوتیاں ہیں۔

امام کو جب یقین ہو گیا کہ کوئی فوجی دستہ ہے جو ہماری طرف پیش قدمی

کررہا ہے تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا یہاں کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جسے ہم اپنی پشت پر قرار دے کر سامنے سے دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ لوگوں نے کہا ہاں ذو حسم پہاڑ موجود ہے جو یہاں سے بائیں طرف ہے۔ امامؑ نے ادھر کا رخ کیا اور ذو حسم کے دامن میں پہنچ گئے۔ آپ نے خیموں کو نصب کرنے کا حکم دیا ابھی خیمے نصب ہو ہی رہے تھے کہ فوجی وہاں پہنچ گئی۔

یہ حر بن یزید ریاحی کا ایک ہزار فوجیوں پر مشتمل رسالہ تھا جو سد راہ ہونے کے لئے آیا تھا دوپہر کا وقت تھا گرمیوں کا موسم اور آگ اگلتا ہوا سورج امامؑ اپنے اصحاب کے ساتھ مصروف مشورہ تھے کہ اتنے میں پیاس کی شدت سے ہانپتے ہوئے گھوڑے جن کی زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں اپنے تشنہ لب سواروں کے ساتھ سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔

امام حق عظیم کے نواسے ساقی کوثر کے بیٹے اور انسانیت کے علمبردار تھے۔ آپ کے درد مند اور حساس دل کو دشمن کی موجودہ حالت کب گوارا تھی ؟ حکم دیا کہ انھیں سیراب کر دو۔

بوڑھے جوان بچے اٹھ کھڑے ہوئے حکم کی تعمیل ہونے لگی مشکوں اور چھاگلوں کے دہانے کھلنے لگے کیفیت یہ تھی کہ بنی ہاشم کے نوجوان ہر گھوڑے اور سوار کو تین تین چار چار مرتبہ سیراب کرتے یہاں تک کہ راکب و مرکب کے ساتھ حر کا پورا رسالہ سیر و سیراب ہو گیا۔

تصویر کربلا کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حر کے پیاسے رسالے کو سیر و سیراب کرتے وقت جناب سکینہؑ (جن کی عمر اس وقت چار سال چند یوم کی

تھی) بچوں کی قیادت کر رہی تھیں اور بنی ہاشم کے نوجوانوں کی مشکوں سے کوزے بھر بھر کے سواروں کی خدمت میں پیش کر رہی تھیں۔

صاحب تذکرۃ الصالحین کا بیان ہے کہ حر کا ایک ساتھی بعد میں آیا۔ پیاس کی شدت سے اس کی زبان میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جاتا اس کی حالت دیکھ کر امامؑ نے فرمایا کہ اپنے ناقہ کو بٹھاؤ اس نے ناقہ بٹھایا امامؑ کی کم سن بچی سکینہؑ اپنے بھائی علی اکبرؑ کی مشک سے کوزہ بھر کے اس کی طرف تیزی سے بڑھیں اس نے بچی کے ہاتھ سے وہ کوزہ اپنے ہاتھ میں لے لیا مگر وہ اس قدر بد حواس تھا کہ کوزہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر شبیہ پیغمبرؐ حضرت علی اکبرؑ آگے بڑھے اور پوری مشک اسے دے دی۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے چنانچہ جتنا پانی وہ پینے کی کوشش کرتا تھا وہ زمین پر بہہ جاتا تھا امامؑ نے اس سے فرمایا کہ مشک کا دہانہ اپنی طرف موڑ لو مگر پھر بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ آخر کار امامؑ نے خود اسے اور اس کے ناقہ کو اپنے ہاتھوں سے سیراب کیا۔

حر امامؑ کی اس اعلیٰ ظرفی اور کریم النفسی کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا اور اس احسان کے جو نقوش مرتب ہوئے وہ اظہار حق پرستی کی منزل میں اس وقت ظاہر ہوئے جب اس نے حرص دنیا، مال و متاع کی ہوس اور جاہ و حشم کو ٹھکرا کر روز عاشورہ امامؑ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔

پانی پلانے کے بعد امامؑ نے حر سے یہ بھی نہ پوچھا کہ تم کس مقصد سے آئے ہو سارے فوجی باگیں تھامے اپنے اپنے گھوڑوں کے سائے میں بیٹھے رہے

یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت آیا امامؑ نے حجاج بن مسروق جعفی کو اذان دینے کا حکم دیا اور حر سے فرمایا تم میرے ساتھ نماز پڑھو گے یا اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ پڑھنا پسند کرو گے؟ حر نے کہا ہم سب آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حر اور اس کے ساتھیوں نے امامؑ کے پیچھے نماز ظہر ادا کی۔

حر اور اس کے ساتھیوں کے اس طرز عمل سے صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ امامؑ کی امامت مذہبی پیشوائی اور دینی قیادت کو تسلیم کرتے تھے مگر یزید و ابن زیاد کے ظالمانہ اقدامات یا کسی مصلحت کی بنا پر مجبور تھے۔

نماز تمام ہوئی تو امامؑ نے حر اور اس کے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا میں تمہاری طرف اس وقت تک نہیں آیا جب تک تم لوگوں نے مجھے آنے کی دعوت نہیں دی اب اگر تم اپنی باتوں اور ارادوں پر قائم نہیں ہو تو میں واپس چلا جاؤں گا۔

امامؑ کی مختصر اور مصالحانہ گفتگو کے بعد حر اور اس کے لشکر پر سکوت و جمود طاری رہا اور کوئی جواب نہیں ملا یہاں تک کہ عصر کا وقت آیا اور نماز پھر اسی انداز سے ہوئی۔

نماز تمام ہوئی تو امامؑ نے پھر فرمایا تم نے مجھے مسلسل خطوط لکھے میری نصرت کا وعدہ کر کے مجھے بلایا اب اگر تم مجھے پسند نہیں کرتے تو میں واپس جانے کو تیار ہوں۔

اب حر کی مہر خاموشی ٹوٹی اور اس نے کہا۔ جن خطوط کا آپ تذکرہ کر رہے ہیں ان کے بارے میں مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیسے ہیں ہم صرف اس بات

پر مامور ہیں کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں۔

حر کے ان کلمات سے امامؑ کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں ابھریں اور آپ نے سخت لہجے میں فرمایا کہ انشاء اللہ موت تمہارے لئے قریب تر ثابت ہوگی۔

اس کے بعد حر کی گفتگو کو ذہن میں رکھتے ہوئے امامؑ نے پھر حالات کا تجزیہ کیا اور کوفہ جانے کا خیال ترک کرتے ہوئے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ واپسی کی تیاری کرو تیاریاں مکمل ہوئیں مخدرات عصمت و طہارت محملوں اور عماریوں میں فروکش ہوئیں اصحاب گھوڑوں پر بیٹھ گئے اور جیسے ہی قافلہ حرکت میں آیا حر کی سپاہ سامنے سے آکر سد راہ ہو گئی۔

امامؑ نے فرمایا تیرا کیا ارادہ ہے؟ حر نے کہا آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔ امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم تم ایسا نہیں کر سکو گے حر نے کہا میں ضرور لے جاؤں گا۔ یہ تکرار تین بار ہوئی اس کے بعد امامؑ نے فرمایا کیوں نہ ہم دونوں انفرادی طور پر تلوار کے ذریعہ یہ فیصلہ کر لیں؟ حر نے کہا مجھے آپ کے ساتھ تیغ زنی اور معرکہ آرائی کی اجازت نہیں ہے میں تو صرف اس حکم کا پابند ہوں کہ آپ کو ہر حال میں ابن زیاد کے پاس لے جاؤں لیکن اگر آپ کی مرضی نہیں ہے تو وہ راستہ اختیار کیجئے جو نہ مدینہ کی طرف جاتا ہو اور نہ کوفہ کی طرف نیز اس حالت سفر کو اس وقت تک برقرار رکھے جب تک مجھے اپنے امیر کی طرف سے دوسرا حکم موصول نہ ہو جائے۔

امامؑ نے حر کی اس تجویز کو منظور کیا اور عذیب کے مقام سے (جو قادسیہ

سے ۴۸ میل دور بے اور راستہ چھوڑ دیا جس پر آپ چل رہے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ دمشق کی طرف مڑ گئے اور حر کا لشکر بھی آپ کے ساتھ ساتھ رہا

اب حر کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں تھی۔ تیز دھوپ اور گرم ہوا کی لپیٹوں میں امام کا قافلہ اپنا راستہ طے کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ نینوا کی سرزمین نے آپ کا استقبال کیا۔ پھر کچھ دور پر ایک مسلح سوار نظر آیا جو تیزی سے آپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے آکر حر کو سلام کیا اور ابن زیاد کا ایک خط دیا جس میں تحریر تھا کہ جہاں بھی یہ خط تم کو ملے وہیں حسین ابن علیؑ کو آگے بڑھنے سے روک دو اور کسی ایسی جگہ قیام پر مجبور کر دو جہاں نہ گھاس ہو نہ سایہ ہو اور نہ پانی ہو۔

اس خط کو وصولیابی کے بعد حر مجبور تھا کہ وہ امام کو آگے بڑھنے سے روک دے۔ چنانچہ اس نے حقیقی صورت حال کو امام کے سامنے کھلے لفظوں میں بیان کر دیا۔ ابھی حر اور امام کے درمیان گفتگو کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ امام کا گھوڑا چلتے چلتے اچانک رک گیا۔ آپ نے اسے آگے بڑھانے کی بڑی کوششیں کیں مگر اس نے قدم آگے نہ بڑھایا۔ اکثر روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے آپ نے متعدد گھوڑے بدلے مگر کسی نے اپنے مقام سے جنبش تک نہ کی تو آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس زمین کا کیا نام ہے؟ کہا گیا کربلا۔

کربلا کا نام سننے کے بعد امام نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ یہیں خیمے لگاؤ کیونکہ قضائے الٰہی اسی مقام پر ہم سے گلے ملے گی

بعض روایتوں میں ہے کہ جیسے ہی آپ نے کربلا کی زمین پر قدم رکھا وہ

زرد ہو گئی اور ایک ایسا بگولا اٹھا کہ آپ کا سر مبارک خاک آلود ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر اصحاب ڈر گئے زینبؑ و ام کلثوم رونے لگیں اور کم سن سکینہؑ اپنے باپ سے لپٹ گئیں۔

مورخین کا بیان ہے کہ آپ کے حکم سے خیمے فرات کے کنارے نصب کیے گئے تھے مگر حر نے مزاحمت کی اور کہا کہ خیموں کو فرات سے دور نصب کیجئے اس پر حضرت عباسؑ کو جلال آگیا امامؑ نے غصہ فرد کیا اور پھر تین یا پانچ میل کی دوری پر خیمے نصب کیے گئے حر اپنے لشکر کے ہمراہ فرات کے کنارے خیمہ زن ہوا اور وہاں سے اس نے ابن زیاد کو لکھا کہ:

امام حسینؑ اور ان کے اہل و عیال کو کربلا تک پہنچا چکا ہوں اب وہ یہاں سے آگے نہیں جا سکتے۔

دوسری ہی محرم کو حر کا خط ابن زیاد کو مل گیا۔ اس وقت عجم کا علاقہ بغاوت کی لپیٹ میں تھا جسے فرو کرنے کے لئے اس نے سعد بن ابی وقاص کے بیٹے عمر کو چار ہزار کی فوج پر کمانڈر مقرر کیا تھا اور اس کام کی انجام دہی کے عوض حکومت رے کا پروانہ بھی دے دیا تھا چنانچہ عمر سعد ایران کی طرف کوچ کرنے کے لئے اپنی فوج کے ساتھ کوفہ کے شہری حدود سے باہر خیمہ زن تھا کہ ابن زیاد نے اسے طلب کیا اور کہا:

حسینؑ ابن علیؑ کے قتل کا معرکہ درپیش ہے پہلے اسے سر کر لو پھر ایران کی طرف جانا۔

عمر سعد نے کہا مجھے اس معرکہ آرائی سے دور رکھو تو بہتر ہے

ابن زیاد نے کہا اگر تمہیں نہیں جانا ہے تو رے کا پروانہ واپس کر دو۔

عمر سعد کے لئے یہ ایک امتحانی موڑ تھا ایک طرف رے کی حکومت تھی جو اسے دل و جان سے عزیز تھی اور دوسری طرف امامؑ کا خون ناحق وہ کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا پھر بولا مجھے اس امر پر غور کرنے کے لئے ایک رات کی مہلت چاہئے۔ چنانچہ مہلت ملی اور اس نے اپنے مخصوص احباب سے مشورہ بھی کیا۔ سب نے مخالفت کی اس کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ نے تو یہاں تک کہا کہ اگر ساری دنیا کی دولت و حکومت ملے تو بھی آپ خون حسینؑ کا بوجھ اپنی گردن پر نہ لیں۔ لیکن ان مشوروں کے باوجود حکومت رے کی ہوس اس کے دل میں چٹکیاں لیتی رہی یہاں تک کہ رات گزری اور صبح ہوئی تو اس نے ایک سرسری کوشش کی کہ رے کی حکومت بھی اس کے ہاتھ سے نہ جائے اور وہ قتل حسینؑ کا مجرم بھی نہ بنے۔ چنانچہ وہ ابن زیاد کے پاس آیا اور اس نے کہا :

بہتر ہو گا کہ آپ مجھے جس کام پر مامور کر چکے ہیں ادھر ہی جانے دیجئے کیونکہ میری فوج کے لوگ بھی اسی مہم پر جانا چاہتے ہیں۔ حسینؑ بن علیؑ کے قتل کے لئے کوفہ میں بہت سے لوگ ہیں جو فن سپہ گری اور شقافت میں مجھ سے کم نہیں ہیں

عمر سعد نے کچھ لوگوں کے نام بھی پیش کئے مگر ابن زیاد برہم ہو گیا۔ اس نے کہا تمہیں نام گنوانے کی ضرورت نہیں ہے میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اگر کسی اور کو بھیجنا ہو گا تو تم سے مشورہ لے کر نہیں بھیجوں گا۔ تم نہیں جانا چاہتے ہو تو رے کا پروانہ مجھے واپس کر دو۔

ابن زیاد کی اس گفتگو سے عمر سعد کو یہ اندازہ ہو گیا کہ حسینؑ بن علیؑ کے خون میں ہاتھ رنگے بغیر حکومت رے کا حصول ایک مشکل امر ہے لہذا اس نے یہ اقرار کر لیا کہ میں اس کام کو انجام دوں گا۔

چنانچہ عمر سعد کی قیادت میں وہی فوج جو ایران جانے پر کمربستہ تھی کربلا کی طرف روانہ ہو گئی اور تیسری محرم ۶۱ھ کو وہاں پہنچ گئی۔ بعض مورخین نے عمر سعد کی اس فوج کی تعداد چھ ہزار اور بعض نے نو ہزار بتائی ہے مگر اکثریت کا اتفاق چار ہزار پر ہے۔

کربلا والوں کی پیاس قرآن حدیث اقوال ائمہ طاہرینؑ اور تاریخی حیثیت سے اتنی مستحکم مدلل مسلم اور متواتر ہے کہ اس سے انکار تو درکنار اس میں شک و شبہ کی گنجائش بھی نہیں ہے۔

امام حسینؑ اور ان کے اطفال و اصحاب پر پانی بند کئے جانے کے علل و اسباب پر اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام مظلوم کے وارد کربلا ہونے سے قبل ہی ابن زیاد نے اپنے جنگی منصوبوں کے تحت یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ آل رسولؐ کو بہر طور پیاسا رکھا جائے گا اور یہی وجہ تھی کہ اس نے حر کا نام اپنے خط میں یہ ہدایت دی تھی کہ وہ امامؑ کو بے آب و گیاہ مقام پر اترنے پر مجبور کرے۔

مندرجہ بالا پیرا سے...

مندرجہ بالا

مذکورہ

مندرش آپ سے متعلق ابن زیاد کے حکم پر غور کرنے سے یہ بھی آشکار ہوتا ہے کہ اس حکم کا ہر جزو جنگی حکمت عملی پر مبنی تھا اور یہ حکمت عملی امامؑ کے وارد کربلا ہونے سے پہلے ہی مرتب ہوئی تھی اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ پیاس کا

حربہ استعمال کر کے امام حسینؑ اور آپ کے بہادروں و جانبازوں کی طاقت کو کمزور
ناتواں اور نڈھال بنا دیا جائے تاکہ جنگ کا معرکہ آسانی سے سر کیا جا سکے ممکن
کہ ابن زیاد کے ذہن میں یہ تصور بھی رہی ہو کہ عورتوں اور بچوں کی جان لیوا
امام کو یزید کی بیعت پر مجبور کرنے میں معین و مددگار ثابت ہوگی۔ چنانچہ اس
کے بعد امام حسینؑ اور آپ کے اطفال دوسری ہی محرم سے پانی کی سہولت
محروم کر دیئے گئے اور پانی کا مصارف میں ہر ممکن احتیاط سے کام لینے کا دور شروع
ہو گیا۔ چنانچہ ابو اسحاق اسفرائنی کا بیان ہے کہ:

امام حسینؑ مع اصحاب کربلا میں اتر پڑے اور ابن زیاد اپنی اس حکمت
کو بہر حال بروئے کار لانا چاہتا تھا اس لئے اس نے امام اور آپ کے اصحاب پر
بند کرنے کا باضابطہ حکم عمر سعد کو بھی اس وقت دیا جب اس کے حکومت رے کے
مقابلے میں امام حسینؑ کے قتل پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا جیسا کہ مورخین کا بیان ہے
کہ:

ابن زیاد سے عمر سعد نے کہا میں قتل حسینؑ پر جانے کے لئے تیار ہوں
تو اس وقت ابن زیاد نے اسے حکم دیا کہ جاؤ اور جاتے ہی حسینؑ پر پانی بند کر دو۔

اعثم کوفی اور شہید اعظم میں ہے کہ:

ابن زیاد نے عمر سعد کو سخت تاکید کی کہ ہرگز ہرگز حسینؑ ابن علیؑ اور ان
کے اصحاب دریائے فرات تک آنے نہ پائیں اور ایک گھونٹ بھی پانی کا نہ پی سکیں۔
عمر سعد نے کہا ایسا ہی ہوگا۔

غرض کہ عمر سعد ابن زیاد کے تاکیدی حکم کے ساتھ تیسری محرم اور

بعض مورخین کے بیان کے مطابق چوتھی محرم ۶۱ھ کو وارد کربلا ہوا اور اس نے
اپنے لشکر کے ساتھ فرات کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا دریا پر یزیدی فوج کا قبضہ
ہو گیا اور امام پر اسی وقت سے پانی بند کر دیا گیا۔

امام آپ کے اطفال و مخدرات اعزا و اقرباء اور اصحاب و انصار پر مکمل
طور پر بندش آب کے حکم کا نفاذ ہو چکا تھا مگر ابن زیاد مطمئن نہیں تھا چنانچہ اس
نے ایک دوسرے خط میں عمر سعد کو پھر لکھا:

حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر اس طرح پانی بند کر دو کہ انھیں ایک قطرہ
نہ ملے اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کرو جیسا کہ عثمان بن عفان کے ساتھ کیا گیا
تھا۔

یہ خط عمر سعد کو ساتویں محرم کو ملا اور شاید اسی خط کی بنیاد پر اکثر علماء
نے یہ نظریہ قائم کر لیا کہ امام حسینؑ اور ان کے اطفال پر ساتویں تاریخ سے پانی
بند ہوا حالانکہ حقیقت یہی ہے کہ عمر سعد کے وارد کربلا ہوتے ہی آپ پر پانی بند کر
دیا گیا تھا البتہ اس حکم کی موصولی کے بعد عمر سعد نے عمرو بن حجاج کی قیادت میں
مزید پانچ سو لشکریوں کو فرات کی نگرانی پر مقرر کر کے بندش کو اور سخت کر دیا۔

امام حسینؑ آپ کے اصحاب و اعزا و مخدرات عصمت و طہارت اور اطفال
کے خیمے نہر سے دور جلتی ہوئی ریت پر تھے عرب کا آگ اگلتا ہوا سورج پوری
تمازت کے ساتھ خیام حسینی کا طواف کر رہا تھا اور گرمی کی شدت خانوادہ نبوت پر
نثار ہو رہی تھی۔

امام اپنے ساتھ پانی کا جو ذخیرہ لائے تھے وہ ساتویں محرم کو ختم ہو چکا تھا

ہر بہ استعمال کر کے امام حسینؑ اور آپ کے بہادروں و جانبازوں کی طاقت کو کمزور
ناتواں اور نڈھال بنا دیا جائے تا کہ جنگ کا معرکہ آسانی سے سر کیا جا سکے ممکن ہے
کہ ابن زیاد کے ذہن میں یہ تصور بھی رہی ہو کہ عورتوں اور بچوں کی جان لیوا پیاس
امام کو یزید کی بیعت پر مجبور کرنے میں معین و مددگار ثابت ہوگی۔ چنانچہ اس حکم
کے بعد امام حسینؑ اور آپ کے اطفال دوسری ہی محرم سے پانی کی سہولت سے
محروم کر دیئے گئے اور پانی کا مصارف میں ہر ممکن احتیاط سے کام لینے کا دور شروع
ہو گیا۔ چنانچہ ابو اسحاق اسفرائنی کا بیان ہے کہ:

امام حسینؑ مع اصحاب کربلا میں اتر پڑے اور ابن زیاد اپنی اس حکمت عملی
کو بہر حال بروئے کار لانا چاہتا تھا اس لئے اس نے امامؑ اور آپ کے اصحاب پر پانی
بند کرنے کا باضابطہ حکم عمر سعد کو بھی اس وقت دیا جب اس کے حکومت رے کے
مقابلے میں امام حسینؑ کے قتل پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا جیسا کہ مورخین کا بیان ہے
کہ:

ابن زیاد سے عمر سعد نے کہا میں قتل حسینؑ پر جانے کے لئے تیار ہوں
تو اس وقت ابن زیاد نے اسے حکم دیا کہ جاؤ اور جاتے ہی حسینؑ پر پانی بند کر دو۔

اعثم کوفی اور شہید اعظم میں ہے کہ:

ابن زیاد نے عمر سعد کو سخت تاکید کی کہ ہرگز ہرگز حسینؑ بن علیؑ اور ان
کے اصحاب دریائے فرات تک آنے نہ پائیں اور ایک گھونٹ بھی پانی کا نہ پی سکیں۔
عمر سعد نے کہا ایسا ہی ہوگا۔

غرض کہ عمر سعد ابن زیاد کے تاکیدی حکم کے ساتھ تیسری محرم اور

بعض مورخین کے بیان کے مطابق چوتھی محرم ۶۱ھ کو وارد کربلا ہوا اور اس نے
اپنے لشکر کے ساتھ فرات کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا دریا پر یزیدی فوج کا قبضہ
ہو گیا اور امام پر اسی وقت سے پانی بند کر دیا گیا۔

امام آپ کے اطفال و مخدرات اعزہ و اقرباء اور اصحاب و انصار پر مکمل
طور پر بندش آب کے حکم کا نفاذ ہو چکا تھا مگر ابن زیاد مطمئن نہیں تھا چنانچہ اس
نے ایک دوسرے خط میں عمر سعد کو پھر لکھا:

حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر اس طرح پانی بند کر دو کہ انہیں ایک قطرہ
نہ ملے اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کرو جیسا کہ عثمان بن عفان کے ساتھ کیا گیا
تھا۔

یہ خط عمر سعد کو ساتویں محرم کو ملا اور شاید اسی خط کی بنیاد پر اکثر علماء
نے یہ نظریہ قائم کر لیا کہ امام حسینؑ اور ان کے اطفال پر ساتویں تاریخ سے پانی
بند ہوا حالانکہ حقیقت یہی ہے کہ عمر سعد کے وارد کربلا ہوتے ہی آپ پر پانی بند کر
دیا گیا تھا البتہ اس حکم کی موصولی کے بعد عمر سعد نے عمرو بن حجاج کی قیادت میں
مزید پانچ سو لشکریوں کو فرات کی نگرانی پر مقرر کر کے بندش کو اور سخت کر دیا۔

امام حسینؑ آپ کے اصحاب و اعزا مخدرات عصمت و طہارت اور اطفال
کے خیمے نہر سے دور جلتی ہوئی ریت پر تھے عرب کا آگ اگلتا ہوا سورج پوری
تمازت کے ساتھ خیام حسینی کا طواف کر رہا تھا اور گرمی کی شدت خانوادہ نبوت پر
اثر انداز ہو رہی تھی۔

امام اپنے ساتھ پانی کا جو ذخیرہ لائے تھے وہ ساتویں محرم کو ختم ہو چکا تھا

تمام ظروف آب خشک ہو چکے تھے اور پانی کا ایک قطرہ خیام حسینی میں موجود نہیں تھا۔ چنانچہ سر الشہادتین کے مترجم شاہ سلامت اللہ تحریر الشہادتین میں لکھتے ہیں کہ:

اہل بیتؑ اور تمام دوست و اصحاب بلکہ جانور تک پیاس سے بے تاب تھے ۔زبانوں کی خشکی کے باعث قوت گفتار نہیں تھی۔ اشاروں میں گفتگو ہوتی تھی اور نمازیں تیمم سے ادا ہوتی تھیں۔

کربلا کے میدان میں حضرت امام حسینؑ آپ کے اہل حرم اطفال اور اصحاب و انصار کو پیاس کی جس جان لیوا تکلیف کا مقابلہ کرنا پڑا اس کا مظاہرہ فطری تاثرات کی تحریک سے بھی دشمنوں کے جذبہ انسانیت کو پرکھنے کے لئے بھی اور اپنی پیاس کے بارے میں اہل دنیا کو صحیح رائے قائم کرنے کی غرض سے بھی مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے برامد ہوتا رہا۔

کبھی بریر ہمدانی کی وہ تقریر جو ابصار العین فی انصار الحسین کے صفحات پر نقل کی گئی ہے کہ جب امام حسینؑ ان کے اہل حرم اور اطفل کی پیاس نقطہ عروج پر پہنچ گئی اور بریر سے دیکھا نہ گیا تو انھوں نے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کی اجازت لی کہ وہ عمر سعد سے جا کر گفتگو کریں۔ چنانچہ وہ گئے اور جب اس شقی کے نزدیک پہنچے تو انھوں نے للکار کر کہا۔ اے عمر سعد! خدا نے محمدؐ کو بشیر و نذیر حق کی طرف دعوت دینے والا اور چراغ منیر بنا کر بھیجا تو بھی انھیں کا کلمہ پڑھتا ہے یہ فرات کا پانی جس میں سور اور کتے تک لوٹتے ہیں تو نے رسولؐ کی ذریت پر بند کر رکھا ہے۔ کیا پیغمبرؐ کی عترت اسی سلوک کی مستحق ہے؟ اس پر عمر

سعد ملعون نے جواب دیا کہ اے بریر! خدا کی قسم! اگر تمام زمین پانی ہو جائے تو بھی حسینؑ اسی طرح پیاسے رکھے جائیں گے جس طرح عثمان کو پیاسا رکھا تھا۔

کبھی حر نے جو دشمنوں کی صف سے نکل کر آیا تھا اس شدت عطش کا احساس کیا اور شامیوں کو مخاطب کر کے کہا تم نے امام حسینؑ اور ان کی ذریت پر فرات کا پانی بند کر دیا ہے جسے یہودی اور عیسائی تک پیتے ہیں اور جس کے اندر عراق کے کتے اور سور تک لوٹتے ہیں۔ افسوس تم نے محمد مصطفیؐ کی اولادوں کے ساتھ کیا برا سلوک کیا۔ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ پیاس نے انھیں بے حال کر رکھا ہے خدا تمھیں روز قیامت سیراب ہونا نصیب نہ کرے۔

شدت عطش کا ایک مظاہرہ اس انداز سے بھی ہوا کہ جب شبیہ رسولؐ حضرت علی اکبرؑ میدان جہاد میں شجاعت کا حق ادا کرنے کے بعد باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک مخصوص انداز میں اپنی پیاس کی تکلیف کا اظہار کیا اور جس درد انگیز لہجہ میں باپ نے قحط آب کا تذکرہ فرمایا اس کے الفاظ تاریخ کے صفحات پر مختلف ہیں۔ چنانچہ سید ابن طاؤس اپنی کتاب لہوف میں تحریر فرماتے ہیں:

علی اکبرؑ جنگ کے میدان سے اپنے باپ کی خدمت میں پلٹ کر واپس آئے اور کہا بابا پیاس کی تکلیف مجھے مارے ڈالتی ہے اس پر زرہ بکتر کی گرانی نے مجھے اور بھی خستہ حال کر رکھا ہے کیا تھوڑا سا پانی ممکن ہے؟ یہ سن کر امامؑ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے فرمایا بیٹا! تھوڑی دیر اور جنگ کرو جب تم اپنے جد حضرت رسولؐ خدا کی خدمت میں پہنچو گے تو وہ تمھیں اپنے جام سے سیراب کریں گے۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں کہ:

"علی اکبرؑ نے شدید ترین پیاس کے باوجود ایک سو بیس دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اس کے بعد وہ اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا بابا! پیاس مجھے مارے ڈالتی ہے کاش ایک چلو پانی میسر ہو جاتا ہے۔ تو جنگ کی قوت پھر حاصل ہو جاتی۔ یہ سن کر امام مظلوم نے گریہ فرمایا اور کہا بیٹا! تم اپنی زبان میرے دہن میں رکھو علی اکبرؑ نے اپنی زبان حسینؑ کے دہن میں رکھی مگر گھبرا کر وہ فوراً پیچھے ہٹ گئے اور کہا بابا! آپ کی زبان پر تو میری زبان سے زیادہ کانٹے پڑے ہوئے ہیں۔ پھر امام حسینؑ نے اپنی انگوٹھی علی اکبرؑ کے منہ میں رکھی اور فرمایا جاؤ، خدا حافظ۔ تھوڑی دیر میں تمھارے جد بزرگوار تمہیں اپنے جام سے اس طرح سیراب کریں گے کہ اس کے بعد تمہیں پیاس کا شکوہ نہ رہے گا۔

مظاہرات عطش کے سلسلے کا ایک دردناک منظر وہ بھی تھا جسے دیکھ کر حضرت ابوالفضل العباسؑ بے چین ہو گئے بھتیجی سکینہؑ سے سوکھی ہوئی مشک لی اور فرات کی طرف روانہ ہوئے۔ دشمنوں سے لڑ کر دریا پر قبضہ حاصل کیا اور مشک بھرنے سے پہلے چلو میں پانی لے کر چاہا کہ خود بھی سیراب ہوں مگر پانی میں پیاسے بچوں کی تصویریں ابھریں جسے دیکھ کر آپ نے چلو سے پانی پھینک دیا اور دریا سے جوں کے توں پیاسے نکل آئے۔ اس واقعہ کے ذیل میں علامہ مجلسی کا بیان ہے کہ:

"جب امام حسینؑ کے پیاسے بچوں کی صدائے العطش حضرت عباسؑ نے سنی تو اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے مشک لی اور فرات کی طرف متوجہ ہوئے چار

ہزار آدمیوں نے جو فرات کی نگرانی پر مامور تھے۔ آپ کو گھیر لیا اور تیر برسانا شروع کر دیا۔ ایک ہی حملہ میں آپ نے انھیں منتشر کیا اور اسی آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا پھر فرات میں داخل ہوئے چاہا کہ چلو میں پانی لے کر سیراب ہوں مگر امام اور ان کے بچوں کی پیاس یاد آگئی۔ چنانچہ وہ پانی پھینک دیا اور پیاسے نکل آئے"۔

امام حسینؑ کے ساتھ آپ کے باوفا گھوڑے کی تشنگی اور وفاداری کا ایک حیرت انگیز مظاہرہ وہ بھی تھا کہ جب تمام اعزاء و اقرباء اور اصحاب و انصار کی شہادت ہو چکی اور آپ خود میدان جہاد میں تشریف لائے اور حملہ کیا، دشمنوں کی فوج منتشر ہوئی تو اس موقع پر علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ:

امام حسینؑ نے اپنا گھوڑا فرات میں ڈال دیا اور اس کے سر کو پانی کی طرف جھکاتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے نانا کے گھوڑے! تو پانی پی لے حالانکہ میں بھی بہت پیاسا ہوں۔ مگر خدا! میں اس پانی کو نہیں پیوں گا۔ جب گھوڑے نے امام کا یہ کلام سنا تو اس نے بھی سر اٹھا لیا اور پانی پینے سے انکار کر دیا۔

امام کی شہادت کے بعد پیاس کے اس تذکرہ کو قائم رکھنے والے اور اسے زندہ جاوید بنانے والے وہ اہل حرم تھے جنھیں آپ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے ساتھ لائے تھے اور جن کی قیادت آپ کی بہن جناب زینبؑ سلام اللہ علیہا کر رہی تھیں انھوں نے گیارھویں محرم کو مقتل شہدا سے گزرتے ہوئے اسیری کی حالت میں جو مرثیہ پڑھا تھا وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے اس میں دیگر مصائب کے ساتھ مستقل حیثیت سے پیاس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں:

"اس پر میرا باپ قربان جو وقت آخر تک پیاسا رہا اور اسی حال میں ذبح
ہو گیا۔

یہ ثانی زہراؑ ہی کی کوششوں کا نتیجہ کہ پیاس کی اس عظیم مصیبت کا
احساس اپنوں کے دائرے سے نکل کر غیروں تک پہنچا اور انھوں نے جب
امام حسینؑ کے مصائب و آلام پر اپنے خیالات و تاثرات کا اظہار کیا تو پیاس کا
خصوصی تذکرہ کیا۔ چنانچہ علامہ سید ابن طاؤس رقم طراز ہیں کہ:

"تابعین کے طبقہ میں ایک فاضل شخص خالد بن معدان نے جب امامؑ کا
سر بریدہ نوکِ نیزہ پر دیکھا تو مہینہ بھر تک وہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے
نہیں ملے۔ لوگوں نے جب ان سے اس کنارہ کشی اور روپوشی کا سبب پوچھا تو
انھوں نے کہا کیا تم نہیں دیکھتے کہ کیسی مصیبت آن پڑی ہے؟ افسوس کہ بے
دینوں نے رسول اللہ کے نواسے کو پیاسا قتل کر دیا اور ان کے قتل میں تاویل و
تنزیل قرآن کا کوئی پاس و لحاظ نہیں رکھا۔"

ظاہر ہے کہ یہ وقت تھا جب اہل حرم اسیر و رسن بستہ تھے اور یزید کا ظلم و
ستم اپنے شباب پر تھا۔ واقعات کربلا کی اشاعت آسانی و آزادی کے ساتھ ممکن نہ
تھی لیکن اس کے باوجود پیاس کی مصیبت کا تذکرہ اس قدر عام ہو چکا تھا۔ کہ دمشق
و کوفہ کے غیر متعلق افراد بھی اس سے واقف ہو گئے تھے اور یہ مصیبت اتنی مسلم
متواتر اور قطعی تھی کہ دشمنوں کے روبرو بطور احتجاج پیش کی جاتی تھی۔ چنانچہ
واقعہ کربلا کے بعد ابن عباسؓ نے یزید کو جو طویل خط لکھا اس میں یہ الفاظ موجود
ہیں کہ:

تو نے خانوادۂ عبد المطلب کے نوجوانوں اور امام حسینؑ کو بھوکا پیاسا قتل
کر دیا جو علم و معرفت کے آفتاب اور رشد و ہدایت کے چراغ تھے۔

امام زین العابدینؑ جو حادثہ کربلا کے بعد اپنے مظلوم باپ پر گریہ کرتے
رہے اور ان کی پوری زندگی مرقع غم بنی رہی انھوں نے بھی خصوصیت کے
ساتھ اپنے پدر بزرگوار کی پیاس کو ملحوظ خاطر رکھا۔ علامہ ابن طاؤس کا بیان ہے
کہ:

"امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ امام زین العابدینؑ اپنے پدر بزرگوار کو
مسلسل چالیس برس تک روئے۔ آپ دن میں روزہ رکھتے تھے اور رات بھر
نمازیں پڑھتے تھے، جب افطار کے وقت کھانا اور پانی آتا تھا تو اسے دیکھ کر آپ کی
آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے اور آپ فرماتے کہ افسوس! رسول ﷺ کا
فرزند تین دن کا بھوکا پیاسا شہید ہو گیا۔"

یہ بات واضح رہے کہ امام جعفر صادقؑ کا عہد شعائر تشیع کے لحاظ سے
امتیازی حیثیت کا حامل ہے اس وقت جہاں ذکر مظلوم کربلا قیام مجالس اور گریہ و بکا
کی دعوت کا اہتمام کیا گیا وہاں خصوصی طور پر امامؑ کی یادگار عطش کو قائم رکھنے کے
لئے بھی ہدایات جاری ہوئیں۔ جیسا کہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے داؤد سے
روایت کی ہے کہ۔

"میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے پانی طلب
فرمایا اور جب اسے نوش کیا تو آپ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ آپ نے فرمایا اے داؤد!
خدا قاتلان حسینؑ پر لعنت کرے۔ پھر کچھ گفتگو کے بعد فرمایا اے داؤد! جو شخص

پانی پی کر قاتلان حسینؑ پر لعنت کرتا ہے خداوند عالم ایک لاکھ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھتا ہے"

تاریخ بتاتی ہے کہ دعبل نے امام رضاؑ کے دربار میں جو مرثیہ پڑھا تھا اس کے مختلف اشعار میں امام حسینؑ اور ان کے اہل حرم و اطفال کی پیاس کا خصوصی تذکرہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس دور کے دیگر شعراء نے بھی اپنے اشعار میں حسینی پیاس کی خصوصیت و اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان ابتدائی صدیوں میں اموی اور عباسی حکمرانوں کے لئے آل رسولؐ کا تذکرہ ناقابل برداشت تھا لیکن اس وقت بھی کربلا والوں کی مظلومیت اور پیاس اہل استبداد کے دبائے نہ دب سکی تو بعد کی صدیوں میں جب کہ واقعات کربلا کی تفصیلات کی اشاعت میں قدرے آزادی کے ساتھ کافی حد تک اضافہ ہو چکا تھا، امام اور آپ کے اطفال کے پیاس کی نمایاں خصوصیات مخفی کیونکر رہ سکتی تھیں۔ چنانچہ ہر دور میں وہ اپنی مستقل و متواتر حیثیت پر برقرار رہی اور آج بھی اسی شدومد کے ساتھ باقی ہے۔

گذشتہ صفحات میں "بندش آب" عنوان کے تحت یہ تحریر کیا جاچکا ہے کہ "پسر سعد" تیسری یا چوتھی محرم کو وارد کربلا ہوا اور نہر فرات کے کنارے خیمہ زن ہوگیا۔ اسی وقت سے دریا کے پانی پر مسلح افواج کے پہرے بٹھادیے گئے اور فرات پر یزیدیوں کا مکمل قبضہ ہوگیا جس کے نتیجے میں امام حسینؑ کے خیموں تک پانی پہنچنے کے تمام امکانات ختم ہوگئے۔ چنانچہ پانی کا جو ذخیرہ امامؑ اپنے ہمراہ لائے تھے وہ ساتویں محرم تک کام آیا اس کے بعد تمام مشکیں، چھاگلیں اور دیگر

ظروف آب خشک ہوگئے اور خیام حسینی میں ایک قطرہ پانی کا موجود نہ رہا۔

بروایت تحریر الشہادتین اہل بیت و اصحاب بلکہ جانور تک پیاس سے بے تاب تھے۔ زبانوں کی خشکی کے باعث قوت گفتار نہ تھی اشاروں میں گفتگو ہوتی تھی اور نمازیں تیمم سے پڑھی جاتی تھیں۔

فخر المورخین علامہ محمد بن محمد الشہیر المقدس الزنجانی کا بیان ہے کہ:

بعض بچوں کے منھ کھلے تھے جو بند نہیں ہوتے تھے اور بعض بچوں کے منھ بند تھے جو کھلتے نہ تھے۔ وجہ یہ تھی کہ پیاس کی شدت سے زبانیں تالو سے چپک گئی تھی اسی لئے امامؑ کے اطفال نہ منھ کھول سکتے تھے اور نہ بند کرسکتے تھے۔

علامہ اربلی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اطفال حسینی پر پیاس کی یہ کیفیت آٹھویں محرم ہی سے طاری ہوچکی تھی جیسا کہ موصوف تحریر فرماتے ہیں:

عمر سعد کو ابن زیاد کا ایک خط موصول ہوا جس میں اسے امام حسینؑ سے جنگ کرنے کو ابھارا گیا تھا چنانچہ اس خط کے آنے سے امام اور آپ کے ساتھیوں پر سختیاں اور بڑھ گئیں حالات و مصائب کا دائرہ اور تنگ ہوگیا اور پیاس کی شدت نقطہ عروج تک پہنچ گئی یہ صورت حال دیکھ کر اصحاب امام حسینؑ میں سے ایک بزرگ نے جن کا نام یزید بن حصین ہمدانی تھا امامؑ سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو پسر سعد سے گفتگو کرنے جاؤں۔ امامؑ کی اجازت کے بعد ہمدانی عمر سعد کے پاس گئے اور اس کے خیمہ میں بغیر سلام کیے بیٹھ گئے عمر سعد کو ان کا سلام نہ کرنا بہت ناگوار ہوا۔ اس نے پوچھا کیوں ہمدانی کیا میں مسلمان نہیں ہوں کہا اگر تو مسلمان

ہوتا تو آل محمدؐ پر فوج کشی اور ان کے قتل کا ارادہ نہ کرتا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ تیرے ظلم واستبداد کی انتہا یہ ہے کہ جس فرات کے پانی میں عراق کے کتے اور سوور تک لوٹتے ہیں اس کا گھاٹ تو نے ذریت پیغمبرؐ کے لئے بند کر رکھا ہے ان کی حالت یہ ہے کہ پیاس کی شدت سے وہ قریب ہلاکت ہیں۔

یہی واقعہ منتخب طریحی جزو دوم مجلس اول کے صفحہ ۸ پر بھی مرقوم ہوا ہے لیکن اس میں کہیں کہیں پر لفظی تغیر کے ساتھ یزید بن حصین ہمدانی کے بجائے بریر بن خضیر ہمدانی کا نام تحریر ہے۔ ممکن ہے کہ یہ الگ الگ دو واقعہ ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ ایک ہو مگر ناموں میں اختلاف ہو گیا ہو۔ بہر حال امام حسینؑ کے ایک صحابی کا عمر سعد کے پاس جانا ثابت ہے۔

یہ واقعہ عاشورہ سے پہلے کا ہے کیونکہ نویں محرم کو ابن زیاد کا آخری خط عمر سعد کو موصول ہوا تھا جس میں فوری طور پر جنگ شروع کرنے کا حتمی حکم تھا اور اس حکم میں اتنی شدت تھی کہ اگر تجھے حسینؑ سے جنگ منظور نہیں ہے تو اپنی سرداری شمر کے حوالے کر دے۔ لیکن اس واقعہ کے ذیل میں جس خط کا ذکر کیا گیا ہے اس میں صرف جنگ پر ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے لہذا یہ نویں محرم سے پہلے کا خط ہے جو زیادہ سے زیادہ آٹھویں تاریخ ہو سکتی ہے۔

محرم کی آٹھویں تاریخ کو بریر ہمدانی عمر سعد سے ملے ہوں یا یزید بن حصین یا پھر دونوں ملے ہوں۔ بہر حال دونوں نے پیاس کی شدت ان لفظوں میں بیان کی ہے کہ امامؑ کے ساتھی اور بچے قریب ہے کہ پیاس سے ہلاک ہو جائیں جب آٹھویں محرم کی پیاس اتنی شدید ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ پیاس کا دوسرا دن

تھا ورنہ چند گھنٹوں کی پیاس میں یہ شدت پیدا نہیں ہو سکتی لہذا خود بخود ساتویں محرم سے قحط آب کی نشاندہی ہوتی ہے۔

اس کی تصدیق صاحب تذکرۃ الصالحین کے بیان سے بھی ہوتی ہے کہ:

> ساتویں محرم کا آتشیں سورج اپنا سفر طے کر کے ایک طرف دامن مغرب میں منہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا اور دوسری طرف سکینہؑ بنت حسینؑ کی قیادت میں چھوٹے چھوٹے بچے جن کی مجموعی تعداد تقریباً بیس تھی اپنے ہاتھوں میں خالی کوزے لئے صدائے العطش بلند کر رہے تھے کہ شاید کہیں سے تھوڑا سا پانی مل جائے۔

طریق ثقہ ابن نما کے نزدیک ایک روایت کے مطابق بی بی سکینہؑ کا بیان ہے کہ:

> پیاس نے ہمیں نویں محرم کو ہلاکت کے دہانے پر لا کر کھڑا کر دیا تھا خشک برتنوں کی طرح ہماری زبانیں بھی خشک ہو گئی تھیں۔ ہونٹوں پر پپڑیوں کی تہیں جم گئی تھیں اور وہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ جو ناقابل برداشت تھی بالآخر میں چند بچوں کے ساتھ اپنی پھوپھی جناب زینبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور چاہا کہ انھیں صورت حال سے آگاہ کروں شاید ان کے ذریعہ پانی کی کوئی صورت پیدا ہو جائے اس وقت پھوپھی اماںؑ میرے ہے بھائی علی اصغرؑ کو گود میں لئے ہوئے

انھیں بہلانے کی کوشش کررہی تھی ان کی حالت یہ تھی کہ
کبھی کھڑی ہوتی تھیں اور کبھی بیٹھ جاتی تھیں۔ علی اصغرؑ
پیاس کی شدت سے پھوپھی کی گود میں اس طرح کروٹیں
لے رہے تھے جیسے مچھلی تڑپتی ہے۔ جب یہ منظر میں نے
دیکھا تو اپنی پیاس بھول گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی
پھوپھی نے میرے سر پر دست شفقت رکھا اور پوچھا بیٹی!
کیوں رو رہی ہے۔ اس خیال سے کہ اگر میں اپنی پیاس کا حال
بیان کروں گی تو پھوپھی اور زیادہ مضطرب و پریشان ہوں گی۔
میں نے کہا پھوپھی! علی اصغرؑ کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں
جاتی اگر آپ انصار کی عورتوں کے خیموں میں کسی کو بھیجیں
تو شاید پانی کی کوئی سبیل پیدا ہو جائے۔ یہ سن کر پھوپھی
زینبؑ نے میرے بھائی کو سینے سے لگایا اور میرا ہاتھ تھامے
ہوئے دیگر خیموں میں تشریف لے گئیں مگر پانی کی فراہمی کی
ان کوششوں کا نتیجہ مایوسی کے سوا کچھ نہ نکلا۔

بی بی سکینہؑ کا بیان ہے کہ پیاس نے بچوں میں ایک کہرام برپا کر رکھا تھا کہ
خیام اہل بیتؑ کی طرف بریر ہمدانی کا گذر ہوا اور جب اطفال حسینی کی صدائے
العطش ان کے کانوں سے ٹکرائی تو انھوں نے سر و سینہ پیٹتے ہوئے خود کو فرائض
خاک پر گرا دیا اور اس قدر روئے کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر اٹھے
اور آنکھوں میں آنسو لیئے ہوئے اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور کہا بھائیو!

فرزندان ساقی کوثر پیاس سے ہلاک ہوا چاہتے ہیں بڑے افسوس کا مقام ہے کہ
تلواروں کے قبضے ہمارے ہاتھوں میں ہیں اور ہم آل رسولؐ کے لئے پانی بھی نہیں
لا سکتے۔ مجاہدین اٹھ کھڑے ہوئے۔ کسی نے کہا ہم لوگ بچوں کا ہاتھ پکڑ کر نہر پر
لے چلیں اور انھیں پانی پلا لائیں۔ اس پر ایک شخص یحیٰ مازندانی نے کہا میرے
خیال میں تو نہر پر بچوں کا لے جانا مناسب نہیں ہے کیونکہ دشمنوں سے ہماری
جھڑپ ضرور ہو گی اور اس صورت میں اگر کسی بچے کو کچھ ہو گیا تو ہم آقا حسینؑ کو
کیا جواب دیں گے؟ بہتر ہے کہ ہم خود ہی مشکیں لے کر نہر پر چلیں اور انھیں
بھر کر لے آئیں۔ یحیٰ مازندانی کا یہ مشورہ سبھوں کو پسند آیا چنانچہ قبیلہ ازد کے
بہادروں پر مشتمل چار آدمیوں کی ایک مختصر سی جماعت مشکیزے لے کر جناب
بریر ہمدانی کی قیادت میں دریا کی طرف روانہ ہوئی۔

جب یہ لوگ دریا کے کنارے پہنچے تو محافظوں نے انھیں روکا اور پوچھا
کہ تم لوگ کون ہو اور کیوں آئے ہو؟ بریر نے شجاعانہ لہجے میں جواب دیا میں بریر
بن خضیر ہمدانی ہوں اور یہ لوگ میرے ہمراہی اور صحابی ہیں ہم لوگ یہاں پانی
پینے اور لے جانے کی غرض سے آئے ہیں۔ ایک شقی بولا۔ ابھی ٹھہرو پہلے ہم
اپنے سردار سے پوچھ لیں اگر اس نے اجازت دے دی تو تم لوگ پانی پیو گے ورنہ
نہیں غرض کہ وہ اپنے سردار اسحاق بن حیثوہ کے پاس گیا جو اتفاق سے بریر کا رشتہ
دار بھی تھا جب اسے بریر کے آنے کا حال معلوم ہوا تو اس نے کہا بریر کے لئے
گھاٹ خالی کر دو تاکہ وہ اور ان کے ساتھی جی بھر کے پانی پی لیں مگر اس بات پر بھی
نظر رکھو کہ پانی کا ایک قطرہ بھی خیام حسینی میں نہ جانے پائے اور اگر بریر ان کے

ساتھی پانی لے جانے کے لئے مزاحمت پر آمادہ ہوں تو انہیں گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کرو۔

غرض کہ اجازت ملی اور بریرؓ پانی میں اترے خنکی نے دل پر اثر ڈالا، انھوں نے اپنے ہمراہیوں سے کہا بھائیو! ذریت رسولؐ پیاس سے تڑپ رہی ہے لہذا جب تک پانی سے بھری مشکیں خیام حسینی تک نہ پہنچ جائیں، ہم پر یہ پانی حرام ہے جلدی مشکیں بھر لو اور یہاں سے نکل چلو۔ پیاسے بچے ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔

بریرؓ کی اپنے ساتھوں سے یہ گفتگو فوج مخالف کے ایک پہرے دار نے سنی، اس نے پکار کر کہا بریرؓ! تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو پانی پینے کی اجازت ملی ہے تم لوگ اس پانی کو یہاں سے نہیں لے جاسکتے۔ بریرؓ نے کہا اے ملعون! خدا کی قسم پانی کا ایک قطرہ میں نے اپنی زبان پر نہیں رکھا میری غرض تو صرف اس پانی کو حسینؑ کے پیاسے بچوں تک لے جانا ہے جب تک ہمارے جسموں میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے تو ہمیں اس ارادے سے نہیں روک سکتا۔

اس فیصلہ کن جواب کے بعد دریا کے محافظوں میں یہ خبر عام ہو گئی کہ بریرؓ اور ان کے ساتھیوں نے خیام حسینی تک لے جانے کی غرض سے پانی کی مشکیں بھری ہیں چنانچہ چاروں طرف سے انہیں گھر لیا گیا اور رات کے اندھیرے میں یزیدیوں کی طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی۔

جناب بریرؓ کے ایک ساتھی نے چاہا کہ وہ اپنا مشکیزہ لے کر دشمنوں کے نرغے سے خیام امام حسینؑ تک تیزی سے پہنچ جائے کہ اتنے میں ایک تیر مشک

کے تسمہ کو کاٹتا ہوا اس کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر بریرؓ ہمدانی نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم لوگ میرے ارد گرد اس طرح ہو جاؤ کہ میرا مشکیزہ محفوظ رہے اور میں آگے بڑھتا رہوں۔ چنانچہ بریرؓ کے ساتھیوں نے ان کے گرد گھیرا ڈالا اور بریرؓ مشک لے کر آگے بڑھنے لگے۔ اسی اثنا میں فوج حسینیؑ کے چند جانباز اور حضرت ابو الفضل العباسؑ کی قیادت میں بریرؓ کی مدد کو وہاں پہنچ گئے اور انہیں اپنے حلقے میں خیام حسینی تک حفاظت لے آئے۔

بریرؓ کے دیگر ساتھیوں کی مشکیں تیروں سے چھلنی ہو چکی تھیں اور پانی بہہ چکا تھا لیکن ان کی اپنی مشک محفوظ تھی۔ انھوں نے خیموں کے درمیان اپنی مشک کاندھے سے اتار کر زمین پر رکھی اور آواز دی بچو! آؤ پانی پیو یہ سننا تھا کہ اطفال میں ایک شور مچ گیا اور چھبیس بچے بیتابی و بے قراری کے ساتھ مشک پر ٹوٹ پڑے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دباؤ سے مشک کا دہانہ کھل گیا اور شہیدوں کے خون کی طرح سارا پانی بہہ کر کربلا کی سلگتی ہوئی زمین میں جذب ہو گیا۔

بعض مورخین کا بیان ہے کہ نویں محرم کی صبح کو جب بی بی سکینہؑ پر پیاس کا غلبہ زیادہ ہوا اور آپ کی حالت تشویش ناک ہوئی تو حضرت امام حسینؑ نے اپنے بھائی حضرت ابو الفضل العباسؑ کو طلب کر کے فرمایا کہ بھیا! سکینہؑ پیاس سے جاں بہ لب ہے لہذا تم اصحاب کو جمع کر کے کنواں کھودو شاید اس ریت کے صحرا میں پانی کی کوئی صورت نکل آئے۔ حضرت عباسؑ نے چند محنت کش اصحاب کو ساتھ لیا اور حکم امامؑ کے مطابق کنویں کی کھدائی میں مصروف ہو گئے جب بچوں کو معلوم ہوا کہ پانی کیلئے کنواں کھودا جارہا ہے تو وہ ہاتھوں میں خالی کوزے لئے

العطش العطش کی صدائیں بلند کرتے ہوئے خیموں سے باہر نکل پڑے اور
چاروں طرف سے حضرت عباسؑ کو گھیر لیا۔ اسی دوران کسی ملعون نے کنویں کی
تیاری کے بارے میں عمر سعد سے مخبری کر دی اس نے حکم دیا کہ یلغار کر کے
کنویں کو بند کر دیا جائے۔ چنانچہ یزیدی فوج حرکت میں آئی بچے سہم کر خیموں کی
طرف بھاگے اور کنواں بند کر دیا گیا۔

تھوڑی دیر کی مزاحمت کے بعد یزیدیوں کا لشکر جب اپنی قیام گاہ کی
طرف پلٹ آیا تو حضرت عباسؑ نے دوسرا کنواں کھودنا شروع کیا لیکن یزید کے
لشکریوں نے یلغار کر کے اسے بھی بند کر دیا۔ غرض کہ حضرت عباسؑ نے بچوں کی
پیاس بجھانے کی کوشش میں پے در پے پانچ کنویں کھودے لیکن پانی کی بر آمد گی
سے پہلے یزیدیوں نے یلغار کر کے انہیں بند کر دیا۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ
فرماتے ہیں کہ جب پانچواں کنواں کھودا گیا تو اتفاق سے پانی کی بر آمد گی کا موقع مل
گیا۔

جب حضرت سکینہؑ کو معلوم ہوا کہ کنویں سے پانی نکل آیا ہے تو وہ کوزہ
لے کر اپنے چچا عباسؑ کی خدمت میں دوڑتی ہوئی حاضر ہوئیں اور فرمایا چچا جان
! پیاس مجھے ہلاک کیا چاہتی ہے اگر ممکن ہو تو ایک کوزہ پانی مجھے دے دیجئے۔
سکینہؑ کی حالت دیکھ کر حضرت عباسؑ بے اختیار رو دیئے اس کے بعد آپ نے بڑی
محبت و شفقت سے کوزہ بھر کے حضرت سکینہؑ کے حوالے کیا لیکن افسوس ابھی
کوزہ جناب سکینہؑ کے ہاتھوں میں آیا ہی تھا کہ یزیدیوں نے پھر یلغار کی۔ حضرت
سکینہؑ خوفزدہ ہو کر خیموں کی طرف بھاگیں دفعتہً ایک خیمہ کی طناب سے آپ کا

پاؤں الجھا اور آپ گر پڑیں۔ کوزہ ہاتھ سے چھوٹا اور پانی بہہ گیا۔ اس کے بعد
یزیدیوں نے اس کنویں کو بھی بند کر دیا یہ منظر دیکھ کر امام حسینؑ بے حد رنجیدہ
و ملول ہوئے اور فرمایا پروردگار! اب میری پیاسی بچی تیرے حوالے ہے۔

دسویں محرم کی دوپہر تک کربلا کے میدان میں حضرت امام حسینؑ کے
تمام اصحاب و انصار جب درجہ شہادت پر فائز ہو چکے تو سقائے سکینہؑ حضرت ابو
الفضل العباسؑ سر جھکائے ہوئے خدمت امامؑ میں حاضر ہوئے۔ بھائی نے بھائی
کے چہرے کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور فرمایا عباسؑ! کیا کچھ کہنا چاہتے
ہو ؟ کہا آقا! اب مجھے بھی جنگ کی اجازت دے دیجئے۔ امامؑ نے فرمایا، کیا تم بھی
ہمیں اکیلا چھوڑ دو گے ؟ کہا آقا! آپ کے بعد زندہ رہنا مجھے گوارہ نہیں فرمایا بھیا
اگر میں تمہیں جنگ کی اجازت دے دوں گا تو میری دکھیاری بہن زینبؑ کی آس
ٹوٹ جائے گی۔

ابھی یہ گفتگو ناتمام تھی کہ خیموں سے العطش العطش کی صدائیں بلند
ہوئیں اور بیس یا پچیس بچے حضرت عباسؑ کے گرد جمع ہو گئے اور فریاد کرنے لگے
چچا جان! پیاس ہمیں مارے ڈالتی ہے

تذکرۃ الصالحین میں ہے کہ ان بچوں کی قیادت جناب سکینہؑ فرما رہی تھی
اور پیاس کی وجہ سے ان کی حالت ایسی تھی کہ جسے دیکھ کر امام حسینؑ مضطرب و
پریشان ہو گئے۔

تشنہ لب بچوں کی یہ کیفیت حضرت عباسؑ سے دیکھی نہ گئی آپ نے
دست ادب باندھ کر عرض کی آقا اب تو جنگ کی اجازت دے دیجئے تاکہ دشمنان

اسلام کو بندش آب کا مزہ چکھادوں۔

امام نے فرمایا: بھیا جنگ کی اجازت طلبی سے پہلے دریا کی طرف جاؤ اور گلزار رسالت کے ان پھولوں کے لئے پانی کا انتظام کرو جو تشنگی کی شدت سے مرجھا رہے ہیں۔

ان کلمات کے ساتھ امام حسینؑ نے اپنے غازی اور صف شکن بھائی کو فرض کی زنجیر میں جکڑ دیا اور پھر فرمایا:

خیمہ میں جاکر بہن زینبؑ سے رخصت ہو لو۔

حضرت عباسؑ اہل حرم کے خیموں میں گئے تمام بیبیاں آپ کے گرد حلقہ کرکے جمع ہوگئیں۔ ایک ایک سے رخصت ہوئے زینبؑ سے دعائیں لیں۔ سکینہؑ نے اپنے ننھے ہاتھوں سے آپ کے دوش پر اپنی مشک رکھی اور بچوں کو یہ خوشخبری سنائی کہ میرا چچا سقائی کے جارہا ہے اب پانی ضرور ملے گا۔ اس کے بعد آپ سر جھکائے ہوئے خیموں سے باہر آئے اور مشک و علم کے ساتھ ایک نیزہ لے کر فرات کی طرف روانہ ہوئے۔ امام مظلوم بھی محبت میں آپ کے ساتھ چلتے رہے۔ تھوڑی دور جاکر آپ نے اپنے وفادار بھائی کو گلے لگا کر آخری بار رخصت کیا اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ خیموں کی طرف پلٹ آئے۔

عمر سعد نے جب دیکھا کہ علیؑ کا شیر دریا کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے تو اس ملعون نے چار ہزار مسلح فوجوں کو آپ پر حملے کا حکم دیا۔ مگر فاتح بدر و حنین کے اس غازی بیٹے نے ایک ہی جھڑپ میں دشمنوں کو مار بھگایا اور اس پہاڑی پر جو لب دریا تھی قبضہ کرنے کے بعد یزیدیوں کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

اے کینہ ور جفاکارو! شرم و غیرت سے اس فرات میں ڈوب مرو کہ جس کے پانی سے تم نے فرزند رسولؐ اور ان کے بچوں کو محروم کر رکھا ہے۔

یہ سن کر لشکر مخالف کے پانچ سو تیر اندازوں نے آپ پر ایک ساتھ تیر بارانی شروع کردی مگر علیؑ کے شیر نے اس حملے کو ناکام بنا دیا اور سب کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

حضرت عباسؑ ابھی دریا کے کنارے پہنچے ہی تھے کہ دس ہزار یزیدیوں نے آپ پر اجتماعی حملہ کر دیا اور پوری قوت سے اس بات کی کوشش میں مصروف ہوگئے کہ عباسؑ سے فرات کا کنارہ چھوٹ جائے۔ مگر یہ ایک ناممکن امر تھا۔ غازی اپنے نیزے سے اس جم غفیر کو ریلتا ہوا آگے بڑھتا گیا یہاں تک کہ دشمنوں کی فوج پسپا ہوکر فرار ہونے پر مجبور ہوگئی۔

مختصر یہ کہ مارد بن صدیف ایسے سورماؤں اور نبرد آزماؤں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد حضرت عباسؑ نے فرات پر قبضہ کر لیا اور مشک بھر لی چونکہ آپ خود بھی بہت پیاسے تھے اس لئے ایک چلو پانی کا لیا اور چاہا کہ اسے منہ کے قریب لے جائیں کہ امام حسینؑ کی بیٹی سکینہؑ کی پیاس یاد آگئی۔ چنانچہ آپ نے پانی چلو سے پھینک دیا اور اسی طرح بھرا ہوا مشکیزہ دوش پر رکھ کر نکل کھڑے ہوئے۔

عمر سعد نے جب یہ دیکھا کہ علیؑ کا شیر مشک بھرنے میں کامیاب ہوگیا ہے تو اس نے اپنے لشکریوں کو آواز دی کہ یہ پانی کسی طرح حسینؑ اور ان کے بچوں

تک نہ پہنچنے پائے ورنہ جنگ کی ساری بساط پلٹ جائے گی۔ عمر سعد کی اس آواز پر منتشر فوجیں ایک بار پھر سمٹیں اور ہزاروں تیر اندازوں نے حضرت عباسؑ پر تیروں سے پھر حملہ کر دیا مگر یہ علوی خون تیروں کا جواب نیزے سے دیتا ہوا آگے بڑھتا رہا کوشش یہ تھی کہ کسی طرح خیام اہل بیت تک پانی پہنچ جائے۔

ہنگام جنگ حضرت عباسؑ کو تین طرح کی ذمہ داریوں کا احساس تھا۔ اول مشک میں بھرے ہوئے پانی کی حفاظت دوسرے علم کے وقار کا تحفظ اور تیسرے تیروں کی موسلا دھار بارش میں دشمنوں سے معرکہ آرائی کتنا سخت اور مشکل ترین مرحلہ تھا. اس کا اندازہ آسان نہیں ہے مگر کیا کہنا آپ کی عدیم المثال جرات و شجاعت کا کہ آپ نے اسی عالم میں وہ یادگار حملے کئے کہ جن سے شجاعت دلیری اور بہادری کی ایک نئی تاریخ مرتب ہوئی اور پھر وہ وقت بھی آیا جب تیر اندازوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس کے ساتھ ہی سواروں نے بھی آپ کو اپنے حلقے میں لے لیا تو آپ نے بارگاہ احدیت میں دعا کی:

پروردگار! مجھے حسینؑ تک پہنچادے تاکہ میں بچوں کی پیاس بجھا سکوں۔

مگر مشیت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اسی اثنا میں ایک شخص حکیم بن طفیل نے آپ کے داہنے ہاتھ پر تلوار کا وار کیا اور آپ کا ہاتھ شانے سے قطع ہوگیا۔ آپ نے انتہائی سرعت سے مشک کو بائیں ہاتھ میں لیا اور کٹے ہوئے شانے سے دوش پر لہراتے ہوئے علم کو روکا لیکن زید بن زرقا نامی ایک ملعون نے اپنی تلوار کی ضربت سے اسے بھی قطع کر دیا۔ غازی نے مشک کا تسمہ دانتوں سے دبایا اور پشت فرس پر جھک کر علم مبارک کو سینے سے روکنا چاہا تھا کہ قبیلہ تمیم ایک

ملعون نے آپ کے سر مبارک پر گرز کا وار کر دیا اور اس کے ساتھ ہی ایک تیر مشک پر بھی پڑا جس کی وجہ سے پانی بہنا شروع ہوا۔ آپ کی آس ٹوٹ گئی اور اس کے بعد پھر آپ گھوڑے پر سنبھل نہ سکے

امام مظلوم کو آواز دی آقا! اس غلام کی خبر لیجئے۔ حضرت عباسؑ کی یہ آواز سن کر حسینؑ نے ایسی آہ کھینچی کہ کربلا کی زمین تھرتھرا گئی۔ مقتل ابو مخنف میں ہے کہ حضرت عباسؑ علمدار کی آواز سن کر امام حسینؑ ڈھاڑیں مار کر بے اختیار رو دیئے۔

ایک روایت میں ہے کہ گھوڑے کی پشت سے زمین پر تشریف لاتے وقت سلطان وفا نے آواز دی اے فرزند رسولؐ غلام کا آخری سلام۔

بہر حال امام حسینؑ نے جب حضرت عباسؑ کی آواز سنی تو کلیجہ تھام لیا ۔ آپ نے فرمایا ہائے بھیا عباسؑ ہائے میرا سہارا اب میری کمر ٹوٹ گئی اور امیدیں ختم ہوگئیں۔

اس کے بعد تیزی سے دوڑتے ہوئے عباسؑ کے پاس پہنچے۔ ابھی رمق جان باقی تھی۔ سر کو گود میں رکھا جھکے اور زخمی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا، عباسؑ! کوئی خواہش؟ کہا آقا! بس دو خواہشیں ہیں فرمایا عباسؑ! جلدی بتاؤ کہا میرے آقا! پہلی خواہش تو یہ ہے کہ اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت آپ کی آخری زیارت کرنا چاہتا ہوں لیکن مجبور ہوں کہ پیشانی پر تیر اور سر پر گرز لگنے کی وجہ سے آنکھیں خون سے بھر گئیں، کھل نہیں سکتیں اور میرے ہاتھ بھی نہیں کہ جن سے خون صاف کروں۔ اگرچہ یہ بے ادبی ہے مگر معذرت کے ساتھ گزارش

ہے کہ میری آنکھوں سے خون صاف کر دیجئے تاکہ آخری مرتبہ یہ تو دیکھ لوں کہ بے سہارا آقا کا چہرہ کیسا ہوتا ہے؟

امام مظلومؑ نے بھائی کے منہ پر منہ رکھا اور بے اختیار رو دیئے۔ پھر دامن عبا سے آپ نے خون صاف کیا۔ علمدارؑ نے آنکھیں کھولیں اور جیسے ہی حسینؑ کے چہرے کو دیکھا فوراً آنکھیں بند کر لیں امامؑ نے پوچھا بھیا عباسؑ کیا ہوا؟ آنکھیں کیوں بند کر لیں؟ کہا آقا! عباسؑ میں اب اتنی طاقت نہیں ہے کہ بے سہارا فرزند رسولؐ اور برادر زینبؑ کے غمگسار چہرے کا کرب و اضطراب دیکھ سکے۔

امامؑ نے فرمایا بھیا! دوسری خواہش بیان کرو کہا آقا! دوسری خواہش صرف یہ ہے کہ میری لاش کو خیموں میں نہ لے جائیں اس لئے کہ نہ تو میں پیاسے بچوں کے ہاتھوں میں پانی کے خشک جام دیکھ سکتا ہوں اور نہ اپنی پیاری بھتیجی سکینہؑ کو جواب دے سکتا ہوں۔ اگر میری شہزادی نے پانی کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو مجھے انتہائی شرمندگی ہوگی۔ ان کلمات کے ساتھ حضرت عباسؑ کی روح نے آپ کے جسد مبارک سے مفارقت اختیار کی۔

جناب عبد اللہ جو علی اصغرؑ کے نام سے مشہور ہیں جناب رباب بنت امراء القیس کے بطن سے امام حسینؑ کے بیٹے اور جناب سکینہؑ کے حقیقی بھائی تھے۔

آپ کی ولادت ۱۰ رجب ۶۰ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور جب امام حسینؑ نے مدینہ سے عراق کا سفر اختیار کیا تو اس وقت آپ کی عمر ۱۸ یوم کی تھی جو یوم عاشورہ چھ ماہ کی ہوئی

تمام اعزہ و اصحاب کی شہادتوں کے بعد عمر سعد ملعون اور اس کے ساتھی

یہ سمجھ رہے تھے کہ حسینؑ کے صبر و تحمل اور اس کے مقابلہ میں ان کے ظلم و تشدد کی انتہا ہو چکی ہے۔ مگر حسینؑ کو ابھی ایک عظیم ترین قربانی اور پیش کرنا تھی نیز اس قربانی کے لئے ظلم کے ترکش میں ابھی ایک ایسا تیر باقی تھا جس کے بارے میں ہر مذہب و ملت کا درد مند انسان یہ گواہی دینے پر مجبور ہے کہ یزیدیوں کو انسانیت سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔

چنانچہ جب تمام جاں نثاروں نے اپنی جانیں مقصد امامؑ پر نثار کر دیں اور دربار گاہ الٰہی میں سرخرو ہو چکے تو امامؑ بذات خود حصول شہادت کے لئے میدان کارزار میں تشریف لائے اور ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر هل من ناصر ینصرنا کا استغاثہ بلند فرمایا۔ راویوں کا بیان ہے کہ اس استغاثے کا بلند ہونا تھا کہ زمین کربلا پر زلزلہ آگیا شہداء کی لاشیں تڑپنے لگیں اور لبیک یا بن رسول الله کی صداؤں سے فضا گونجنے لگی۔ تیسری آواز استغاثہ پر ششماہے علی اصغرؑ نے خود کو جھولے سے گرا دیا جس کے سبب بیبیوں میں کہرام برپا ہوا۔ شور گریہ سن کر امامؑ میدان سے تشریف لائے۔ جناب ربابؑ شیر خوار بچے کو اپنے ہاتھوں پر لیے در خیمہ پر آئیں امامؑ نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگایا۔ بچہ پیاس کی شدت سے بے حال تھا۔ منہ ڈھلا ہوا تھا اور وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر اپنی سوکھی ہوئی زبان کو پھیر رہا تھا امامؑ نے بچے پر اپنی عبا کے دامن کا سایہ کیا اور میدان کی طرف روانہ ہوئے اشقیاء یہ سمجھے کہ حسینؑ قرآن لا رہے ہیں اور اسی کے واسطے سے کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر دشمنوں کے سامنے پہنچ کر امامؑ نے جب عبا کا دامن ہٹایا تو ظالموں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی ایک چاند کا ٹکڑا تھا جو دن کی روشنی میں بھی

پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔

امامؑ نے ظالموں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے ظالمو! میں تمھارے زعم باطل میں گنہگار سہی، مگر اس معصوم بچے کی کیا خطا ہے کہ تم نے اس پر پانی بند کر رکھا ہے اس کی ماں کا دودھ خشک ہو گیا ہے اور پیاس کی شدت سے یہ بچہ جاں بہ لب ہے۔ اس پر رحم کرو اور اسے پانی پلادو۔"

یزیدیوں کی طرف سے جب کوئی جواب نہ ملا تو امامؑ نے پھر فرمایا:

"اگر تم میری بات کا یقین نہیں کرتے تو میں اس بچے کو جلتی ہوئی زمین پر چھوڑ کر ہٹ جاؤں اور تم لوگ خود آکر اسے پانی پلادو۔

اس کے بعد بھی جب ظالموں نے کوئی جواب نہ دیا تو آپ نے علی اصغرؑ کے پھول سے مرجھائے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"بیٹا! تم ساقی کوثر کے پوتے ہو خود ہی حجت تمام کرلو"

بچے نے اپنی خشک زبان ہونٹوں پر پھرنا شروع کی۔ روایت کہتی ہے کہ ادھر علی اصغرؑ ہونٹوں پر اپنی زبان پھیر رہے تھے اور ادھر یزید کا لشکر منہ پھیر کر رو رہا تھا عمر سعد نے جب یہ حال دیکھا تو اسے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں فوج بغاوت نہ کردے۔ چنانچہ اس نے حرملہ کو للکار کر کہا کیا دیکھتا ہے؟ حسینؑ کے کلام کو قطع کردے۔

حرملہ نے پہلے بچے کی کمسنی کو، پھر اپنے بازوؤں کی قوت کو دیکھا اور ایک تیر جس کا وزن بچے کے وزن سے زیادہ تھا چلہ کمان میں جوڑا اور پوری طاقت سے

چلادیا۔

تین پھال کا یہ تیر ششماہے علی اصغرؑ کی رگ گردن کو کاٹتا ہوا امامؑ کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ بچے نے مسکرا کر فاتحانہ انداز سے باپ کے چہرے کو دیکھا اور شہادت سے ہمکنار ہو گیا۔

امامؑ نے اس ششماہے مجاہد کے خون کو اپنے چہرے پر ملا اور ذوالفقار کی مدد سے ایک ننھی سی قبر کھود کر سپرد خاک کردیا۔ اس کے بعد آپ اس قدر روئے کہ قبر آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

حضرت علی اصغرؑ کو دفن کرنے کے بعد آپ خیمہ میں تشریف لائے جناب ربابؑ و سکینہؑ کو ششماہے کی شہادت سے مطلع کیا اور پھر جب میدان کارزار میں جانے کے لئے تیار ہوئے تو مخدرات عصمت و طہارت سے فرمایا:

"اے بہن زینبؑ اے ام کلثوم، اے ربابؑ اے رقیہ! اے سکینہؑ اور اے میرے ماں کی کنیز فضہ! تم سب پر حسینؑ غریب کا آخری سلام۔ خدا حافظ و ناصر۔"

امامؑ کے ان کلمات سے اہل حرم میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ کچھ لمحوں کے بعد جب شور گریہ کم ہوا تو آپ نے اپنی عزیز ترین بہن زینبؑ سے وصیت کے دوران فرمایا:

اے بہن زینبؑ! میرے بعد مصائب و آلام کی راہوں میں صبر و ضبط سے کام لینا۔ پشت پر تازیانے پڑیں یا سر سے چادر چھنے تم اف نہ کرنا رسن بستہ ہونے کے بعد فریاد نہ کرنا میرے بعد یتیموں کی تم ہی نگہبان ہو اور اسیروں کا قافلہ

تمھارے حوالے ہے میری بچی سکینہؑ! ابھی بہت چھوٹی ہے اس کا خیال رکھنا۔"

پھر آپ نے اپنے بیمار بیٹے کو غش سے بیدار کر کے فرمایا:

بیٹا سید سجاد! تم ہی میرے بعد امام وقت ہو اور تم ہی سفینہ اسلام کے پاسبان ہو رسولؐ خدا کی محنت، علی مرتضٰی کا ایثار اور میری قربانیاں رایگاں نہ ہونے پائیں یہ ظالم تمھارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں خاردار طوق پہنا کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک قیدی بنا کر لے جائیں گے اس وقت تم صبر کرنا اور تبلیغ حق سے غافل نہ ہونا"

اس کے بعد آپ نے پھٹے پرانے کپڑے طلب کیے اور ایک یمنی چادر لے کر اسے جابجا سے چاک کیا اور لباس کے نیچے زیب تن کیا تاکہ شہادت کے بعد جب لباس لوٹا جائے تو یہ بوسیدہ چادر جسم پر رہ جائے۔

پھر آپ اپنی چہیتی بیٹی سکینہؑ کی طرف متوجہ ہوئے جو تصویر غم بنی ہوئی حسرت کی نظروں سے آپ کی طرف دیکھ رہی تھی اسے کلیجے سے لگایا پیشانی کو بوسہ دیا اور باہر تشریف لائے۔ بہن زینبؑ نے رکاب تھامی گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدان کی طرف روانہ ہوئے۔

ابھی آپ تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ عقب سے ایک خفیف و کمزور آواز سنائی دی "بابا جان! ذرا آہستہ چلیے میں پیاس کی شدت سے چل نہیں سکتی۔" پلٹ کر دیکھا اور فرمایا سکینہؑ تم؟ کہا ہاں بابا جان! میری ایک خواہش ہے اسے پوری کرتے جائیے۔"

امامؑ گھوڑے سے اتر کر سلگتی ہوئی زمین پر بیٹھ گئے اور فرمایا، میری بچی

اپنی خواہش بیان کر۔ سکینہؑ نے کہا، بابا جان! آخری مرتبہ میرے سر پر بھی اسی طرح محبت و شفقت کا ہاتھ پھیر دیجیے جس طرح آپ نے چچا مسلم کی یتیم بچی رقیہ کے سر پر پھیرا تھا۔ امامؑ نے فرمایا میری بیٹی! تیرے دل میں یہ خواہش کیوں پیدا ہوئی؟ کہا بابا جان! میں آپ کے ہاتھ کی وہ شفقت محسوس کرنا چاہتی ہوں۔ جو یتیموں کے لئے مخصوص ہے۔ بابا جان! آپ جانتے ہیں کہ آپ کے بعد میرے سر پر ہاتھ پھیرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ بھائی سجاد بیمار ہیں پھوپھیاں رسن بستہ ہو جائیں گی۔ ماں کے ہاتھ پس گردن بندھے ہوں گے اور خدا معلوم یہ ظالم ہمیں قیدی بنا کر کہاں لے جائیں۔

محمد بن محمد شہیر المقدس زنجانی کا بیان ہے کہ شہادت کے بعد تیروں، نیزوں تلواروں اور پتھروں سے چور چور فاطمہؑ کے لال کا جسم اقدس گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا جا رہا تھا اور میدان کربلا میں مشرق کے گھوڑے مغرب کی طرف اور مغرب کے گھوڑے مشرق کی طرف دوڑائے جا رہے تھے۔ اس وقت سکینہؑ کے سر پر قرآن تھا اور وہ رو رو کے اپنے نانا جان کی امت سے فریاد کر رہی تھیں کہ:

"اے ظالموں! تم نے میرے بابا کے سر کو تن سے جدا کر دیا ہے جسم کو تیروں تلواروں اور نیزوں سے چھلنی کر چکے ہو خدا کے لئے اب پارہ پارہ جسم پر گھوڑے نہ دوڑاؤ۔ میرے بابا کا سینہ میرے سونے کی جگہ ہے اسے تو چھوڑ دو۔"

حسین مظلومؑ کی غمزدہ بہن زینبؑ کبھی مدینہ کی طرف رخ کر کے نانا کو آواز دیتی تھیں اور کبھی نجف کی طرف منہ کر کے اپنے باپ علیؑ مرتضیٰؑ کو پکارتی

تھیں۔ لیکن اشقیاء نہ تو زینبؑ کی آہ و بکا پر کان دھرتی تھی اور نہ ہی کمسن و معصوم سکینہؑ کی بات سنی جا رہی تھی۔

علامہ مازندرانی اعلی اللہ مقامہ اپنی کتاب "معالی السبطین" میں "مدینۃ المعاجز" "امام شیخ صدوقؒ" اور مناقب ابن شہر آشوب کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ روز عاشور حضرت امام حسینؑ جب اپنے جسم اقدس پر تیروں تلواروں اور نیزوں کے بے شمار زخم لئے پشت فرش سے خاک کربلا پر تشریف لائے تو آپ کے وفادار گھوڑے نے قاتلوں سے محفوظ رکھنے کے لئے آپ کے گرد طواف کرنا شروع کیا اور اس طواف کے دوران یزیدیوں کے لشکر سے جو شخص بھی امامؑ مظلوم کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا تھا ذوالجناح دوڑ کر اس پر حملہ آور ہوتا تھا اور مار مار کر اسے ہلاک کر دیتا تھا یہاں تک کہ چالیس ملعونوں کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

"احسن المقال ترجمہ منتہی الآمال" میں علامہ طریحی کے حوالے سے مرقوم ہے کہ ذوالجناح کا غم و غصہ دیکھ کر عمر سعد ملعون نے اسے گرفتار کرانا چاہا مگر جب کوئی اس پر کسی طرح قابو پانہ سکا تو اس نے مجبور ہو کر اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ اس گھوڑے کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور دیکھو کیا کرتا ہے۔

مفتاح الجنۃ میں ہے کہ عمر سعد کے سپاہی جب ادھر ادھر ہو گئے تو ذوالجناح نے ایک ایک لاش کو سونگھنا شروع کیا اور سونگھتے سونگھتے جب فرزند رسولؐ کے پاس پہنچا تو اس نے ایسی دردناک چیخ بلند کی کہ تمام صحرا لرز اٹھا۔ پھر اس نے اپنی اشکبار آنکھوں سے امامؑ کی پھڑکتی ہوئی رگ گردن کو بوسہ دیا اور اپنی

پیشانی کو خون میں تر کر کے کچھ دیر میدان کارزار میں چکر لگانے کے بعد خیام اہل بیتؑ کی طرف روانہ ہوا۔

صاحب ریاض القدس کا بیان ہے کہ حضرت امام حسینؑ جب خاک مقتل پر سرنگوں ہوئے اور گھوڑے کی پشت اپنے سوار سے محروم ہو گئی تو اس وقت عمر سعد ملعون کے لشکر کے چالیس پیادے آگے بڑھے اور انھوں نے چاہا کہ امامؑ کو قتل کر دیں اس وقت ذوالجناح نے اس طرح آپ کی نصرت و حمایت کی کہ وہ دشمنوں پر شیر کی طرح جست لگاتا تھا اور پامال کر کے انھیں ختم کر دیتا تھا۔ اس طرح اس نے سبھوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسی جہاد کی بنا پر ذوالجناح بھی قیامت کے دن محشور ہوگا۔

اسی کتاب کے صفحہ ۳۶۳ پر مرقوم ہے کہ جب ذوالجناح نے یہ دیکھا کہ امامؑ مظلوم پر یزیدیوں کا ہجوم اور دباؤ بڑھتا جا رہا ہے اور ملاعین آپ کے قتل پر آمادہ ہیں تو وہ خیموں کی طرف روانہ ہوا کہ اہل حرم کو مطلع کرے۔ بروایت مناقب ذوالجناح کی یہ حالت تھی کہ وہ سر سے پاؤں تک خون میں غرق تھا۔ باگیں کٹی ہوئی تھیں زین خالی تھی رکابیں ڈھلی ہوئی تھیں اور جسم میں سیکڑوں تیر پیوست تھے۔ مخدرات نے جب گھوڑے کی یہ حالت دیکھی تو وہ سروں کو پیٹتی ہوئی خیموں سے باہر نکل اور ذوالجناح کے گرد حلقہ کر کے فریاد و زاری میں مشغول ہو گئیں۔ جناب سکینہؑ سموں سے لپٹی ہوئی کہہ رہی تھیں کہ اے ذوالجناح! میرے بابا کو جنگل میں کہاں چھوڑ آیا ہے؟ کیا میرا بابا قتل ہو گیا اور میں یتیم ہو گئی؟

فخر المورخین علامہ محمد مہدی مازندرانی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روایت

میں یوں ہے کہ جب جناب زینبؑ وام کلثومؑ نے ذوالجناح کی ہنہناہٹ سنی تو کمسن سکینہؑ نے فرمایا کہ بیٹی تیرے بابا کا گھوڑا آیا ہے شاید تیرے لئے پانی لایا ہو ذرا خیمہ کے در پر جا کر دیکھ تو سہی؟ شہزادی خالی جام ہاتھ میں لئے در خیمہ پر آئی دیکھا تو ذوالجناح کی زین خالی تھی اس کی پیشانی امامؑ کے خون سے رنگین تھی۔ اس شہزادی نے بآواز بلند بین کئے۔ اس روایت کی تصدیق زیارت ناحیہ سے ہوتی ہے۔

خان بہادر مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی نے عبداللہ بن قیس سے روایت کی ہے کہ میں نے اس گھوڑے کو دیکھا کہ حرم محترم کے خیموں سے لشکر یزید کی طرف پھر واپس آیا اور دشمنوں پر حملہ کرتا ہوا امام حسینؑ کی لاش مبارک تک پہنچا اس کی حرکتوں سے ظاہر ہو رہا تھا گویا وہ امامؑ سے آخری بار رخصت ہو رہا ہے۔ حضرت کے قدموں سے اپنی پیشانی کو رگڑتا تھا ہنہناتا تھا اور چیختا چلاتا تھا۔ پھر وہ فرات کی طرف گیا اور اس میں کود گیا۔ پھر کسی کو نہیں معلوم کہ وہ گھوڑا کہاں گیا۔

یہی حالات مقتل ابومخنف، ناسخ التواریخ جلد ششم، تاریخ اعثم کوفی صفحہ ۳۸۱ اور روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۴۷ پر بھی مرقوم ہیں۔

بروایت انوار خمسہ حضرت امام حسینؑ جب گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور ذوالجناح کی مدافعت کے باوجود یزیدیوں نے ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا تو پھوپھی سے اجازت لے کر جناب سکینہؑ میدان کارزار میں بھاگتی ہوئی پریشان حال اپنے بابا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ امام مظلومؑ نے پوچھا بیٹی اس وقت کیوں آگئی؟ جناب سکینہؑ نے عرض کیا بابا جان چاہتی ہوں کہ آپ کو آخری بار گلے لگالوں

اور جی بھر کے دیکھ لوں امام مظلوم نے فرمایا آسکینہؑ گلے لگالے بی بی نے سامنے سے آکر باپ کو گلے لگانا چاہا نہ لگا سکی داہنی جانب سے ارادہ کیا گلے نہ لگا سکی۔ بائیں طرف سے چاہا گلے نہ لگا سکی۔ پیچھے کی طرف سے چاہا کہ بابا کو گلے لگالے نہ لگا سکی امام مظلومؑ نے بیٹی کی اس بے بسی کو محسوس کیا اور پوچھا کیا بات ہے سکینہؑ کبھی داہنی طرف بڑھتی ہے کبھی بائیں طرف اور کبھی آگے کی طرف بڑھتی ہے کبھی پیچھے کی طرف؟ آگلے سے لگ جا۔

فوج یزید کے سپاہی دم بخود ہو کر یہ دیکھ رہے تھے باپ کی محبت میں یہ کمسن بچی نہ تیروں کی پروا کرتی ہے نہ نیزوں کی طرف دیکھتی ہے اور نہ پتھروں سے ڈرتی ہے۔ کچھ تماشا سمجھ کر زیر لب مسکرا رہے تھے اور کچھ حیرت سے انگشت بدنداں تھے نیز کچھ ایسے بھی تھے جو بے ساختہ رو رہے تھے۔

شہزادی نے عرض کیا بابا کیا کروں۔ آپ کے جسم میں جو تیر پیوست ہیں وہ بڑے ہیں اور ان کے مقابلے میں میرے بازو چھوٹے ہیں۔ سلطان کربلا نے اپنی سینہ مبارک سے ایک ایک تیر نکالا اور ہر تیر کے ساتھ جسم تقسیم ہوتا رہا۔ جب سکینہؑ کی جگہ خالی ہو گئی تو امامؑ نے بیٹی کو قریب بلایا اور گود میں بٹھالیا۔ سکینہؑ نے بابا کی رنگین داڑھی کا بوسہ لیا۔ امامؑ نے بیٹی کی پیشانی کو چوما پھر دونوں رخساروں کا بوسہ دیا ننھے ننھے ہاتھوں کو اٹھا کر انھیں حسرت بھری نظروں سے دیکھا اور انھیں چوما۔ بچی نے پوچھا بابا کیا آپ خیمہ میں نہیں آئیں گے؟ اس سوال سے امام مظلومؑ کا دل تڑپ اٹھا زور سے بیٹی کو پیار کیا اور فرمایا سکینہؑ اب میں نہیں آؤں گا اتنی دیر میں شمر بدبخت سامنے آیا اور اس نے پوچھا حسینؑ یہ بچی کون ہے؟ امام مظلومؑ

نے فرمایا: ظالم ایسے ماحول میں زخمی باپ کے پاس اس کی بیٹی کے سوا کون ہو سکتا ہے؟ اس جواب پر شمر ملعون تازیانہ لیکر اذیت رسانی کے ارادے سے جناب سکینہؑ کی طرف بڑھا۔ امامؑ بے چین ہو گئے اور دردانگیز لہجہ میں فرمایا، میری بچی! اس وقت واپس چلی جا یہ انتہائی سنگ دل اور ظالم انسان ہے۔ میں جیتے جی تجھ پر تازیانوں کی اذیت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ خدا حافظ و ناصر

"مظلومہ کربلا" میں ایک روایت مرقوم ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ درجہ شہادت پر فائز ہو چکے اور رات کی ہولناک تاریکی میدان کربلا پر مسلط ہوئی تو حضرت سکینہؑ اپنے پدر بزرگوار کی تلاش و جستجو میں قتل گاہ کی طرف نکل آئیں۔ ثانی زہرا جناب زینب صلوٰۃ اللہ علیہا نے جب بچوں کا شمار کیا تو آپ کو نہ پاکر بے خد مضطرب و پریشان ہوئیں کیونکہ جناب سکینہؑ امام مظلومؑ کی انتہائی چہیتی اور لاڈلی صاحبزادی تھیں اور اس بچی کے متعلق آپ نے خصوصی طور پر اپنی بہن زینبؑ کو تاکید و وصیت فرمائی تھی۔

ظاہر ہے کہ جناب زینبؑ کی بے چینی و بے قراری کا عالم کیا رہا ہوگا؟ آپ نے ایک ایک سے پوچھا لیکن جب کوئی پتہ نہ چلا تو ام کلثومؑ کا ہاتھ پکڑ کر میدان کی طرف روانہ ہوئیں جہاں ایک نشیب سے کسی بچی کے رونے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ آپ نے اپنے مظلوم بھائی کو پکارا اور کہا اے بھیا حسینؑ! یہ بتادو کہ آپ کی پیاری بیٹی سکینہؑ کہاں ہے؟ آواز آئی اے بہن زینبؑ! سکینہؑ میرے پہلو میں ہے۔

یہ آواز سن کر جناب زینبؑ وام کلثومؑ امامؑ کی نعش مطہر پر پہنچیں اور وہاں انھوں نے سکینہؑ کو اپنے باپ سے لپٹے ہوئے پایا۔ چنانچہ آپ سمجھا بجھا کر واپس لے

آئیں۔

شام غریباں رنج و آلام کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی وہ شام ہے جو امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ماتمی لباس پہن کر میدان کربلا میں نمودار ہوئی۔ ایک طرف تو اہل حرم میں کہرام برپا تھا اور دوسری طرف ظالموں نے خیموں میں آگ لگا دی تھی شہزادیوں کے سروں سے چادریں چھینی جارہی تھیں۔ بیمار کا بستر اور بے شیر کا گہوارہ لوٹا جارہا تھا۔ کسی بی بی کی پشت پر تازیانے برسائے جارہے تھے کسی کی پیٹھ میں نیزے کی انی چبھوئی جارہی تھی کوئی ظالم سکینہؑ کے رخساروں پر طمانچے مار رہا تھا اور کوئی اس یتیم و مصیبت زدہ کمسن بچی کے کانوں سے گوشوارے کھینچ رہا تھا۔ غرض کہ وہ عالم تھا کہ جس کے بیان سے ہر دردمند دل لرز جاتا ہے۔

اہل بیت اطہارؑ کے ستم رسیدہ قافلے نے کوفہ سے دمشق تک تقریباً چھ سو پچاس میل کے اس سفر میں کتنی منزلیں طے کیں؟ ان کے نام کیا تھے؟ ان منزلوں میں کس کس بی بی پر کیا کیا گزری؟ ان تمام امور کے متعلق تاریخ و مقاتل کی کتابوں میں مختلف روائتیں ہیں۔ بعض مورخین نے بارہ منزلوں کی صراحت کی ہے "مقتل ابو مخنف" میں تیرہ مرقوم ہیں اور بعض نے بغیر نام کی صراحت کے لکھا ہے کہ چالیس منزلوں سے گزر کر اہل بیت رسول کا یہ قافلہ کوفہ سے دمشق پہنچا۔

کامل بہائی میں ہے کہ اسیران کربلا کا یہ قافلہ ۱۶ ربیع الاول ۶۱ھ کو دمشق پہنچا۔ ۱۸ صفر کو کوفہ سے روانگی تاریخوں سے ثابت ہے۔ اس طرح یہ سفر اٹھائیس دن

میں تمام ہوا اور یہی قرین قیاس بھی ہے۔

تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ جس دن اہل حرم کا قافلہ دمشق میں داخل ہوا ہے اس دن وہاں کے بازار خاص اہتمام سے سجائے گئے تھے۔ تمام شہر میں آئینہ بندی کی گئی تھی' فتح کے شادیانے بجائے جا رہے تھے۔ ہر طرف سے چنگ ورباب کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لباس عید سے لوگ آراستہ تھے۔ لوگوں کی بھیڑ کا یہ عالم تھا کہ آفتاب طلوع ہونے کے قبل آل محمدؐ دمشق میں داخل کیے گئے تھے اور زوال آفتاب کے بعد یزید کے دربار میں پہنچ سکے تھے جس وقت یہ قافلہ بازار سے گزر رہا تھا' جنگ جمل کے مشہور افسر طلحہ کے فرزند ابراہیم نے سید سجاد سے طنزاً پوچھا 'اے فرزند حسینؑ! فتح کس کی ہوئی؟ بیمار امامؑ نے جواب میں فرمایا 'اگر تمہیں یہ معلوم کرنا ہے تو فتح کس کی ہوئی تو جب نماز کا وقت آئے اور اذان ہو اقامت کہنا' اس وقت معلوم کر لینا کہ فاتح کون رہا؟

بحر المصائب میں روایت ہے کہ جب آل رسولؐ دمشق میں داخل ہوئے تو جناب زینبؑ نے فضہ کے ذریعے شمر ملعون کو طلب کیا اور اسے دو باتوں کی تاکید کی۔ اول یہ کہ آپ نے فرمایا ''اے شمر! تو اپنے آدمیوں کو منع کر دے کہ وہ امام زین العابدینؑ کو زدو کوب نہ کریں کیونکہ وہ سخت بیمار ہیں۔ دوسرے آپ نے فرمایا کہ سید الشہداء کے سر اقدس کو مخدرات کی سواریوں سے دور رکھے' اس لئے کہ سکینہؑ اپنے بابا کے سر کو دیکھ کر بہت روتی ہے اور یہ اندیشہ ہے کہ کہیں رو رو کر ہلاک نہ ہو جائے۔

جلاء العیون میں امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت سے ان کے پدر بزرگوار

امام زین العابدین علیہ السلام کا بیان ہے کہ جب ہم یزید کے پاس دربار میں لے جا رہے تھے تو ہمیں بے کجاوہ اونٹ پر سوار کیا گیا تھا اور اہل حرم شتران برہنہ پر سوار میرے عقب میں تھے اور میرے پدر بزرگوار کا سر مبارک نیزہ پر بلند میرے اونٹ کے سامنے تھے اور تمام کافروں نے ہمارے گرد چاروں طرف حلقہ بنا رکھا تھا اور ہم میں سے جو شخص گریہ کرتا تھا اس کے سر پر عمر سعد کی سپاہی نیزہ مارتے تھے۔

یزید کے دربار میں اہل بیتؑ کی حاضری سے متعلق تواریخ و مقاتل میں مختلف و متضاد روایات پائی جاتی ہیں اور جو مکالمات ہوئے ہیں ان میں بھی اختلاف ہے۔ مختلف روایتوں کو گہرائی سے دیکھنے' جانچنے اور پرکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آل رسول کا داخلہ یزید کے دربار میں صرف ایک ہی دفعہ نہیں ہوا بلکہ دمشق میں قیام کے دوران انہیں متعدد بار دربار میں طلب کیا گیا۔ کبھی دربار عام میں اور کبھی دربار خاص میں جہاں یزید کے ساتھ اس کے چند اعزا اور مصاحبین خاص ہوتے تھے۔

اہل بیتؑ اور یزید کے درمیان جو مکالمات ہوئے وہ بھی مختلف ملاقاتوں میں ہوئے نہ کہ صرف ایک دفعہ اور ایک ہی انداز سے تحریر کیئے گئے ہیں کہ جنہیں دیکھنے کے بعد یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب ایک ہی نشست اور ایک ہی موقع پر گزرے ہوں لیکن ایسا نہیں ہے۔ ابو مخنف نے بھی یہی غلطی کی ہے کہ شروع سے آخر تک سارے واقعات بیان کر دیئے اور یہ تعین نہیں کیا کہ کون سا واقعہ کس نشست میں کب پیش آیا؟

بعض کتابوں میں امام زین العابدین سے منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

جب ہم یزید بن معاویہ کے دربار میں لے جائے جا رہے تھے تو اشقیاء نے ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح رسیوں سے کس کر باندھ دیا تھا۔ میرے اور پھوپھی ام کلثومؑ کے گلے میں رسی تھی، پھوپھی زینبؑ، سکینہؑ اور دوسری بیبیوں کے بازوؤں پر رسی بندھی ہوئی تھی۔ ہمیں تیزی اور سرعت کے ساتھ ہانکا جارہا تھا۔ ہم میں کسی کی چال ذرا بھی سست ہوتی یا کوئی تھک جاتا تو ظالم ہم پر کوڑے برساتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم یزید کے سامنے پہنچے اور وہ ظالم تخت شاہی پر بیٹھا ہوا تھا۔

سہل ساعدی صحابی رسولؐ تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک دن میں بازار شام میں آیا تو دیکھا بازار سجائے جا رہے ہیں، لوگوں نے عید کا لباس پہن رکھا ہے۔ نوجوانوں کی اکثر ٹولیاں تالیاں بجا بجا کر خوشی کے نعرے لگا رہی تھیں، رقص و سرور کی محفلیں جا بجا آراستہ تھیں اور رنگا رنگ کے ساز بج رہے تھے۔ مجھے پتہ چلا کہ یہ خوشی اس لئے ہے کہ آج فرزند رسول کا کٹا ہوا سر آ رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ نبی زادیاں رسن بستہ لائی جا رہی ہیں۔ میں نے پوچھا کس دروازہ سے داخل ہوں گے؟ بتایا گیا کہ باب الساعات سے۔

۔ نے سرعت کے ساتھ وہاں پہنچنے کی کوشش کی لیکن بھیڑ اس قدر زیادہ تھی کہ ایک قدم آگے بڑھاتا تھا تو کئی قدم پیچھے دھکیل دیا جاتا تھا۔ آخر کار میں باب الساعات پہنچ ہی گیا۔ میں نے دیکھا کہ نیزہ بردار سوار قطار باندھے ایک دوسرے کے پیچھے چلے آ رہے ہیں اور ہر نیزہ کی نوک پر ایک چمکتا ہوا سر ہے۔ ایک نیزہ پر مجھے وہ سر نظر آیا جسے میں ہمیشہ آغوش رسالت کی زینت دیکھا کرتا تھا۔ میں آنسو روک نہ سکا

اور روتے روتے میری ہچکی بندھ گئی۔ اس کے بعد مجھے اونٹوں کی ایک قطار نظر آئی جس پر رسن بستہ نبی زادیاں اپنے چہروں کو بالوں سے چھپائے ہوئے سوار تھیں۔ میں اور قریب گیا میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے ایک چار سالہ بچی کو تنہا اونٹ پر بیٹھے دیکھا بچی اونٹ پر سنبھل نہیں رہی تھی کبھی آگے کبھی پیچھے، کبھی دائیں اور کبھی بائیں جھک جاتی تھی۔ میں اور قریب ہوا اور سلام کرنے کے بعد اس بچی سے پوچھا، کم سن! میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرے ہاتھ پس گردن بندھے ہیں تو اونٹ پر سنبھل نہیں سکتی، کہیں گر نہ جائے؟ اس کمسن شہزادی نے کہا اے بندہ خدا! ذرا اونٹ کے شکم اور گلے پر بھی نگاہ کر۔ میں نے دیکھا کہ بچی کے دونوں پاؤں اونٹ کے پیٹ سے بندھے ہوئے تھے اور اونٹ کے گلے سے ایک رسی گزار کر بچی کے بندھے ہوئے ہاتھوں سے باندھ دی گئی تھی۔ میں یہ منظر دیکھ دیکھ کر بے قرار ہو گیا۔ پوچھا شہزادی! آپ کون ہیں؟ بچی کی آنکھوں سے آنسو برسنے لگے کہا، اے شیخ! میں سکینہؑ بنت الحسینؑ ہوں۔ میرے بابا کو بے دینوں نے بے جرم و خطا تین دن بھوکا پیاسا کربلا میں شہید کر ڈالا اور میں اس کم سنی میں یتیم ہو گئی۔

"بصائر الدرجات" میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ جب اہل حرم یزید کے دربار میں داخل ہوئے تو اس نے ہر قیدی کا جائزہ لینے کے بعد اہل بیتؑ کو ایک خرابہ میں قید کر دیا۔ کسی بی بی نے کہا، یزید نے اس مکان میں ہمیں اس لئے قید کیا ہے کہ یہ مکان ہمارے سروں پر گر پڑے اور ہم ہلاک ہو جائیں۔ قید خانہ کے پاسبانوں نے رومی زبان میں ایک دوسرے سے کہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان

قیدیوں کو خبر نہیں ہے کہ یزید صبح ہوتے ہی انھیں قتل کرلوے گا۔ ان پاسبانوں کا
خیال تھا کہ یہ قیدی رومی زبان نہیں جانتے۔ امام زین العابدینؑ چونکہ امام وقت تھے
اور علم لدنی کی بنا پر دنیا کی تمام زبانوں سے واقف تھے۔ لہذا پاسبانوں کی یہ گفتگو سن
کر آپ نے فرمایا، خدا نہیں چاہتا کہ اب یزید ہمیں قتل کرے۔ امامؑ نے بھی رومی
زبان میں یہ جواب دیا تھا۔

روایت میں ہے کہ اسیروں کو یزید نے ایسے مکان میں قید کیا تھا جو صرف
بوسیدہ حالت میں ہی نہ تھا بلکہ وہاں سایہ بھی نہ تھا۔ دن کی دھوپ رات کی اوس پڑتی
تھی جس سے اطفال حسینی مرجھائے ہوئے پھولوں کے مانند ہوگئے تھے۔ امام
حسینؑ کی بیٹیوں میں جناب سکینہؑ سب سے کم سن تھیں۔ ایک شب انھوں نے
خواب میں دیکھا کہ امام حسینؑ تشریف لائے ہیں۔ اس بچی نے جیسے ہی اپنے بابا کو
دیکھا فریاد کرنے لگیں بابا! اس خرابہ شام میں یہاں کی خاک ہمارے بستر ہے اور دن
کی دھوپ ہماری چادر ہے۔ بابا! کس قدر بے رحمی اور جفاکاری کے ساتھ یہاں کے
لوگ ہم سے پیش آتے ہیں۔ خواب ہی میں امامؑ نے بی بی سکینہؑ کو اپنی گود میں لیا، پیار
کیا اور فرمایا، اے بیٹی! اب تمھاری مصیبت کا وقت ختم ہونے والا ہے بچی کی آنکھ
کھلی تو پھر وہی زندان شام تھا۔ سکینہؑ خاتون اپنے بابا کو یاد کر کے رونے لگیں۔ یہ
زندان یزید کے محل سے قریب تھا اس لئے ان بے کس قیدیوں کو بلند آواز سے
رونے کی اجازت نہ تھی۔ ایک مرتبہ جناب سکینہؑ نے بے چین ہو کر رونا شروع کیا
۔ اہل حرم انھیں خاموش کرتے رہے مگر بچی کا رونا کم نہ ہوا۔ کبھی زینبؑ پیار کرتی
تھیں، کبھی ام کلثوم پیار کرتی تھیں اور کبھی رباب بہلاتی تھیں مگر سکینہؑ چپ نہ ہوئی

تھیں۔ آخر کار یزید کو پیغام بھیجا گیا کہ تھوڑی دیر کے لئے سر حسینؑ زندان میں بھیج
دے تاکہ سکینہؑ اپنے بابا کی زیارت کرلے۔ یزید نے ایک طشت میں امام حسینؑ کا سر
زندان میں بھیج دیا۔ جیسے ہی یزید کے آدمی سر لے کر آئے اور اہل حرم کی نگاہیں سر
حسینؑ پر پڑیں بے ساختہ گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ سکینہؑ خاتون نے اپنے بابا
کے منہ پر منہ رکھ دیا ہائے بابا! ہائے بابا! کہتے کہتے روح جنت کو پرواز کرگئی۔ جناب
زینبؑ نے جب بچی کو سر حسینؑ سے جدا کرنا چاہا اور شانہ پکڑ کر ہلایا کہ اے بیٹی! بس
اب رو چکیں بابا کے سر سے الگ ہو جاؤ۔ تو معلوم ہوا کہ سکینہؑ اس دنیا سے رخصت
ہو چکی ہیں۔ زینبؑ نے بیمار امام کو آواز دی۔ اے بیٹا سید سجادؑ! سکینہؑ حسینؑ کے پاس
چلی گئیں۔ اے بیٹا! چراغ حرم آج قید خانہ شام میں گل ہو گیا۔

قید خانہ میں ایک کہرام تھا۔ جب یزید کو اطلاع ہوئی تو اس نے اپنی کنیز
کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ کفن دفن کا سامان درکار ہو منگالیں۔ امام زین العابدینؑ نے
فرمایا ہمیں کسی سامان کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف ایک چھوٹی سی جگہ قبر کے
لئے درکار ہے۔ چنانچہ یزید نے اس بچی کو قبر کی اجازت دی۔ خدا معلوم بیمار امامؑ نے
کیونکر قبر تیار کی۔ روایتیں بتاتی ہیں کہ اس بچی کو اسی خون بھرے کرتے کے ساتھ
جو وہ پہنی ہوئی تھی، سپرد خاک کیا۔ امام سجادؑ سکینہؑ کی میت کو ہاتھوں پر اٹھا کر قبر
کے قریب لائے۔ تمام بیبیاں جلوس جنازہ میں شریک تھیں۔ سید سجادؑ نے قبر میں
سکینہؑ کی میت اتار دی دو ہاتھ نمودار ہوئے اور باہوں میں بچی کو لے لیا۔ اس کے بعد
امام سجادؑ نے قبر بنائی اور آج بھی سکینہؑ زندان شام میں آرام فرما ہیں۔

جناب نرجس خاتون والدہ گرامی امام مہدیؑ

امام مہدیؑ کی والدہ کا نام نرجسؑ خاتون تھا۔ آپ شاہ روم کے بیٹے یشوعا کی لڑکی تھیں۔ اور آپ کی مادر حضرت عیسیٰؑ کے وصی شمعون بن صفا کی اولاد سے تھے۔ آپ کا واقعہ۔ شیخ عظیم الشان ابو محمد فضل بن شاذان نے جن کی وفات امام مہدیؑ کی ولادت کے بعد اور امام حسن عسکریؑ کی شہادت سے قبل ہوئی تھی۔ اور اسی واقعہ کو شیخ صدوق اور شیخ طوسی نے بھی نقل کیا ہے۔

بشر بن سلیمان بردہ فروش سے روایت ہے جو ابو ایوب انصاری کی اولاد سے تھے اور حضرت امام علی نقیؑ کے صحابی میں سے تھے۔ اور امام علی نقیؑ کے پڑوس سامرہ میں رہتے تھے۔ انکا بیان ہے کہ ایک دن امام علی نقیؑ کا خادم کافور میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کو ہمارے آقا حضرت علی نقیؑ نے یاد فرمایا ہے۔ بشر کہتا ہے کہ میں امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میں بیٹھ گیا تو امام علی نقیؑ نے فرمایا: کہ اے بشر۔ تم انصار کی اولاد سے ہو اور ہماری محبت و دوستی ہمیشہ تم لوگوں میں رہی ہے میں نے ایک خاص کام کے لئے تمہیں منتخب کیا ہے۔ جس سے ہمارے دوستوں پر تم سبقت لے جاؤ گے۔ اور وہ راز کی بات یہ ہے کہ ایک کنیز کی خریداری کے لئے تمہیں بھیجنا چاہتا ہوں۔ پھر امام علی نقیؑ نے ایک خط رومی زبان اور رومی خط میں کچھ لکھ کر اس پر اپنی مہر لگائی اور دو سو اشرفیاں کپڑے میں بندھی

ہوئی نکالی اور بشر سے فرمایا کہ یہ لو بشر اور بغداد چلے جاؤ۔ تم جب فرات کے گھاٹ پر پہنچو تو وہاں دن چڑھے چند کشتیاں اسیروں کی آئیں گی جن میں تم کنیزیں دیکھو گے۔ ان کی خریداری کے واسطے بہت سے عرب سرداران اور سرداران بنی عباس کے وکیل اور کچھ جوانان عرب انہیں خریدنے کو آئے ہوئے ہوں گے۔ ان بردہ فروشوں میں ایک عمر بن یزید نام کا بردہ فروش بھی ہوگا۔ اس کی کشتی میں صرف ایک کنیز ہوگی۔ جس نے چہرے پر نقاب ڈال رکھی ہوگی۔ وہ کسی خریدار کی قیمت پر راضی نہ ہوگی اور نہ ہی اپنے چہرے سے نقاب اٹھائے گی۔ اس کی اس عفت کو دیکھ کر ایک خریدار بردہ فروش سے کہے گا۔ یہ کنیز میں تین سو دینار میں خریدتا ہوں۔ جس پر عربی زبان میں وہ کہے گی کہ کیوں اپنا مال ضائع کرتے ہو۔ اگر تو حضرت سلیمان بن داود کی مملکت وحشت بھی لے کر آئے تو بھی تیری طرف مجھ کو رغبت نہیں ہو سکتی اس کی یہ بات سُن کر عمر بن یزید کہے گا کہ تم کو بیچنا ضروری ہے۔ پھر تم ہی بتاؤ گی تمہارے متعلق کیا کیا جائے۔ وہ کنیز جواب دے گی عمر بن یزید کو کہ تم جلدی نہ کرو۔ میرا خریدار اس آنے ہی والا ہے۔ جس کی دیانت و وفا پر مجھ کو اعتماد ہے۔

اے بشیر۔ تم یہ سنتے ہی عمر بن یزید کے پاس جانا اور اس سے کہنا کہ میرے پاس ایک سیدؑ کا خط ہے۔ جو انہوں نے رومی زبان میں لکھا ہے۔ اور اپنے اس خط میں سیدؑ نے اپنے کرم و وفا سخاوت کا ذکر کیا ہے یہ خط لو اور اس کو اپنی کنیز کو دے دو۔ تاکہ وہ اس خط کو پڑھ لے اگر وہ راضی ہوگی تو خریداری کے لئے میں اپنے امامؑ کی طرف سے وکیل ہوں۔ بشیر کہتا ہے جو کچھ امامؑ نے فرمایا: میں نے

اسے اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیا۔ اور امامؑ سے اجازت لے کر سامرہ سے بغداد کی
طرف چل پڑا۔ ارشاد امامؑ کے مطابق اس جگہ پر آیا جہاں کشتیاں کنیزوں کو لے کر
آئیں۔ پھر میں نے عمر بن یزید بردہ فروش کا پتہ کیا۔ بالآخر جو صورت حال امام علی
نقیؑ نے ہم کو بتائی تھی۔ وہ صورت حال پیدا ہوئی۔ میں نے عمر بن یزید کو امامؑ کا خط
دیا۔ جب ان معظمہ نے وہ خط لے کر دیکھا اور پڑھا تو بہت روئیں اور عمر بن یزید
سے کہا کہ جن کا یہ خط ہے تو مجھ کو انہیں کے ہاتھوں فروخت کر دے اور اگر تو
نے ایسا نہ کیا تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر لوں گی۔

اس کے بعد دیر تک قیمت پر بات چیت ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ اسی
رقم پر معاملہ ہو گیا جو امامؑ نے دی تھی۔ میں نے قیمت ادا کی اور کنیز کو اپنے ساتھ
لے کر بغداد سے سامرہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ اور اپنی قیام گاہ پر کنیز کو لے آیا۔ وہ
نہایت خوش تھیں۔ بار بار امامؑ کے خط کو بوسے دیتی تھیں یہ دیکھ کر میں نے تعجب
سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک اس خط کی اتنی قدر و عظمت کیوں ہے حالانکہ لکھنے
والے کو آپ جانتی تک نہیں ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے بشیر ذرا دل سے
متوجہ ہو کر میرا حال سن۔

میں شہنشاہ روم قیصر کی پوتی ہوں۔ میرے والد کا نام یشوعا ہے میرا نام
ملیکہ ہے میری ماں کا سلسلہ نسب۔ وصی حضرت عیسیٰؑ شمعون بن صفاء سے جا کر
ملتا ہے۔ میں ایک خبر تم کو دیتی ہوں۔ کہ جس وقت میں تیرہ سال کی ہوئی تو
میرے دادا قیصر نے اپنے بھتیجے سے میرا عقد کرنے کا اعلان کر دیا۔ جب مقررہ
تاریخ آگئی تو محل میں حواریین اور علماء نصاریٰ سے تین سو بزرگوں کو صاحبان

قدر و منزلت سے سات سو اشخاص کو۔ امراء و لشکر اور سرداران قبائل سے چار ہزار
لوگوں کو میرے دادا نے جمع کیا۔

ایک تخت جواہر سے مرصع جو میرے دادا نے خاص میری شادی کے
لئے تیار کرایا تھا اس تخت کو چالیس پایوں پر نصب کیا گیا۔ بتوں کو اور صلیبوں کو بلند
مقامات پر رکھا گیا۔ اس تخت پر اپنے بھتیجے کو بٹھایا۔ جس وقت نکاح پڑھنے کے لئے
پادریوں نے انجیل کی جلدیں اپنے ہاتھوں پر بلند کیں صلیبیں سرنگوں ہو گئیں۔
بت زمین بوس ہو گئے۔ دولہا بھی گر کر بے ہوش ہو گیا۔ میرے دادا نے یہ
صورت حال دیکھ کر پادریوں کی طرف دیکھا ان کے رنگ متغیر تھے۔ ہر ایک
پادری تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس طرح جشن عروسی ماتم کدہ نظر آنے لگا۔ سب
سے بڑے پادری نے میرے دادا سے درخواست کی کہ یہ انتہائی منحوس علامت
ہے صلیبوں کی زمین بوسی سے دین مسیح کا زوال نظر آتا ہے آپ اس شادی کا خیال
اپنے دل سے نکال دیں اور ہمیں معاف فرمائیں۔

میرے دادا نے اس بد شگونی کا علاج یہ کیا کہ حکم دیا۔ ابھی ابھی تمام
چیزوں کو ایک بار پھر اسی طرح آراستہ کرو۔ اور جائے اس بد قسمت لڑکے کے اس
کے دوسرے بھائی سے میری پوتی کا عقد کر دیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ اس کے
بھائی سے میری پوتی کا عقد ہماری اس نحوست پر غالب آجائے گی جب دوسری
مرتبہ سامان آراستہ ہو گیا اور دوسرا لڑکا تخت پر بٹھایا اور پادریوں نے انجیل پڑھنا
شروع کیا تو دوبارہ پھر وہی صورت حال پیش آئی۔ اب کے پہلے سے بھی زیادہ
شدت سے چیزیں الٹ پلٹ کر ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ اب تو حاضرین نے میرے

داوا سے رسمی اجازت لینے کی تاخیر بھی گوارا نہ کی ہر شخص خوف زدہ تھا جس کا جدھر منہ ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے محفل ختم ہو گئی۔ اسی شب میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ حضرت عیسیٰؑ میرے جدامجد شمعون اور اپنے صحابیوں کے ساتھ تشریف لائے میرے داوا نے حضرت عیسیٰؑ کے لئے ایک بہت بڑا سا منبر اسی جگہ نصب کروایا۔ جہاں پر میرے داوا نے میرے نکاح کے لئے تخت لگوایا تھا۔ تو میں نے دیکھا حضرت رسول اللہ ﷺ چند نوجوانوں اور بیٹوں کے ساتھ تشریف لائے ہیں حضرت عیسیٰؑ اور ان کے صحابی رسول اللہ ﷺ کے استقبال کو کھڑے ہوئے خاتم الانبیاء ﷺ سے گلے مل رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے روح اللہؑ۔ میں آپ کے وصی شمعون کی اولاد میں سے اس کی بیٹی ملیکہ کا رشتہ اپنے بیٹے حسن عسکریؑ کے لئے مانگنے آیا ہوں۔ حضرت عیسیٰؑ نے شمعون کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ اے شمعون تجھے رحمت عالمین ﷺ کی طرف سے بہت بڑا شرف عطا کیا جا رہا ہے۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ تو اس رشتہ کو قبول کر لے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ بیٹی کلمہ اسلام پڑھو۔ میں نے کلمہ پڑھا۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے مختصر سا خطبہ دیا۔ اور میرا عقد اپنے بیٹے حسن عسکریؑ سے کر دیا۔ اس کی شہادت حضرت عیسیٰؑ اور ان کے صحابی اور رسول اللہ ﷺ کی اولادوں نے دی۔ جب میں خواب سے بیدار ہوئی تو اس ڈر سے کہ کہیں میرے داوا میری اس بات کو سن کر مجھے سزائے موت نہ دے دیں میں نے کسی کو اپنے اس خواب کے بارے میں نہیں بتایا۔ اور اس بات کو اپنے دل ہی میں رکھا۔ مگر خورشید امامتؑ کی آتش محبت

روز بروز میرے سینہ میں مشتعل ہوتی رہی۔ سرمایہ صبر ختم ہونے لگا یہاں تک کہ میں نے کھانا پینا سب دھیرے دھیرے چھوڑ دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ میں کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی گئی۔ بلاآخر بیمار رہنے لگی۔

میرے داوا مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ سلطنت روم میں کوئی بھی ایسا طبیب نہ رہا جس کو میرے علاج کے لئے نہ بلایا گیا ہو۔ جب میرے علاج سے مایوس ہو گئے تو ایک دن میرے قریب آکر بیٹھ گئے۔ اور کہا۔ میری آنکھوں کا نور اگر تیری کوئی خواہش ہو تو مجھے بتا دے۔ میں تیری ہر خواہش پوری کروں گا۔

میں نے عرض کیا دادا جان مجھے ایسا نظر آرہا ہے جیسے میری زندگی کے دن گنے جا چکے ہیں۔ اگر آپ اپنے قید خانے میں موجود مسلمان قیدیوں کی زنجیریں کھول دیں ان پر اپنی نوازش فرما دیں تو ممکن ہے۔ ان قیدیوں پر آپ کے احسان کی وجہ سے دل سے دعائیں نکلیں۔ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی مادر گرامی مجھ پر ترس کھائیں۔ میرے دادا جان نے فوراً حکم دیا کہ تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ ان قیدیوں کی زنجیریں کھول دی گئیں۔ خیرات وصدقات تقسیم ہونے لگے اس کے بعد میں نے تھوڑا سا کھانا کھایا۔ میرے دادا جان مجھ کو کھاتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ پھر تو میرے دادا جان نے قیدیوں پر رحم کرنا اپنی زندگی کا معمول بنا لیا۔

اس کے بعد میری چار راتیں گزرنے کے بعد میں نے پھر یہ خواب دیکھا کہ جناب فاطمہؑ تشریف لائی ہیں اور ان کے ساتھ جناب مریمؑ بھی مع ہزاروں حوران جنت کے ہمراہ ہیں۔ مجھ سے حضرت مریمؑ نے فرمایا کہ تیرے

شوہر حسن عسکریؑ کی یہ مادر گرامی ہیں۔ یہ سن کر میں نے جناب فاطمہؑ کا دامن
پکڑ لیا۔ اور رو رو کر یہ شکایت کرنے لگی کہ جس سے آپؑ نے ہم کو منسوب کیا ہے
اس رات میرے عقد کے بعد مجھے ان کی زیارت بھی نصیب نہیں ہوئی ہے۔
جناب فاطمہ زہراؑ نے فرمایا۔ بیٹی گھبراؤ نہیں۔ میں آج جا کر حسن عسکریؑ سے کہہ
دوں گی پھر آئندہ تو کبھی بھی ان کی زیارت سے محروم نہ رہے گی۔ جناب فاطمہؑ
نے ایک مرتبہ پھر مجھے اپنے گلے لگایا پیشانی کا بوسہ لیا۔ اس کے بعد سے آج تک
میں اپنے شوہر امام حسن عسکریؑ کو ہر شب خواب میں دیکھتی ہوں اور انکی زیارت
سے مشرف ہوتی رہی ہوں۔

بشر بن سلمان نے بی بی سے دریافت کیا کہ آپ امیروں میں کیسے شامل ہو گئیں
آپؑ نے فرمایا۔ ایک شب کو حضرتؑ نے مجھے خبر دی کہ تمہارا دادا فلاں روز
مسلمانوں کی طرف لشکر بھیجنے والا ہے اور خود بھی اپنے لشکر کے پیچھے جائے گا۔
آپ اپنے دادا کے ساتھ کنیزوں کے لباس میں اپنے دادا کے ساتھ آجانا۔ اور تم
فلاں راہ سے چلنا۔ جب وقت آیا تو میں نے ویسا ہی کیا۔ چلتے چلتے راہ میں مسلمانوں
کی ایک جاسوس جماعت نے ہمیں دیکھ لیا۔ اور گرفتار کر کے ہم لوگوں کو اپنے
ساتھ لے آئے۔ یوں میں بردہ فروش کے پاس پہنچی۔ اور اس وقت تک سوائے
تمہارے کسی کو یہ معلوم نہیں ہے کہ میں بادشاہ روم کی پوتی ہوں۔ میں ایک
بوڑھے سپاہی کے حصہ میں بہ وقت تقسیم مال غنیمت کے طور پر آئی۔ اس نے میرا
نام پوچھا تو میں نے اس بوڑھے سپاہی کو اپنا نام نرجس بتلایا۔ جس پر اس نے کہا یہ تو
کنیزوں کا سا نام ہے۔

اس کے بعد بشر بن سلیمان نے عرض کی تعجب ہے کہ آپ روم سے
تعلق رکھتی ہیں لیکن عربی آپ بڑی روانی سے بول لیتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ
میرے دادا جان کو مجھ سے چونکہ بہت محبت تھی۔ اور وہ چاہتے تھے کہ مجھے آداب
حسنہ سکھائے جائیں۔ اس لئے میرے دادا جان نے میرے لئے ایک معلمہ مقرر
کی۔ جو فرنگی اور عربی زبان دونوں کو جانتی تھی، وہ معلمہ صبح و شام آتی اور مجھ کو
عربی زبان کی تعلیم دیتی۔ یہاں تک کہ میں خوب روانی سے عربی بولنے لگی۔

بشر بن سلمان کہتے ہیں کہ جب میں ان معظمہ کو سامرہ لے کر آیا اور
حضرت امام علی نقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس معظمہ نے امام علی نقیؑ کو سلام
کیا۔ امام علی نقیؑ نے آپؑ کو خوش آمدید کہا اور آپ نے فرمایا۔ اے بشر تو نے دیکھ لیا
کہ اللہ نے اسلام کو کس کس طرح سے معزز کیا ہے۔ اور آل محمد ﷺ کی فضیلت
کس طرح سے تجھ کو دکھائی ہے۔ بشیر نے عرض کی مولا آپ فرزند رسول ﷺ
ہیں آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ میں کن الفاظ میں آپ کی تعریف کروں۔ پھر
امام علی نقیؑ نے فرمایا کہ چونکہ تم شہزادی ہو اس لئے میں تم کو عزت دینا چاہتا
ہوں۔ ان دو صورتوں میں تم کسی ایک صورت کو پسند کر لو۔ میں تم کو دس ہزار
دینار دے دوں یا دائمی بشارت دوں۔ آپ نے عرض کیا کہ میں مال کی خواہش مند
نہیں ہوں بلکہ میں آپ سے بشارت کی خوش خبری چاہتی ہوں۔ امام علی نقیؑ نے
فرمایا۔ کہ تجھ کو بشارت ہو ایک ایسے فرزند کی جو مشرق و مغرب عالم کا بادشاہ
ہو گا۔ اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جب یہ دنیا ظلم و جور سے بھر
جائے گی آپ نے فرمایا کہ یہ فرزند کس سے ہو گا۔ امام علی نقیؑ نے فرمایا اسی سے

جس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے تمہاری خواستگاری حضرت عیسیٰؑ سے کی تھی۔
امام علی نقیؑ نے نرجسؑ خاتون سے فرمایا۔ کہ تم ان کو پہچانتی ہو۔ آپ نے عرض کی
کہ میں کیسے نہ پہچانوں گی جب سے میں نے آپ کے جدامجد کے ہاتھ پر اسلام
قبول کیا تھا۔ اس کے بعد سے آج تک ہر رات میں عالم خواب میں۔ میں ان کی
زیارت سے مشرف ہوتی رہی ہوں۔

امام علی نقیؑ نے اپنے خادم کافور کو بلا کر فرمایا۔ کہ جاؤ میری بہن حکیمہ
خاتون کو بلا کر لاؤ۔ جب حکیمہ خاتون تشریف لے آئیں تو آپؑ نے فرمایا کہ یہی وہ
کنیز نرجسؑ خاتون ہیں۔ جس کے لئے میں نے آپ سے کہا تھا حکیمہ خاتون نے یہ
سُن کر نرجسؑ خاتون کو اپنے گلے سے لگایا اور ان پر بہت مہربانی فرمائی۔ امام علی نقیؑ
نے فرمایا۔ اے دختر رسول ﷺ آپؑ ان کو اپنے ساتھ لے جائیے۔ اور واجبات
دین کی ان کو تعلیم دیجئے۔ یہ امام حسن عسکریؑ کی زوجہ اور صاحب الزماںؑ کی والدہ محترمہ
ہیں۔ (روایت ختم ہوئی)

آیئے اب دیکھیں کہ جناب نرجس خاتون بطور کنیز امام حسن عسکریؑ
کاشانہ عصمت وطہارت میں داخل کیسے ہوئی تھیں۔ امام حسن عسکریؑ کے پاس
آنے سے قبل آپ جناب حکیمہ خاتون کے زیر تربیت رہیں۔ لیکن جب تک یہ نہ
تحقیق ہو جائے کہ وہ کون سی جنگ تھی جس میں آپ اسیر ہو کر آئیں اس وقت
تک اس روایت جو اوپر بیان کی گئی اس روایت کے بارے میں کسی قسم کا خیال ظاہر
کرنا مناسب نہیں ہے۔

البتہ اس موقع پر یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ غلام اور کنیز بھی
آزاد انسانوں کی طرح آدمؑ اور حواؑ کی اولاد ہیں اور انھیں بھی انسانیت کے خزانے
سے اتنا ہی حصہ ملا ہے جتنا کہ آزاد کہلانے والوں کو حاصل ہے فرق صرف اتنا ہے
کہ حالات نے انھیں اسیری کی زنجیر میں جکڑ دیا۔ اور وہ دوسروں کے پابند ہو گئے۔
اسی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے اسلام نے ازراہ ترحم ان کے لئے بہت سی ذمہ
داریاں کم کر دیں۔ مگر اسلام نے یہ نہیں کیا کہ ان کو انسانی عظمت یا سماجی مراتب
میں کوئی فرق پیدا کیا ہو۔ اسلام نے تو انھیں "غلام" کے بجائے اپنا بیٹا اور "کنیز"
کے بجائے بیٹی کہنے کی تعلیم دی۔ اور اس طرح انھیں گھر کا ایک رکن بنا دیا۔

بنی عباس میں زیادہ تر خلفاء ایسے گزرے ہیں جن کی مائیں کنیز تھیں
مگر ان کی شخصیت وحیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ مثال کے طور پر تاریخ طبری
جلد چہارم کے حوالے سے چند فرمانرواؤں کی ماؤں کے بارے میں ملاحظہ
فرمائیں۔

(۱) مامون رشید کی ماں کنیز تھیں جن کا نام "مرجانہ" تھا۔ (طبری ج ۴ ص ۷۶۴)

(۲) معتصم باللہ کی ماں ایک رومی کنیز تھیں۔ (طبری ج ۴ ص ۷۶۴)

(۳) واثق باللہ کی ماں کنیز تھیں۔ (طبری ج ۴ ص ۷۹۴)

(۴) متوکل کی ماں بھی کنیز تھیں جن کا نام سجاح تھا۔ (طبری ج ۴ ص ۷۶۴)

(۵) مستنصر کی ماں ایک کنیز تھیں جو رومی نسل سے تھیں۔ (طبری ج ۴ ص ۷۶۴)

(۶) مستعین کی ماں بھی کنیز تھیں جن کا نام "ربا" تھا۔ (طبری ج ۴ ص ۷۶۴)

(۷) معتز باللہ کی ماں بھی کنیز تھیں جن کا نام "قبیحہ" تھا۔ (طبری ج ۴ ص ۷۶۴)

(۸) مہدی باللہ کی ماں بھی ایک رومی کنیز تھیں۔ (طبری ج ۴ ص ۷۹۰)

(۹) معتمد باللہ کی ماں کنیز تھیں جن کا نام فتیان تھا۔ (طبری ج ۴ ص ۷۹۴)

(۱۰) معتضد باللہ کی ماں بھی رومی کنیز تھیں۔ (طبری ج ۴ ص ۷۹۴)

(۱۱) مکتفی باللہ کی ماں کنیز تھیں جن کا نام خیک تھا۔ (طبری ج ۴ ص ۷۹۴)

(۱۲) متقی باللہ کی ماں کنیز تھیں۔ (طبری ج ۴ ص ۷۹۴)

(۱۳) قاہر باللہ کی ماں کنیز تھیں جن کا نام "ظلومہ" تھا۔ (طبری ج ۴ ص ۷۹۴)

(۱۴) مطیع باللہ کی ماں کنیز تھیں۔ جن کا نام "مشعل" تھا۔ (طبری ج ۴ ص ۷۹۴)

(۱۵) طائع باللہ کی ماں کنیز تھیں جن کا نام "ہجیر" تھا۔ (طبری ج ۴ ص ۷۹۴)

(۱۶) قاسم باللہ کی ماں کنیز تھیں جن کا نام بدر الحجر تھا۔ (طبری ج ۴ ص ۷۹۴)

یہ سب خلفا تقریباً یکے بعد دیگرے گزرے ہیں صرف مامون الرشید اور قاسم اللہ کے درمیان چار خلفاء ایسے گزرے ہیں جن کا نام اس فہرست میں نہیں ہے کیونکہ ان کی ماؤں کے متعلق تاریخ میں کوئی تفصیل نہیں ملتی ہے۔ بہر حال اس فہرست سے آپ کو بہ خوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اہلِ اسلام کی معاشرت و تمدن میں کنیزوں کا وقار آزاد عورتوں سے کسی طرح کم نہ تھا۔

اس ضمن میں گزارش کروں گا کہ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ گرامی۔ حضرت ہاجرہؑ اور فرزند رسول حضرت ابراہیم کی ماں ام المومنینؑ ماریہ قبطیہ کی مثال بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ جن کی کنیزی ان کے شرف و منزلت اور مراتب کی بلندی پر قطعاً اثر انداز نہ ہو سکی۔ بس اسی طرح جناب نرجسؑ خاتون کی عظمت

و فضیلت پر ان کی کنیزی کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ واقعات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اللہ کی نظر میں آپ کا وقار و مرتبہ حضرت موسیٰ کی مادر گرامی سے کچھ کم نہیں ہے۔

☆☆☆

جناب فضہؓ خادمہ خاندان رسول اللہ ﷺ

جناب فضہؓ کو مصر کے بادشاہ نے رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کیا
تھا۔ آپ حبشی نسل سے تھیں۔ یزید کے دربار میں صرف جناب فضہؓ حبشی
کنیز اہل حرم کے سامنے پردہ کرنے کی وجہ کھڑی ہوئی تھیں۔ آپ کے خاندانی
سلسلہ کے بارے میں صحیح حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ تاریخ سے اتنا پتہ چلتا
ہے کہ آپ ہندوستان کے صوبے راجپوتانے کے عزت دار خاندان سے تھیں۔
اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ نوبیہ کے نام سے مشہور تھیں۔ رسول
اللہ ﷺ نے آپ کا نام فضہؓ رکھا فضہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ قواعد میں اسم
جنس نکرہ ہے۔ قرآن مجید میں لفظ فضہ دو جگہ استعمال ہوا ہے۔ (۱) پارہ الیہ
یرد ۲۵ سورۃ الزخرف ۴۳ رکوع ۹ آیت ۳۳ میں (۲) پارہ تبارک الذی ۲۹
سورۃ ۷۶ رکوع ۱۵ آیت ۲۱ میں۔ دونوں مقام پر فضہ کے معنی چاندی کے ہیں
یہ ایک سفید دھات ہوتی ہے۔ جس سے زیور بنایا جاتا ہے۔

جناب شیرازی اپنی کتاب خصائص فاطمہؑ ۲۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ
جناب فضہؓ ہند کی رہنے والی تھیں۔ راجپوتانہ کے کسی معزز خاندان کی فرد
تھیں۔ شروع زمانہ ہجرت میں کچھ مصری لوٹ مار کے سلسلہ میں ہند پہنچے اور
جناب فضہؓ کے خاندان کو بھی لوٹا اور کچھ لوگوں کو گرفتار کر کے مصر لے آئے اور

بادشاہ مصر کو ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔ یہ واقعہ محققین کے نزدیک صحیح تو ہے۔
جبکہ سرکار ناصر الملت کا بھی ارشاد ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جناب فضہؓ آپ
کے نسب کے متعلق صحیح تفصیلی حالات نہیں ملے مگر تاریخ کے مطالعہ سے اتنا
معلوم ہو سکا کہ آپ کا تعلق راجپوتانہ (ہند) کے کسی معزز راجپوت گھرانے
سے تھا۔ آپ کا نام قبل اسلام نوبیہ تھا اور بعض نوبیہ ہندیہ اور بعض نوبیہ حبشیہ
لکھتے ہیں۔ جب آپ کو خدمت جناب رسول اللہؐ کی خدمت میں ہدیہ کے طور
پر پیش کیا گیا تو رسول اللہؐ نے آپ کا اسم گرامی فضہؓ رکھا۔

جناب فضہؓ آپ لمبے قد کی تھیں آپ کے بدن کا رنگ مہکتا ہوا
خوشبودار گندمی تھا آپ کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور جسم کے تمام حصے اپنے
اندازے ایک دوسرے کے مناسب تھے چہرہ پر جلال نظر آتا تھا، چلتے ہوئے
بیٹھتے ہوئے اور باتیں کرتے ہوئے بہت اچھی نظر آتی تھیں اعضائے جسم
متناسب تھے۔ (امام سیوطی نے اپنی کتاب سیرہ الصحابیات میں تحریر کیا ہے)

جناب علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی ساتویں جلد کے باب میں تحریر
فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت علیؑ نے جناب فاطمہؑ سے ارشاد فرمایا کہ گھر کا
کام کرنے اور چکی پیسنے سے تمہارے ہاتھ زخمی ہو گئے ہیں کچھ اسیر لائے گئے
ہیں لہٰذا آپ حضرت رسول اللہؐ سے اپنے لئے ایک کنیز کی خواہش ظاہر کریں۔

چنانچہ جناب فاطمہؑ حضرت علیؑ کے ہمراہ خدمت رسول اللہؐ میں
تشریف لے گئیں مگر کچھ کہنے سے جناب فاطمہؑ کو حجاب مانع ہوا اور آپ واپس
اپنے گھر تشریف لے آئیں لیکن ضرورت نے آپ کو مجبور کیا اس لئے دوسرے

روز آپ پھر حضرت علیؑ کے ہمراہ رسول اللہؐ کے پاس تشریف لے گئیں اور اپنا مقصد رسول اللہؐ سے بیان فرمایا۔ میں ان کی قیمت اہل صفہ کو دینا چاہتا ہوں اور اس کے بدلے میں آپ کو تسبیح تعلیم فرمائی جو تسبیح فاطمہ زہراؑ کے نام سے آج تک پڑھی جاتی ہے۔ جناب شیرازی نے اپنی کتاب میں تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ جس وقت جناب فاطمہؑ نے کنیز کی خواستگاری فرمائی۔ رسول اللہؐ چشمہائے مبارک میں آنسو بھر آئے اور رسول اللہؐ نے فرمایا۔

اے فاطمہ زہراؑ، اے بیٹی اس ذات برحق کی قسم جس نے مجھے مبعوث برسالت فرمایا ہے کہ اس وقت مسجد میں چار سو افراد ایسے ہیں جن کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں ہے۔ اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ اس طرح تمہارے اجر میں کمی ہو جائے گی تو میں تم کو کنیز دے دیتا۔ اے میرے پیاری بیٹی روز قیامت علیؑ ابن ابی طالب حیثیت شوہر ہونے کے تم سے اپنے حق کا مطالبہ کریں۔ (فضہ ص ۱۷)

جب جناب فاطمہؑ اور حضرت علیؑ واپس اپنے گھر تشریف لائے تو حضرت علیؑ نے فرمایا، ہم دونوں رسول اللہؐ سے دنیا کی چیز طلب کرنے گئے تھے لیکن اللہ نے ہم لوگوں کو آخرت عطا فرمائی۔

جناب عباس ابن عبدالمطلبؓ بیان کرتے ہیں کہ جب جناب فاطمہؑ اور حضرت علیؑ اپنے گھر واپس ہوئے ابھی راستہ میں ہی تھے کہ جبرائیلؑ نازل ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ درود وسلام ارشاد فرماتا ہے کہ تم نے ثواب آخرت کو دنیا پر ترجیح دی اور میری کنیز خاص فاطمہؑ نے میری خوشنودی کے لئے اس کو

قبول کیا اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ فاطمہؑ کا سوال رد نہ کریں اور یہ آیت نازل ہوئی۔

(اے رسول) اگر تم اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لئے کسی بات سے اعراض بھی کرو تو ان دونوں سے نرمی سے کلام کرو۔

اس آیت کے بعد مصر کے بادشاہ نے خدمت رسول میں ایک کنیز پیش کی جس کو رسول اللہؐ نے قبول فرمایا اور اس کنیز کو جناب فاطمہؑ کی خدمت میں بھیج دیا اس کنیز کا نام نوبیہ تھا اور رسول اللہؐ نے اس کا نام فضہؓ رکھا۔

جس وقت جناب فضہؓ جناب فاطمہؑ گھر آئیں تو آپ نے اپنی مالکہ کے گھر کو بیت الشرف سمجھ کر خدمت میں مصروف ہو گئیں جناب فاطمہؑ نے اپنے گھر کے کام کاج کی تقسیم عدل پر کیا جو آپ کے گھر کا طرہ امتیاز تھا کہ گھر کا تمام کام ایک روز بذات خود انجام دیتی تھیں اور ایک روز آپ کی خادمہ جناب فضہؓ کیا کرتی تھیں۔

جناب فاطمہؑ کے گھر آنے کے بعد جناب فضہؓ نے محسوس کیا کہ فاطمہؑ کے گھر میں اکثر و بیشتر فاقہ میں زندگی بسر ہوتی ہے جس سے جناب فضہؓ کو تکلیف ہوئی۔ چونکہ جناب فضہؓ کو ابھی معرفت اہل بیت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اہل بیت کے فاقہ کو قلت آمدنی پر معمول کیا اور اس فکر میں رہیں کہ اپنی مالکہ کے گھر کی اس تکلیف کو دور کرنے کی تدبیر کریں۔

جناب فضہؓ ایسے خاندان کی خاتون تھیں جس کے افراد علوم و فنون سے واقف تھے جناب فضہؓ نے یہ اندازہ کیا کہ افراد خانہ زہراؑ فقر و فاقہ میں

زندگی بسر کرتے ہیں تو جناب فضہؑ نے بذریعہ علم کیمیا لوہے کے ٹکڑے کو سونا بنایا اور حضرت علیؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت علیؑ مسکرائے اور فرمایا۔ اے فضہؑ ایک پتھر اٹھا لاؤ۔ حضرت علیؑ نے پتھر کی طرف نظر ڈالی پتھر سونے کا ہو گیا۔ حضرت علیؑ نے فضہؑ سے فرمایا۔ زمین کی جانب دیکھو۔ حضرت علیؑ نے زمین کی طرف اشارہ کیا۔ زمین میں دراڑ پڑ گئی اور سونے کی ایک نہر بہتی ہوئی دیکھائی دی۔ یہ دیکھ کر جناب فضہؑ حیران ہو گئیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا، ہمارا فقر و فاقہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے کسی قسم کی مجبوری کی وجہ سے نہیں۔ پالنے والے نے ہم کو ہر چیز پر اختیار عطا فرمایا ہے۔ ہم دنیا کی لذتوں کو ترک کر کے آخرت کی ظاہر چیزوں کو حاصل کرتے ہیں۔ حضرت علیؑ کی انگلی کے اشارے سے وہ شگاف جو زمین پر ہو گیا تھا وہ بند ہو گیا۔ جناب فضہؑ کو اس واقعہ کے بعد معلوم ہوا کہ خانوادہ رسالت کے افراد س مرتبہ پر فائز ہیں اور کس کردار کے مالک ہیں۔

جناب فضہؑ کے سابق مذاہب کی بابت کچھ کہا نہیں جا سکتا کیونکہ جناب فضہؑ کے ماضی کی کوئی تفصیل تاریخ میں نہیں ملتی لیکن اس وقت ہند میں مت پرستی رائج تھی یا پھر مت مذاہب کے پیرو کا تھے اور ان دو مذاہب کے علاوہ دوسرا اور کوئی مذہب ہند میں نہیں پہنچا تھا۔ ملک حبش میں عیسائی مذہب جاری تھا۔ تاریخ سے یہ بھی نہیں پتہ چل سکا کہ جناب فضہؑ جناب سلمان فارسی کی طرح یہ بھی اپنے آبائی مذہب سے انکاری تھیں یا نہیں۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عقل سلیم اور فطرت صالحہ پوری طرح جناب فضہؑ میں موجود تھی اور

قبولیت حق کا عنصر غالب تھا جس نے آپ کو اس مرتبہ پر فائز کیا جہاں بڑے بڑے متقی نہ پہنچ سکے۔

جناب فاطمہؑ کے گھر میں آنے کے بعد جناب فضہؑ نے دیکھا کہ گھر کا ہر فرد اطاعت الٰہی، زہد و تقویٰ کی مجسم تصویر بنا ہوا ہے۔ چنانچہ جناب فضہؑ کی طبع سلیم نے پورا کام کرنا شروع کیا، دوسری طرف قدرت کی طرف سے مدد اور خود میں خیر و خوبی قبول کرنے کی بھرپور صلاحیت۔ جب یہ سب باتیں جمع تھیں تو نتیجہ روشن آفتاب کیطرح عیاں تھا۔ جناب فاطمہؑ کے نقش قدم پر چلنا شروع کیا۔ نفس مطمئنہ نے آگے بڑھ کر جناب فضہؑ سے لبیک کہی اور منازل طے ہونے لگیں یہاں تک کہ آپ کی روحانیت اپنے کمال پر پہنچ گئی جہاں پہنچ کر انسان ملائکہ سے افضل ہو جاتا ہے اور قدرت کا منشائے تخلیق پورا ہو جاتا ہے جناب فضہؑ روحانیت کے اس درجہ کمال پر فائز ہوئیں جس کا اندازہ لگانا ایک عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

جناب فضہؑ کو قدرت ان تمام نعمات سے سرفراز فرماتی رہی جو اہل بیت کے لئے نازل ہوتی تھیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس سے انکار کرنا کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ تاریخ شاہد ہیں کہ جب نعمات جنت اہل بیت اطہار کے لئے نازل ہوئیں تو جناب فضہؑ بھی نعمات جنت میں شریک رہیں جب بھی نعمات جنت آیا جناب فضہؑ کو اس میں شریک رکھا گیا

ابو القاسم شیرازی اور علامہ مجلسیؒ اپنی اپنی تصانیف میں یہ واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ جناب سلمان فارسی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ، جناب

فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ نے جناب رسول اللہؐ کی باری باری دعوت کی آخری روز
جب رسول اللہؐ دعوت کھانے کے بعد اپنے گھر واپس تشریف لے جانے لگے تو
جناب فضہؓ نے دست بستہ عرض کی کل اس کنیز کی طرف سے دعوت قبول فرما
کر سرفراز فرمائیں رسول اللہؐ نے جناب فضہؓ کی اس دعوت کو قبول فرما کر
جناب فضہؓ کو عزت بخشی۔

دوسرے روز جب کھانے کا وقت آیا۔ رسول اللہؐ جناب فاطمہ زہراؑ
کے گھر تشریف لائے، بیٹی اور داماد نے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا
اور جناب فاطمہؑ نے عرض کی بابا جان اس وقت آپ کی تشریف آوری کا سبب
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آج میں فضہؓ کا مہمان ہوں۔

جناب فاطمہؑ یہ سن کر پریشان ہوئیں کیونکہ جناب فضہؓ نے اس بات کا
ذکر کسی سے نہیں کیا تھا۔ جناب فاطمہؑ جناب فضہؓ کے پاس تشریف لے گئیں
تو عجب منظر ملاحظ فرمایا کہ فضہؓ مصلے پر سجدے میں ہیں اور اپنے پروردگار کی
بارگاہ میں رو رو کر عرض کر رہی ہیں کہ اے میرے پالنے والے اے دو جہاں
کے مالک میں نے تیری رحمت کے بھروسے پر تیرے حبیبؐ کی دعوت کی ہے
اس کنیز کی عزت تیرے ہاتھ ہے میری عزت رکھ لے۔ ابھی یہ دعا ختم نہ
ہونے پائی تھی کہ طعام جنت کی خوشبو جناب فضہؓ کو محسوس ہوئی۔ سجدے
سے سر اٹھا کر دیکھا تو طبق ہائے جنت رکھے ہوئے دیکھے۔ فوراً جناب فضہؓ نے
سجدہ شکر ادا کیا اور کھانے کے طبق اٹھا کر خدمت رسول اللہ ﷺ میں حاضر
ہوئیں۔ جیسے ہی جناب فضہؓ نے کھانے کا یہ طبق خدمت رسول اللہ ﷺ میں

پیش کیا جبرئیلؑ خدمت رسول ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ پروردگار
درود و سلام ارشاد فرماتا ہے کے اے میرے حبیب ﷺ آج آپ کو ہماری کنیز
نے مدعو کیا ہے ہم نے نہیں چاہا کہ ہماری کنیز کو شرمندگی ہو لہذا یہ کھانا اس کی
طرف سے ہم نے بھیجا ہے۔ یہ عظیم مرتبہ قدرت کی نظر میں فضہؓ کا تھا۔

یہ تھی جناب فضہؓ کے کردار کی منزلت کہ اللہ نے اس بات کو پسند
نہیں کیا کہ آپکی دل شکنی ہو۔ اب اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت جناب فضہؓ کی
ہو سکتی ہے کہ اللہ آپ کی ایسی دلجوئی فرمائے کہ آپ کی دعا ابھی ختم بھی نہ ہوئی
تھی کہ جنت سے طعام بھیج کر جناب فضہؓ کو خدمت رسول ﷺ میں شرمندگی
سے محفوظ رکھے اور جناب فضہؓ کی دل شکنی نہ ہونے دے اور اللہ نے مدح و
ثنائے اہل بیتؑ میں آپ کو بھی شریک کر لیا۔ سورۃ ھل اتیٰ اس کی شاہد ہے کہ یہ
سورہ مدح اہل بیتؑ میں نازل ہوئی، جبکہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ بیمار ہوئے تو
آپ کی صحت کے لئے روزوں کی نذر مانی گئی اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی صحت
پانے پر تمام اہل خانہ نے تین روزے رکھے اور ہر ایک نے بوقت افطار سائل
کے سوال پر اپنے اپنے افطار صوم کا کھانا اٹھا کر سائل کو دے دیا، ان کھانا دینے
والوں میں پنجتن پاک کے علاوہ جناب فضہؓ بھی شریک تھیں۔

اللہ نے ان حضرات کا خود شکریہ ادا کیا ہے جو اس واقعہ میں برابر کے
شریک تھے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

ترجمہ: بیشک یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری سعی کے ہم شکر گزار ہیں ہم
تمہارے ایثار کی یہ جزا دیتے ہیں اور ان روزوں میں ہماری خوشنودی کے پیش

نظر جو مصائب تم نے برداشت کیے ان کا ہم شکریہ بھی ادا کرتے ہیں۔

اس سعی میں جناب فضہؑ بھی شریک تھیں اس لئے وہ بھی مستحق شکریہ تھیں۔ اس سے زیادہ جناب فضہؑ کی اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ صاحبان عصمت کے ساتھ جناب فضہؑ کا بھی شکریہ قدرت ادا فرمائے۔

جناب شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب حدائق الریاض میں اس واقعہ کو جناب جابر بن عبداللہ انصاری کی زبانی فرمایا ہے کہ ایک روز جناب حضرت علیؑ خانہ جناب عائشہؓ میں کسی ضرورت سے تشریف فرما تھے کہ نماز کا وقت آگیا، حضرت علیؑ نے جناب فضہؑ کو آواز دی کہ وضو کے لئے پانی لے کر آئیں۔ دو تین مرتبہ حضرت علیؑ نے آوازیں دیں، لیکن جناب فضہؑ نے کوئی جواب نہ دیا، حضرت علیؑ کو خیال آیا کہ ممکن ہو فضہؑ نے سنا نہ ہو۔

چنانچہ آپ صحن خانہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک برتن میں پانی بھرا ہوا رکھا ہے، آپ نے اس پانی سے وضو فرمایا اور مسجد میں تشریف لے گئے، نماز ختم کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؑ سے دریافت فرمایا اے علی تم نے وضو کے لئے پانی کہاں پایا؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا کہ میں نے فضہؑ کو پانی لانے کے لئے آواز دی مگر وہ نہ آئیں، میں نے قدرے انتظار کیا پھر میں صحن کی طرف گیا وہاں میں نے دیکھا کہ ایک برتن میں پانی رکھا ہوا ہے میں نے وضو کیا اور مسجد میں جا کر نماز ادا کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

کہ ابھی ابھی جبرئیل آئے تھے انہوں نے مجھے بتایا کہ تم نے فضہؑ سے

وضو کے لئے پانی طلب کیا تھا، مگر فضہؑ چونکہ اپنی حالت عادیہ میں تھیں لہذا انہوں نے گوارا نہ کیا کہ تمہارے لئے اس حالت میں وضو کے لئے پانی دیں اور بوجہ نسوانی حیا کے خاموشی اختیار کی، اللہ نے ان کی شرم برقرار رکھنے کے لئے رضوان جنت کو حکم دیا کہ آب کوثر تمہارے وضو کے لئے لا کر رکھ دیں۔

یہ جناب فضہؑ کی قدر و منزلت ہے کہ اللہ نے پسند نہ فرمایا کہ جناب فضہؑ کو پانی نہ لانے کی مجبوری کی وجہ بیان کرنی پڑے اور شرمندگی اٹھانی پڑے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جو اس در کا ہو گیا وہ معراج انسانیت پر جا پہنچا۔ اس بات کی قید نہیں کہ وہ قنبرؑ ہوں، میثمؑ ہوں یا فضہؑ جس نے بھی اس چوکھٹ پر سر جھکایا وہ دنیا و آخرت میں سربلند کرتا ہے۔ اس در کے غلام اور کنیز جب اپنی بلندی کردار سے غلامی کا دم بھرتے ہیں تو دنیا کی ہر شے ان کو نظر میں پست ترین ہو جاتی ہے پھر ---- پروردگار کی وجہ سے نہ ان کو موت سے خوف ہوتا ہے اور نہ حوادث کی فکر، رحمت و عنایات سے اللہ ان کو سرفراز کرتا ہے اور ان لوگوں کا نفس پاک ہو کر شرف و فضیلت حاصل کرتا ہے۔ یہ مرتبہ ہر کسی کو نہیں ملتا ان کی ذات سے وہ کمالات و کرامات ظاہر ہوتیں ہیں جس کو دیکھ کر عام انسان حیرت و استعجاب کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اے میرے بندے میں نے تمام عالم کو تیرے لئے خلق کیا ہے اور تجھ کو اپنے لئے، تو میرا ہو جا۔ تمام مخلوق تیری فرمانبرداری کرے گی۔

جناب شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں کہ جناب ابوذر غفاری بیان فرماتے

ہیں کہ ایک دن جناب فضہؓ لکڑیاں لینے کے لئے تشریف لے گئیں، آپ نے لکڑیاں جمع کیں اور ان کو باندھا مگر لکڑیوں کا گھٹا اتنا وزنی تھا کہ جناب فضہؓ سے اٹھ نہ سکا، تو جناب فضہؓ نے اللہ سے دعا مانگی جو آپ کو رسول اللہ نے تعلیم فرمائی تھی، آپ نے وہ دعا پڑھنی شروع کی ابھی دعا ختم نہ ہونے پائی تھی کہ اللہ کی بارگاہ میں آپ کی دعا قبول ہوئی ایک شخص آیا اور آپ کا لکڑیوں کا گھٹا اٹھا کر بیت جناب فاطمہؑ پر رکھ کر چلا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کی بعد اہل بیت اطہار کو جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا وہ تاریخ اسلام کا المیہ ہے، یہ مصائب اتنے شدید تھے کہ جناب فاطمہؑ زیادہ عرصہ برداشت نہ کر سکیں اور صرف (۷۵) یا نوے (۹۰) دن کی قلیل مدت میں اپنے پدر کی خدمت میں پہنچ گئیں۔ جناب فاطمہؑ کے کمسن بچے تھے جن پر غم والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے، ابھی شفیق نانا کا سایہ اٹھا ہی تھا کہ شفقت آغوش مادر سے بھی محروم ہوگئے۔ ان بچوں کی خدمت کرنا اور ان کی دلجوئی کرنا جناب فضہؓ کے ذمے تھی۔ تاریخ خاموش ہے اور کسی بھی تاریخ دان نے یہ تحریر نہیں کیا کہ اس عرصہ میں جناب فضہؓ کی کسی نے مدد کی ہو۔

جناب فضہؓ کا عقد بعد وفات جناب فاطمہؑ سنہ ۱۱ھ میں حضرت علیؑ نے ایک غلام ثعلبہ سے فرمادیا، اس سے جناب فضہؓ کے ایک لڑکا تولید ہوا، لیکن ڈیڑھ سال بعد ثعلبہ کا انتقال ہوگیا اور اس کے انتقال کے بعد ثعلبہ کے لڑکے کا بھی انتقال ہوگیا۔ ابن حجر عسقلانی نے یہ واقعہ زمانہ خلافت ثانیہ کے لکھا ہے۔ الانساب میں تحریر ہے کہ بعد وفات ثعلبہ کے بعد سلیکہ نامی شخص

نے جناب فضہؓ سے عقد کی خواستگاری کی جس کو جناب فضہؓ نے قبول نہ فرمایا۔ سلیکہ نے مایوس ہو کر خلیفہ وقت سے جناب فضہؓ کی شکایت کی، خلیفہ وقت نے آپ کو طلب کر کے وجہ انکار دریافت کیا۔ جناب فضہؓ نے خلیفہ وقت کو جواب دیا کہ ان کا زمانہ عدت ابھی پورا نہیں ہوا ہے۔ اگر میں نے عقد کر لیا تو یہ عقد خلاف شرع ہوگا۔ خلیفہ وقت نے جناب فضہؓ کا جواب سن کر کہا کہ ابو طالب کے گھر کی خادمہ بھی فقہ کی عالمہ ہے۔ عدت گزرنے کے بعد سلیکہ سے آپ کا نکاح ہوا جس سے چار فرزند اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکوں کے نام (۱) داود (۲) محمد (۳) یحیٰ (۴) موسیٰ تھے اور لڑکی کا نام ژکیلہ تھا۔ سلیکہ کے عقد کے بعد بھی جناب فضہؓ نے اپنے فرائض میں کوئی کمی نہیں کی اور اہل بیت کی خدمت میں اسی طرح مصروف رہیں۔ تاریخ میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جس سے اہل بیت اطہار کی خدمت اور اپنے فرائض کی انجام دہی میں کسی قسم کی معمولی سے بھی کوتاہی نظر آئے۔

جب امام حسینؑ نے مدینے سے سفر کا ارادہ کیا تو گھر کے افراد کے ساتھ جناب فضہؓ بھی آپ کے ہمراہ تھیں اور جناب فضہؓ اہل بیت کی مدینے تک واپسی میں ہر مصیبت اور رنج و غم میں اہل بیت اطہار کے ساتھ ساتھ رہیں۔

جب میدان کربلا میں فوجوں پر فوجیں آرہی تھیں اہل بیت پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا تو جناب فضہؓ نے انتہائی محنت اور جاں فشانی سے اہل بیت کی خدمت کی۔

جیسے جیسے قیامت کی گھڑیا گذریں جناب فضہؓ اللہ کے حضور دعا کو

رہیں اور اللہ نے جناب فضہؑ کو ہمت اور جرات عطا کی۔ دسویں محرم کی رات جو
غموں کا پہاڑ اہل بیت اطہار پر ٹوٹا جو رات غموں سے بھری ہوئی ہے، جناب فضہؑ
کربلا کے دل سوز واقعہ میں اہل بیت اطہار کے ساتھ ساتھ رہیں۔ شب عاشورہ
جس شب امام حسینؑ نے ایک رات کی مہلت لی تھی، جناب فضہؑ اس رات
بچوں کی دیکھ بھال اور عبادت میں گزاری جناب فضہؑ کا وہ مرتبہ تھا کہ ۱۰ محرم کو
امام حسینؑ جب سب سے رخصت ہو رہے تھے تو آپ نے ایک ایک بی بی کا نام
لیکر اپنا آخری سلام کیا تھا۔ اس میں جناب فضہؑ بھی شامل تھیں۔

پھر شب عاشور ختم ہوئی اور ۱۰ محرم کا سورج اہل بیت اطہار پر امام
حسینؑ اور انکے جاں نثاروں معصوم بچوں اور عصمت و طہارت پر ایک آفت بن کر
نمودار ہوئی، مصیبتوں کی سحر کا آغاز تھا۔ تیروں کی بارش امام حسینؑ اور انکے
جاں نثاروں اور خیموں پر ہونے لگی۔ ابن سعد کے فوجیوں نے جنگ کا پیغام
دیا۔ جناب فضہؑ نے خوب جائزہ لیا ہوگا اور اپنے آپ کو حالات کا مقابلہ کرنے
کے لئے تیار ہو گئی ہونگی۔ جناب فضہؑ نماز فجر سے لیکر نماز عصر تک کے وقت
میں خدمت اہل بیت میں مصروف رہی ہونگی، خیمہ کے اندر تیروں کے آنے
کی خبر امام حسینؑ تک پہنچاتی رہی ہونگی، کبھی جناب زینبؑ کے پاس جا کر کہتی
ہوں گی کہ حبیب ابن مظاہرؓ آگئے ہیں اور آپ کو سلام کہہ رہے ہیں، جناب
امام حسینؑ پر قربان ہونے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ جناب فضہؑ پل پل کی خبر
جناب زینبؑ تک پہنچاتی ہونگی۔ کبھی جناب زینبؑ کو اطلاع دیتیں کہ مولا
فلاں جاں نثار رخصت طلب ہے کبھی کہتی ہوں گی کہ مولا کا فلاں نثار نے

شہادت نوش کیا کبھی امام کسی کی لاش لاتے تو آپ اس کر فرش پر لٹانے کے
لئے مولا کی مدد کرتیں۔ غرض جو کچھ جناب فضہؑ سے ممکن تھا تندہی سے اس
کام کو انجام دیتی رہیں کبھی جناب زینبؑ کو عونؑ و محمدؑ کی جنگ کی کیفیت جناب
زینبؑ کو بتایا ہوگا جناب زینبؑ کو جناب فضہؑ نے کس پل تنہا نہیں چھوڑا ہوگا۔
کبھی حضرت علی اکبر کی لاش پر جناب زینبؑ کے ہمراہ آئی ہونگی، جناب فضہؑ
نے جناب زینب کو اس گھڑی تنہا نہ چھوڑا ہوگا۔

حضرت عباسؑ علمدار کے شانے کٹ چکے حضرت علی اکبرؑ سینے پر
برچھی کا پھل کھا چکے حضرت علی اصغرؑ کی پیاس تیر سے بجھ چکی حسینؑ تنہا ہیں
آخر میں رخصت کے لئے میدان کارزار سے خیمہ میں تشریف لائے۔ اہل حرم
سے رخصت ہوئے۔ در خیمے پر پہنچے ہر ایک کو سلام کیا، حضرت امام حسینؑ کی
زبان پر یہ الفاظ تاریخ میں محفوظ ہیں جب امام حسینؑ نے میری ماں کی کنیز فضہ
تم پر میرا آخری سلام ہو کہا۔ یہ جناب فضہؑ کے لئے کتنا بلند مرتبہ ہے حضرت
امام حسینؑ کی نظر میں۔

تاریخ اسلام میں انبیائے ماسبق کے اصحاب کی خدمات موجود ہے یہ
کہنا کہ کنیز فاطمہؑ جناب فضہؑ نے جس خلوص نیت و راست کرداری سے اہلبیت
اطہار کی آخر وقت تک کربلا، شام کوفہ میں خدمت کی انجام دہی کی، اس کی مثال
--- صحابیوں اور اصحاب آئمہ میں نہیں ملتی۔ یہ وہ خاتون ہیں جن کی گود میں
معصوم بیٹھتے تھے۔ امام کا علم بچپن میں بھی اتنا ہی ہوتا ہے جتنا بڑی عمر میں مگر یہ
شرف جناب فضہؑ کو ہی ملا کہ وہ بچپن ہی سے اماموں کو سلام کرتی آرہی تھیں اور

عزت جناب فضہؑ کو حاصل تھی۔

یزید نے خانوادہ رسول اللہؐ کو اپنے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا، یزید ان اہل بیت اطہار کو شمار کرنا چاہتا تھا، ان لوگوں کو پہچاننا چاہتا تھا اور یزید ہر ایک کا جائزہ لینے کا متمنی تھا۔ جب یزید اہل بیت اطہار کو دیکھنے کے لئے آگے بڑھا تو جناب فضہؑ ان شہزادیوں کے آگے کھڑی ہوگئیں تاکہ یہ شہزادیاں یزید کی نظروں سے بچی رہیں۔ یزید نے جناب فضہؑ سے اپنے آگے سے ہٹ جانے کو کہا تو جناب فضہؑ نہ ہٹیں پھر غصہ میں آکر جبر سے ہٹ جانے کو کہا پھر بھی جناب فضہؑ اپنی جگہ پر کھڑی رہیں۔ یزید کے پس پشت حبشی غلام تیغ لئے کھڑے تھے جناب فضہؑ نے اپنا قدم آگے بڑھایا، جناب فضہؑ نے ان حبشی غلاموں کی غیرت انہیں یاد دلائی کہ تمہاری قوم کی ایک خاتون پر یزید کیسا ظلم ڈھا رہا ہے۔ حبشی غلاموں نے یزید سے کہا کہ اگر تم نے فضہؑ سے اپنی بد کلامی جاری رکھی تو تمہارے دربار میں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ یزید نے حبشی غلاموں کے تیور دیکھے تو ڈر گیا اور خاموش ہوگیا۔ جناب فضہؑ نے جس طرح شہزادیوں کو دربار یزید میں محفوظ رکھنے کی کوشش کی وہ صرف جناب فضہؑ کا ہی کام تھا۔ قید خانہ کے حالات میں جناب فضہؑ نے اپنی خدمات کو اسی طرح جاری رکھا اور جناب سکینہؑ کی خدمت میں اپنی حد تک ممکنہ کوشش کی ہوگی۔ جناب فضہؑ اس عظیم سانحہ میں جناب زینبؑ کی دل جوئی اور انکی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہوگی۔ اہل بیت کی اس بیچارگی اور مجبوری کے عالم میں جناب فضہؑ نے ہر امکانی کوشش کی ہوگی مصائب و آلام کے کم کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہوں

گی۔

قید شام سے رہائی کے بعد جناب فضہؑ اہل بیت اطہار کے ہمراہ کربلا پھر مدینہ تشریف لائیں ۶۳ھ تک آپ مدینہ میں موجود رہیں لیکن اس دور میں حضرت امام زین العابدینؑ کی دربار یزید میں دوبارہ طلبی کا حکم جاری ہوا جناب زینبؑ حضرت امام زین العابدینؑ کے ہمراہ تشریف لے گئیں تو جناب فضہؑ بھی ان لوگوں کی خدمت کے لئے امام وقت کے ساتھ تشریف لے گئیں اور شہادت جناب زینبؑ آپ مدینہ سے کوفہ تشریف لے گئیں اور اپنے چاروں فرزندوں کے ہمراہ شام میں قیام پذیر رہیں اور شام میں ہی جناب فضہؑ نے وفات پائی۔

جناب فضہؑ بیت الشرف آل محمدؐ سے نکلنے کے بعد سے تا حیات سورہ قرآن مجید کے اور کسی زبان میں باتیں نہیں کی اور یہ مدت تقریباً بائیس سال ہے مناقب شہر آشوب میں تحریر ہے کہ یہ روایت مستند راویوں سے ابو القاسم دمشق تک پہنچی ہے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ راوی نے بیان کیا ہے

ابو القاسم دمشقی نے بیان کیا:

کہ ایک عرب حج کرنے کوفہ سے چلا وہ بیان کرتا ہے کہ میں ایک ویران مقام پر قافلہ سے پیچھے رہ گیا، میں نے دیکھا کہ ایک معظمہ ایک میدان میں تنہا بیٹھی ہیں میں اس معظمہ کے قریب گیا اور دریافت حال کیا، انھوں نے قرآن کی ایک آیت پڑھی۔ ترجمہ: یعنی پہلے سلام کرو پھر معلوم کرو۔

چنانچہ میں نے سلام کیا پھر دریافت کیا کہ آپ کون ہیں کیا آپ قوم

جن سے ہیں یا قوم بنی آدم سے ہیں۔

جناب فضہؑ نے جواب دیا۔ ترجمہ یعنی اے بنی آدم اپنے کو زینت دو مسجدوں سے (ہر نماز میں اپنے کو زینت دیا کرو)

پس میں نے سمجھا کہ بنی آدم ہیں۔ پھر میں نے سوال کیا کہ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔

جناب فضہؑ نے جواب دیا ترجمہ جس کی خدا ہدایت کرتا ہے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔

میں سمجھ گیا کہ راہ بھول گئیں ہیں میں نے معظمہ سے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے تشریف لائیں ہیں۔

جناب فضہؑ نے جواب دیا ترجمہ : یعنی دور سے آئی ہوں۔

پھر میں نے سوال کیا کہ کہاں کا ارادہ ہے۔

جناب فضہؑ نے فرمایا ترجمہ : اور ہم نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا۔

میں سمجھ گیا کہ چھ دن سے سفر میں ہیں۔ پھر میں نے سوال کیا کہ کچھ کھانے کی خواہش ہے۔ جناب فضہؑ نے جواب فرمایا: ہم نے ان کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ وہ غذا نہ کھائیں۔

میں سمجھ گیا کہ معظمہ بھوک محسوس کر رہی ہیں لہذا میں نے کھانا معظمہ کو پیش کیا۔ کھانے کے بعد میں نے چلنے کے لئے جلدی کی۔

جناب فضہؑ نے فرمایا ترجمہ : خدا نے قوت سے زیادہ تکلیف نہیں

دی۔ میں نے معظمہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ چلنے کی طاقت نہیں رکھتیں تو میری سواری حاضر ہے۔

جناب فضہؑ نے فرمایا ترجمہ : ایک خدا کے سوا کئی خدا ہوتے تو دونوں (آسمان و زمین) فاسد ہو جاتے۔

پس میں نے ان کو اپنی سواری پر سوار کیا اور خود پیدل چلا۔

جناب فضہؑ نے فرمایا ترجمہ : قابل حمد وہ خدا جس نے ہمارے لئے اس کو (سواری) مسخر کیا۔

جب ہم منزل پر پہنچے تو میں نے معظمہ سے دریافت کیا کہ آپ کا کوئی عزیز اس قافلہ میں ہے جس کو میں اطلاع دوں۔

جناب فضہؑ نے فرمایا۔ ترجمہ : اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ مقرر کیا محمد ﷺ نہیں ہیں مگر (ہمارے) رسول۔ اے یحییٰ۔ یہ کتاب (پکڑ) لو۔ اے موسیٰ یقیناً میں اللہ ہوں۔

اس کے بعد میں قافلہ میں گیا اور ان چاروں ناموں کو پکارا تو چار جوان قافلے سے نکل کر معظمہ کے پاس آئے میں نے دریافت کیا کہ یہ نوجوان کون ہیں آپ کے۔

جناب فضہؑ نے فرمایا۔ ترجمہ : مال اور اولاد دنیا کی زینتیں (آرائش) ہیں۔

میں سمجھ گیا کہ یہ ان معظمہ کے بیٹے ہیں۔

جناب فضہؑ اپنے بیٹوں کی طرف مخاطب ہوئیں اور فرمایا۔ ترجمہ : اس کو (مزدوری) اجرت دے دو کیونکہ بہترین مزدوری وہی ہے جو مضبوط اور

ایماندار ہو۔

اسکے بعد جناب فضہؑ کے بیٹوں نے مجھ کو کچھ رقم دی۔

جناب فضہؑ نے پھر فرمایا ترجمہ : اللہ جس کو چاھتا ہے اضافہ سے نوازتا ہے۔

جناب فضہؑ کے بیٹوں نے میرے ساتھ احسان میں اضافہ کیا اور مجھکو اور رقم دی۔

میں حیران تھا میں نے ان نوجوانوں سے دریافت کیا کہ یہ معظمہ آپ کی کون ہیں

انھوں نے مجھکو بتایا کہ یہ ہماری والدہ گرامی جناب فضہؑ کنیز حضرت فاطمہ زہراؑ ہیں۔

جناب فضہؑ اپنی آخری سانس تک صرف اور صرف کلام الٰہی کے سوا اور کسی زبان میں بات نہیں کی۔ آپ کا کمالات نفس کے علاوہ یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کو قرآن مجید پر کتنا عبور تھا۔ بیس سال تک قرآن مجید میں گفتگو کرنا ایسی کرامت ہے جس کا تصور ہی حیران کن ہے۔

اے جناب فاطمہ زہراؑ کی کنیز۔ اے حسینؑ اور ان کے بچوں کی پروانہ ہم گنہگاران و غلامان آل محمدؐ کا آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں آپ کی روح اقدس پر برابر نازل ہوتی رہیں۔ اے جناب فضہؑ روز محشر ہم سب جو غلامان اہل بیت اطہار ہیں آپ سے سفارش کی درخواست کریں گے اے جناب فضہؑ روز محشر ہم گنہگاروں کی فرد حساب پیش ہوں تو آپ ہم سب کی سفارش فرمایئے گا اور ہم سب کو بہرہ یاب کرا دیجئے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معجزہ جناب سیدہؑ

پہلا معجزہ:

مشہور روایت ہے کہ عرب کے کسی شہر میں ایک سنارن رہتی تھی جس کا صرف ایک ہی لڑکا تھا۔ ایک روز جب سنارن کنوئیں پر پانی بھرنے گئی تو اس کا لڑکا بھی اس کے ساتھ ہولیا۔ سنارن لڑکے کو کنوئیں کے قریب بٹھا کر پانی بھرنے لگی۔ کنوئیں کی دوسری طرف ایک کمہار رہتا تھا۔ جس کا آوا اس وقت خوب روشن تھا۔ لڑکا کھیلتے کھیلتے اس طرف نکل گیا۔ سنارن جب پانی بھر چکی تو کنوئیں کے قریب لڑکے کو نہ پا کر خیال کیا کہ گھر چلا گیا ہوگا۔ واپس گھر پہونچی تو گھر پر بھی لڑکا موجود نہ ملا۔ آخر ماں تھی۔ بہت پریشان ہوئی اور روتی پیٹتی اپنے لخت جگر کی تلاش میں دوبارہ گھر سے نکلی۔ کنوئیں کے قریب آئی۔ جگہ جگہ ڈھونڈا۔ سرگرداں و پریشان پھرتی رہی ہر ایک سے پوچھا۔ مگر کوئی سراغ نہ ملا کہیں پتہ نہ چلا۔ اسی طرح شام ہوگئی یکا یک شور ہوا کہ سنار کا لڑکا کمہار کے آوے میں گر کر جل گیا ہے۔ یہ سن کر اسے انتہائی صدمہ ہوا اور اس قدر روئی کہ غش آ گیا۔

عالم غشی میں کیا دیکھتی ہے کہ ایک معظمہ نقاب پوش تشریف لائی ہیں اور فرماتی ہیں کہ غم نہ کر۔ تیرا لڑکا بہت جلد تجھ سے ملے گا۔ تو نیت کرلے کہ اگر میرا لڑکا صحیح وسالم کمہار کے آوے میں سے زندہ کھیلتا کودتا نکل آوے تو میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی کہانی سنوں گی۔ سنارن نے فوراً عالم غشی میں ہی نیت کر کے منت مان

لی۔ جب آنکھ کھلی تو سنارن نے دیکھا کہ لڑکا خدا کے فضل و کرم سے ہنستا کھیلتا زندہ سلامت چلا آ رہا ہے اور اعجاز جناب سیدہؑ سے اس کے جسم پر آگ نے کوئی اثر نہیں کیا۔ یہاں تک کہ لباس بدن بھی بالکل محفوظ رہا۔ (صلوٰۃ)

سنارن خوشی خوشی بچے کو لے کر بازار گئی۔ دو پیسے کی شیرینی خریدی اور اپنے پڑوسیوں سے کہا کہ میری مراد پوری ہوئی میرے گھر چل کر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی کہانی مجھے سنادو اگر کسی کو یاد ہو۔ چھ سات گھر پھری لیکن ہر ایک نے یہی کہا کہ ہمیں کہانی نہ یاد ہے اور نہ اتنی فرصت کہ فضول باتوں کی طرف توجہ دیں۔ سنارن سب سے مایوس ہو کر جنگل کی طرف چل دی' کچھ دور چلی تھی کہ وہی نقاب پوش مخدرہ نظر آئیں اور فرمایا کہ اے خاتون مت رو۔ چادر بچھا کر بیٹھ جا۔ میں کہانی کہتی ہوں تو سن۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ شہر مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا۔ اس کی لڑکی کی شادی تھی۔ وہ یہودی جناب رسول خدا ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میری لڑکی کی شادی ہے آپؑ اجازت دیں تو میں شرف پاؤں کی جناب سیدہؑ میرے گھر تشریف لے جائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس امر کے مالک علیؑ ہیں یہ سن کر وہ حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ اجازت دیں جناب سیدہؑ میرے گھر تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس امر کی مالک خود جناب سیدہؑ ہیں۔ اس کے بعد یہودی نے جناب سیدہؑ کے دروازے پر آواز دی۔ کہ اے بنت رسولؐ میری لڑکی کی شادی ہے اگر آپ تشریف لے چلیں تو میری عزت بڑھ جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ جناب علی علیہ السلام سے اجازت لے لو تو چلوں۔ یہودی نے کہا کہ میں رسول اللہؐ اور حضرت علیؑ کی خدمت میں گیا تھا سب ہی نے آپ کو مختار کیا ہے۔ جناب سیدہؑ یہ سن

کر متفکر ہوئیں اتنے میں جناب رسولؐ خدا خود تشریف لے آئے۔ جناب سیدہؑ نے فرمایا۔ بابا جان! یہودی کے یہاں سے آدمی آیا ہے آپ کیا فرماتے ہیں۔ اس کے گھر جائیں یا نہ جائیں۔ آپؐ نے فرمایا اے بیٹی تم کو اختیار ہے۔ جناب سیدہؑ نے عرض کیا۔ بابا جان آپ کی سخت توہین ہوگی کیونکہ ان کی عورتیں عمدہ اور نفیس لباس و زیورات سے مزین ہوں گی اور میرے پاس وہی پھٹے پرانے کپڑے ہیں جس میں جا بجا خرمے کے پیوند لگے ہیں رسول اللہؐ نے فرمایا اے بیٹی! اسی حالت میں جاؤ جو مرضی معبود۔ چنانچہ جناب سیدہؑ جانے کو تیار ہو گئیں۔ اپنی ڈیوڑھی تک نہ پہونچی تھیں کہ حوران جنت آسمان سے نازل ہوئیں اور جناب سیدہؑ کو زیورات و خلعت سے آراستہ کیا اور اپنا جلوس لے کر جناب سیدہؑ کو روانہ کیا۔ کچھ حوریں دائیں اور بائیں اور کچھ پیچھے اور کچھ آگے روانہ ہوئیں۔ اس شان سے جناب سیدہؑ کی سواری یہودی کے مکان پر پہونچی۔ جونہی آپ یہودی کے مکان پر پہنچیں تمام مکان آپ کے نور سے روشن ہو گیا اور ایسی خوشبو پھیلی کہ دور دور تک خوشبو محسوس ہونے لگی۔ یہ تجمل و وقار دیکھ کر تمام یہود عورتیں بیہوش ہو گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد سب کو ہوش آیا مگر دلہن کو ہوش نہ آیا۔ لاکھ تدبیریں کی مگر سب بے سود ثابت ہوئیں کہ دلہن کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ آناً فاناً شادی...... کا مکان ماتم کدہ بن گیا۔

جناب سیدہؑ کو یہ دیکھ کر بہت تشویش ہوئی اور فرمایا کہ اطمینان رکھئے ابھی دلہن کو ہوش آجائے گا اس کے بعد آپ نے فوراً دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کیلئے ہاتھ بلند کئے اور کہا کہ اے میرے معبود میں بنت رسولؐ ہوں۔

صدیقہ نام رکھا ہے تو نے بتول کا

جھوٹا نہ کیجیو مجھے صدقہ رسول کا

اے میرے معبود برحق! میں تیرے رسول کی بیٹی ہوں
میری عزت تیرے ہاتھ ہے تمام لوگ یہی کہیں گے کہ سیدہؑ کے آتے ہی
دلہن انتقال کر گئی اور خانہ شادی خانہ غم بن گیا۔

کچھ دیر نہ گذری تھی کہ آپ کی دعا قبول ہوئی۔ اور دلہن کلمہ شہادت پڑھتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ کہنے لگی میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا وحدہ لاشریک ہے حضرت محمد مصطفیٰؐ رسول برحق ہیں آپ ان کی دختر ہیں۔ آپ مجھ کو مذہب اسلام کی تعلیم فرمائیں۔ اور اسی طرح صدق دل سے وہ عورت مسلمان ہوگئی۔ جناب فاطمہ زہراؑ کا یہ اعجاز دیکھ کر پانچ سو یہودی مرد و عورت مسلمان ہوگئے اور آپ کو سب نے نہایت عزت و حرمت کے ساتھ رخصت کیا۔ ایک عورت آپ کی کنیزی میں دی۔ آپ اپنے دولت خانہ پر واپس تشریف لے آئیں۔ تمام ماجرا جناب رسولؐ خدا سے بیان کیا۔ رسالتمآب ﷺ نے بھی خدا کا شکر ادا کیا۔

یہ "کہانی" سنارن سے کہہ کر وہ معظمہ روپوش ہوگئیں۔ سنارن اپنے گھر واپس آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ جن جن لوگوں نے "کہانی" سننے اور سنانے سے انکار کر دیا تھا ان کے گھروں میں آگ لگ گئی ہے۔

جس طرح سنارن کی مراد خداوند عالم نے بہ طفیل جناب سیدہؑ پوری کی اسی طرح رب العالمین محمدؐ و آل محمدؐ کے صدقے میں جملہ سننے والوں کی دلی مرادیں پوری ہوں آمین ثم آمین۔ (صلوٰۃ)

دوسرا معجزہ

کسی ملک کا ایک بادشاہ جو سیر و شکار کا بہت دلدادہ تھا۔ اس نے ایک دن اپنے وزیر سلطنت کو سامان شکار تیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وزیر بعد تیاری سامان بادشاہ کو اطلاع دی اور دوسرے روز علی الصباح معہ وزیر بادشاہ دیگر شکاری عملہ کے لوگوں کے ساتھ شکار کھیلنے کی غرض سے شکارگاہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس مرتبہ بادشاہ کی لڑکی (شہزادی) اپنی سہیلی وزیرزادی کے ساتھ شکار پر بادشاہ کے ساتھ روانہ ہوئی، کافی راستہ طے کرنے کے بعد جب یہ شکاری قافلہ ایک سرسبز و شاداب جنگل میں پہونچا تو سفر سے آسودہ ہونے کیلئے بموجب حکم شاہی اس جگہ خیمے نصب کئے گئے۔ باورچیخانے کا عملہ کھانا پکانے کے انتظام میں لگ گیا، اور کچھ لوگ سفر کی تکان کیوجہ سے خیموں کے باہر ہی لیٹ گئے۔ کہ اتنے میں خلاف امید اس زور و شور کے ساتھ آندھی چلی کہ اس نے بڑے بڑے تناور درختوں کو زمین سے اکھاڑ پھینک دیا، گرد و غبار کی وجہ سے پاس کی چیز تک دکھائی نہ دیتی تھی اس طوفان میں ایک دوسرے کی خبر نہ تھی، شاہی خیمہ کا دور دور تک کہیں پتہ نہ تھا۔ جب آندھی کا زور کچھ کم ہوا اور منتشر شدہ لوگ یکجا ہونا شروع ہوئے تو اس وقت شہزادی اور وزیرزادی کی تلاش تیزی کے ساتھ کی جانے لگی جن کا کہیں پتہ نہ تھا۔ بادشاہ اور وزیر دونوں محبت پدری سے بیتاب ہوکر دونوں لڑکیوں کی تلاش میں سرگرداں تھے، لیکن بہت دوڑ دھوپ کے بعد بھی کامیابی نہ ہوئی اور بلا آخر بادل ناخواستہ دارالسلطنت کی طرف واپس لوٹنا پڑا۔ محل سرا میں اس خبر سے کہرام مچ گیا۔

بادشاہ اور اس کے شکاری عملہ کے واپس جانے کے بعد ہی سرحدی ملک کا دوست بادشاہ اور اسی مشترکہ جنگل میں شکار کھیلنے کیلئے آیا شکار کے دوران اس بادشاہ پر پیاس غالب آئی۔ چنانچہ اس نے اپنے وزیر کو پانی لانے کا حکم دیا۔ پانی کا ذخیرہ جو قافلہ کے ہمراہ ختم ہو چکا تھا' چنانچہ وزیر پانی کی جستجو میں چل کھڑا ہوا اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر آبادی کا پتہ لگانے کے واسطے جا پہونچا اس کو وہاں دو حسین وجمیل لڑکیاں نظر آئیں' یہ لڑکیاں وہی گمشدہ شہزادی اور وزیرزادی تھیں جو اپنے والدین اور قافلہ والوں سے جدا ہوگئی تھیں۔

چنانچہ یہ لڑکیاں جب اپنے والدین سے جدا ہو کر پہاڑ پر پہونچیں تو بہت زیادہ پریشان ہوئیں، اس وقت ان کی کیا حالت ہوئی ہوگی، دونوں لڑکیاں اس الم انگیز اور بظاہر دائمی جدائی سے اس قدر روئیں کہ بیہوش ہوگئیں عالم غشی میں دیکھا کہ ایک بی بی نقاب پوش تشریف لائیں اور نہایت شفقت سے فرماتی ہیں کہ اے لڑکیو! تم ہراساں مت ہو۔ نیت کرلو کہ جب ہم اپنے والدین سے مل جائیں گے تو اس وقت ہم جناب سیدہؑ کی کہانی سنیں گے لہٰذا ان دونوں لڑکیوں نے حسب ہدایت معظمہؑ منت مانی جب ہوش آیا تو انہوں اپنے واقعہ غشی کو ایک دوسرے سے بیان کر کے منت کی تصدیق کی' اور پھر خدا کے رحم وکرم کی منتظر ہوئیں کہ وزیر مذکور پانی کی تلاش میں یہاں تک آ پہونچا جب اس نے دونوں بے یار و مددگار لڑکیوں کو اس طرح پہاڑ کی چوٹی پر دیکھا تو بہت حیران ہوا۔ اس نے پوچھا کہ اے لڑکیو! تم کہاں کی رہنے والی ہو' ذرا اپنے حسب ونسب سے آگاہ کرو اور یہ بتاؤ کہ تم اس سنسان جگہ اور اتنی اونچی پہاڑ کی چوٹی پر کیسے پہنچیں؟ وزیر ان لڑکیوں کے حالات سے آگاہ ہونے کے بعد فوراً اپنے

بادشاہ کے پاس گیا اور اس سے سارا واقعہ بالتفصیل بیان کیا۔ بادشاہ اس واقعہ کو سن کر بہت متاثر ہوا اور وزیر کو حکم دیا کہ اگر وہ لڑکیاں اپنی خوشی سے آنا چاہتی ہوں تو ان کو جا کر فوراً لے آؤ۔

بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں اس مرتبہ وزیر مذکور معہ چند آدمیوں اور سواری کے ان لڑکیوں کے پاس پہونچا۔ ہمراہیوں کو پہاڑ کے دامن میں چھوڑ کر خود پہاڑ کی چھوٹی پر پہونچا اور دریافت کیا کہ اے لڑکیو! تم ہمارے ساتھ چلوگی؟ لڑکیاں راضی ہوگئیں' وزیر نے دونوں کو پہاڑ کے نیچے اتارا، اور سواری پر سوار کر کے باعزت اپنے بادشاہ کے پاس لے گیا۔ جوان سب کو لے کر اپنے دارالسلطنت چلا آیا۔

شاہی حکم نامے کے ذریعے پہلے بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ اس کی گمشدہ دختر معہ وزیرزادی کے بادشاہ کے ہاں موجود ہے لڑکیوں کے والدین نے فوراً اپنے وزیر اور سپاہیوں کو معہ تحائف کے اس بادشاہ کے پاس روانہ کیا اور خط کے ذریعے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہماری لڑکیاں جو تم کو ملی ہیں ان کو ہمارے پاس بھیج دو۔

جب یہ خط اس بادشاہ کو ملا تو اس نے جواباً تحریر کیا کہ آپ کی بچیاں یہاں بخیریت ہیں اور میرے پاس آپ کی امانت ہیں البتہ میری خواہش ہے کہ آپ شہزادی کی شادی میرے لڑکے اور وزیرزادی کی شادی میرے وزیر اعظم کے لڑکے سے کر کے مجھے شکریہ کا موقع دیں۔ چنانچہ بادشاہ نے یہ بات کچھ غور وفکر کے بعد منظور کر لی۔ لہٰذا دونوں لڑکیاں باعزت واحترام اپنے والدین کے پاس واپس کر دی گئیں۔ اب حسب وعدہ تاریخ مقرر ہوئی اور طرفین میں سامان شادی ہونے لگا۔ آخر کار وہ وقت بھی آ پہنچا' جب دونوں لڑکیوں کی شادی کر دی گئی۔ دلہنیں رخصت ہو

کرسسرال چلیں' سامان جہیز تو بار کر لیا گیا۔ مگر شادی کا لوٹا جو نہایت قیمتی تھا وہیں رہ گیا راستہ میں شام ہوگئی۔ باراتیوں نے رات ہو جانے کی وجہ سے ایک محفوظ جگہ پر قیام کیا۔ اس وقت حسب ضرورت لوٹے کی تلاش ہوئی تو نہ ملا' معلوم ہوا کہ وہیں چھوٹ گیا ہے۔ وزیر نے ایک خاص سپاہی کو روانہ کیا کہ لوٹا جا کر لے آئے۔

جب سپاہی وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ جہاں محل تھا وہاں اب میدان ہے۔ نہ تخت ہے نہ تاج۔ نہ بادشاہ نہ فوج' کچھ بھی نہیں صرف لوٹا میدان میں رکھا ہوا ہے جس کا کوئی نگراں بھی نہیں ہے۔ سپاہی نے چاہا کہ لوٹا اٹھالے لیکن ممکن نہ ہوسکا' اس لئے کہ اس نے جیسے ہی لوٹے کی طرف ہاتھ بڑھایا یا معا ایک خطرناک کالے سانپ نے لوٹے کے اندر پھن نکالا اور اس کو کاٹنے کیلئے لپکا' سپاہی اچھل کر پیچھے ہٹا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ لوٹا اٹھالے مگر ممکن نہ ہوا۔ سانپ ہر مرتبہ سد راہ ہوتا تھا۔ مجبوراً اپنے ملک کی طرف واپس ہوا اور وزیر کے توسط سے سارا واقعہ بادشاہ کو گوش گذار کیا۔

بادشاہ کو یہ سنکر حیرت ہوئی اور کچھ دیر تک غور و فکر میں ڈوبا رہا' اور پھر لڑکیوں کے پاس گیا اور بولا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں جادوگرنیاں ہو۔ یا بد روح ہو' جو انسانی شکل اختیار کر کے نئے شعبدے دکھا رہی ہو۔ اس وقت تو میں تم دونوں کو قید کرتا ہوں البتہ کل صبح قتل کرادونگا۔ یہ کہہ کر بادشاہ غیظ و غضب میں بھرا ہوا اپنے خیمے میں واپس آیا اور دونوں دلہنیں خیمہ میں قید کر دی گئیں۔

جب دونوں لڑکیوں نے اپنے آپ کو اس حال میں پایا تو ایک دوسرے سے گلے ملکر کر خوب روئیں اور کہنے لگیں کہ معلوم نہیں کیا ماجرا ہے کہ کل شادی ہوئی'

دلہن بنائی گئیں اور آج قید خانے میں قیدی بنے ہیں اور کل ہمارا چراغ حیات گل کر دیا جائے گا خداوند' معلوم نہیں کہ ہم لوگوں سے کون سا ایسا گناہ سرزد ہوا ہے جس کی پاداش میں ہم کو یہ سزا مل رہی ہے' میرے معبود تو معاف کر دے۔ یہ کہہ کر اتنا روئیں کہ بیہوش ہوگئیں۔ عالم غشی میں دیکھا کہ وہی بی بی جو پہاڑ پر نظر آئی تھیں' نظر آئیں اور بہ کمال شفقت فرمایا' لڑکیو! تم نے پہاڑ پر منت مانی تھی کہ جب اپنے والدین سے ملیں گے تو جناب سیدہؑ کی کہانی سنیں گے۔ تم دونوں اپنے ماں باپ سے ملیں مگر کہانی نہ سنی' اس وجہ سے یہ عذاب تم پر نازل ہوا ہے۔ اب بھی غنیمت ہے اسی زنداں میں کہانی سنو۔ اللہ تعالیٰ جناب سیدہؑ کے طفیل میں تمہاری مشکل کو آسان کر دے گا۔ لڑکیوں نے کہا اس قید خانے میں "درم" کہاں ہیں جو ہم "کہانی" کیلئے شیرینی منگائیں اور پھر لائے گا کون؟ معظمہ نے فرمایا گھبراؤ نہیں تمہارے دوپٹے کے آنچل میں دو درم تم کو ملیں گے اور خیمہ کی پشت پر سے ایک آدمی جاتا ہوا نظر آئے گا' بازار قریب ہے' وہ شیرینی لا دیگا یہ کہہ کر معظمہ غائب ہوگئیں۔ لڑکیوں کو ہوش آیا' ایک نے دوسرے سے عالم غشی کا واقعہ بیان کیا اور پھر شہزادی نے دیکھا کہ اس کے آنچل سے دو درم بھی برآمد ہوئے دونوں بہت خوش ہوئیں۔ صبح پشت خیمہ سے ایک سن رسیدہ آدمی کو جاتے دیکھ کر ان کو بلایا اور پھر اپنا مدعا بیان کیا' چنانچہ انہوں نے دونوں درم کی شیرینی لا کر ان لڑکیوں کو دے دی' پھر دونوں لڑکیوں نے ایک دوسرے سے اسی قید خانے میں "کہانی" سنی۔ اور پھر دعائیں مانگی۔ اتنے میں شاہی جلاد بھی وہاں آن پہنچا۔ اور دونوں لڑکیوں کو قتل گاہ کی طرف لے جانے کیلئے آگے بڑھا کہ دونوں لڑکیوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ پہلے ہم کو بادشاہ کے پاس لے چلو کہ ان سے ہم کو

کچھ باتیں کرنی ہیں۔

چنانچہ لڑکیاں بادشاہ کے سامنے پیش کی گئیں' انہوں نے بادشاہ سے مودبانہ عرض کیا کہ اس مرتبہ آپ پھر اپنے کسی آدمی کو ہمارے یہاں بھیج کر وہاں کے حالات دریافت کرا لیجئے۔ اگر اب بھی وہی حالات ہیں تو بیشک ہم کو قتل کر دیجئے۔

بادشاہ نے لڑکیوں کی یہ بات منظور کر لی اور پھر سپاہی کو لڑکیوں کے باپ کے یہاں بھیجا کہ جا کر دریافت حال کرے' چنانچہ اس نے وہاں جا کر دیکھا کہ محل شاہی اور تخت و تاج سب بدستور موجود ہے وہ بیحد حیرت زدہ ہوا اور سارا واقعہ آ کر اس نے اپنے بادشاہ سے کہہ سنایا' بادشاہ اسی وقت لڑکیوں کے پاس گیا اور پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ میں بہت زیادہ حیرت میں پڑ گیا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ تم لوگ میرے اس استعجاب کو دور کرو۔ لہٰذا بادشاہ کی ایماء پا کر لڑکیوں نے اپنی تمام حقیقت پہاڑ پر پہنچنے' اپنے بیہوش ہونے' جناب سیدہؑ کی "کہانی" سننے کی منت ماننے اور اپنے ماں باپ سے ملنے پر منت کا فراموش کر دینے اور اس کو پورا نہ کرنے کی ساری داستان مفصل کہہ سنائی اور پھر کہا کہ اب جبکہ ہم نے وہ کہانی "سن لی تو وہ عتاب الٰہی جو ہم پر نازل ہوا تھا اب ختم ہو گیا ہے اور ہم مطمئن ہو گئے ہیں چنانچہ بادشاہ نے یقین کر لیا اور اسی وقت لڑکیوں کو رہا کر کے ان کی عزت و احترام کو اسی طرح بحال کرتے ہوئے ہنسی خوشی اپنے وطن کی راہ لی۔ (صلوٰۃ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معجزہ جناب زینبؑ

روایت ہے کہ:

جب لٹا ہوا قافلہ بھر کا سوگوار کوفے کے بازار سے گذرا تو مجمع کثیر تماشائی سے ایک کوفی آگے بڑھا اور جناب زینبؑ کے اونٹ کے قریب آ کر عرض گذار ہوا کہ اے سخی کی بیٹی، اے ثانی زہراؑ اے مشکل کشا کی لخت جگر میری مشکل آسان کیجئے۔

میں مقروض ہوں، پریشان حال ہوں، ہر طرف سے مفلسی نے مجھے گھیر لیا ہے۔ آپ سخی ابن سخی ہیں میری مدد کیجئے۔

تماشائی عورتیں جو ایک مکان کے چھجے پر بیٹھی ہوئی اسیروں کو حقارت سے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں ہنس کر بولیں۔

"اے کوفی"! وہ تیری کیا مدد کر سکتا ہے جو خود قید ہو شکر ہے کہ آج زینبؑ علیؑ کی بیٹی ہماری اسیر ہے۔ یہ سننا تھا کہ علیؑ کی بیٹی کو جوش آگیا اور اپنے کھلے ہوئے بالوں کو جنبش دے کر فرمایا۔

اے نانا کی امت! کیا تم نے ہمیں مجبور سمجھ رکھا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ہم تو خدا کی خوشنودی کے لئے ہر وقت ہر مصیبت اٹھانے پر خوش ہیں ہم اہل بیت رسول ہیں ہمیں دنیا کی کسی چیز کی ضرورت نہیں ہماری سخاوت کربلا کی جلتی ریت پر دیکھو اور اب ہمیں قید و بند کی مصیبت میں دیکھ دیکھ کر قہقہہ لگانے

والو۔ کل رسول کو کیا منہ دکھاؤ گے جب وہ سوال کریں
گے کہ میرا کلمہ پڑھ کر میرے جگر کے ٹکڑے کر ڈالے میری یتیم بیٹوں اور
بیٹیوں کو ننگے سر قید کر کے جگہ جگہ پھرلیا۔

اے مغرور قوم! تم نے ہزار بار آزمایا۔ لیکن قائل نہیں ہوئے۔

اے کوفی عورتوں! آج ہمیں سر کھلے دیکھ کر ہنس رہی ہو اور طعن طعنے
کر رہی ہو۔ تمہیں اپنے انجام کی کچھ خبر نہیں مت گھبراؤ۔ وہ وقت قریب ہے کہ
تم اپنی گستاخی کا مزہ چکھو گی۔

اور پھر حاجت مند کی طرف منہ کر کے کہا۔ "اے کوفی" تو نے مجھے سخی
بنت سخی کہہ کر میرے دل کو موہ لیا۔ آؤ بھی کیا یاد کرے گا۔ میرے قریب آکر
دیکھو جب میرا اونٹ اپنا پچھلا قدم اٹھائے تو تم اپنی خواہش کے مطابق زمین سے
خزانہ لیتے رہنا اونٹ قدم اٹھا کر آگے بڑھے اور تم دولت اٹھاتے رہو جب تک
تمہارا دل سیر نہ ہو۔ زمین بے بہار خزانہ اگلتی رہے گی۔

جیسے ہی کوفی کی نظر زمین پر پڑی وہ ساکت ہو گیا اونٹ قدم اٹھاتا رہا۔
زمین خزانہ اگلتی رہی۔ وہ حیران تھا۔ اتنا خزانہ لے کر کیا کرے کیا نہ کرے یک
لخت سر پیٹتا ہوا دوڑا اور چلایا۔

اے بنت رسولؐ! واقعی آپ سخی بنت سخی ہیں۔ بس مجھے دولت کی
ضرورت نہیں۔ اپنے نانا کا کلمہ پڑھا دیجئے۔ اور وہ مسلمان ہو کر محبان اہلبیتؑ میں
شامل ہو گیا۔

ابھی یہ قافلہ آگے ہی بڑھا تھا کہ جناب زینبؑ مظلوم کی دعا قبول ہوئی
اور مکان کا چھجہ گرا۔ وہ تمام تماشائی عورتیں واصل جہنم ہو گئیں۔ (صلوۃ)

معجزہ حضرت زینبؑ

شام کی ایک سیاح خاتون نے بتلایا کہ ایک لڑکی جو معجزے سے صحت
یاب ہوتی تھی۔ جسکے بارے میں لڑکی کے والدین نے اس سیاح خاتون کو بتلایا کہ
انکی پندرہ سالہ لڑکی جو سخت بیماری میں مبتلا تھی اور ڈاکٹروں نے اس کے مرض کو
لاعلاج ظاہر کیا تھا۔ تب لڑکی کے والدین اپنی بیٹی کو روضۂ حضرت زینبؑ پر
زیارت کے لئے لے گئے اعجاز جناب زینبؑ سے اس لڑکی کو شفا ہوئی اور پوری
طرح صحت یاب ہو گئی لڑکی کے ماں باپ نے اس معجزہ کو لکھا اور اسکی تیرہ کاپیاں
بنائیں اور تقسیم کردیں جس میں سے ایک کاپی ایک دولت مند کو بھی لیکن اس
نے معجزے کو تیرہ کاپیاں بنا کر تقسیم نہیں کیں اس کے نتیجہ میں وہ تیرہ دن
کے بعد مفلس ہو گیا اسی طرح سے ایک کاپی ایک غریب عورت کے پاس پہونچ
گئی اس نے اس معجزے کی ۱۳ کاپیاں بنا کر تقسیم کردیں اور وہ دولت مند ہو گئی
کیونکہ اس عورت کا ۳۰ دن کے بعد پہلا انعامی بونڈ کھلا اور وہ مالدار ہو گئی۔

اسی طرح ایک بڑا عہدہ پر فائز آفیسر کو ایک کاپی ملی لیکن اس نے بھی
اس پر یقین نہیں کیا اور نہ ہی اس معجزے کی کاپیاں بنا کر تقسیم کیں جس کے نتیجہ
میں ۱۳ دن کے بعد اس آفیسر کی نوکری چھوٹ گئی۔

اس لئے اے مومنو یاد رکھو ذات جناب زینبؑ ہمارے لئے باعث تعظیم
و تکریم ہیں آپ سے التماس ہے کہ اس معجزہ کی ۱۳ کاپیاں بنا کر لوگوں میں تقسیم

کر دیجئے انشاء اللہ چہاردہ معصومین کے وسیلہ سے آپ کی مرادیں پوری ہونگی۔

اور اس معجزہ پر یقین کرنے والا اور اسے مزید لوگوں میں تقسیم کرنے والا تمام آفتوں اور مصیبتوں سے بچا رہے گا۔

سچے دل سے خدا پر یقین رکھو وہ تمہاری دعاؤں کو قبول کرے گا اور تمہیں سیدھے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا کرے گا۔

اس معجزے کو پانے والے خوش نصیب ہیں اس معجزے کو پانے کے بعد چار دن میں انشاء اللہ خوش نصیبی آپ کے دامن میں ہو گی اس معجزے کی اصل کاپی سوئیزلینڈ سے شائع ہوئی ہے اور دنیا میں نو مرتبہ گھوم چکی ہے یہ ایک حقیقی معجزہ ہے اسے فضول نہ سمجھئے اور اس معجزے کو ایسے لوگوں میں تقسیم کیجئے جو اپنی قسمت بنانا چاہتے ہوں اور ساتھ میں چاردہ معصومین پر تہہ دل سے یقین رکھتے ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معجزہ تیسری کے چاند

کسی ملک میں ایک بادشاہ اور اس کا وزیر رہتا تھا۔ دونوں لاولد تھے۔ ایک دن بادشاہ زادی بر آمدے میں رونق افروز تھیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ فقیر نے سب گھروں پر سوال کیا اور بھیک مانگی مگر بادشاہ کے در پر نہیں آیا۔ بادشاہ زادی نے آدمی کو بھیج کر فقیر کو بلوایا اور سونا چاندی دینا چاہا۔ لیکن فقیر نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا میں بانجھ گھر کی بھیک نہیں لیتا۔ یہ سنکر بادشاہ زادی کو بہت رنج ہوا بہت روئی۔ جب بادشاہ گھر میں آیا اور بیوی کو روتے دیکھا تو رونے کا سبب دریافت کیا بادشاہ زادی نے کہا کہ آج ایک فقیر آیا اور تمام گھروں سے بھیک مانگی مگر ہماری بھیک لینے سے انکار کیا۔ کیونکہ خدا نے ہمیں دولت اولاد سے سرفراز نہیں کیا۔

بادشاہ نے کہا وہ فقیر کدھر گیا۔ بادشاہ زادی نے اشارے سے فقیر کے جانے کی سمت بتادی۔ بادشاہ ننگے سر اور ننگے پاؤں اسی سمت چل دیا۔ جنگل میں پہونچ کر دیکھا کہ ایک ضعیف آدمی درخت کے نیچے نماز پڑھنے میں مشغول ہے۔ بادشاہ وہیں ٹھہر گیا نماز ختم ہونے کے بعد بادشاہ نے کہا پیر و مرشد کیا آپ وہی بزرگ ہیں جو مجھ بد نصیب کے گھر سے بھیک لینے سے انکار فرمایا تھا فقیر نے کہا ہاں میں وہی ہوں لیکن تم میرے پاس کیوں آئے ہو۔ بادشاہ نے کہا۔ شاہ صاحب میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک میرے نصیب نہ بدل جائیں اب آپ ہی کوئی ذریعہ بتلائیے کہ ہم دولت کے خزانے سے اس دولت بے بہا

کو حاصل کے کریں۔ بادشاہ کی منت و عاجزی کو دیکھ کر فقیر نے ایک لکڑی
بادشاہ کو دی اور کہا کہ فلاں باغ میں جا کر آم کے درخت پر اس لکڑی کو مارو جتنے
پھل گریں ان کو یہاں لے آؤ زیادہ حرص مت کرنا۔

بادشاہ فقیر کے کہنے کے بموجب باغ میں گیا اور لکڑی آم کے درخت پر ماری
صرف ایک پھل زمین پر گرا بادشاہ نے اور پھل گرانا چاہا اور دوبارہ لکڑی کو
درخت پر مارا لکڑی اٹک گئی۔ مگر کوئی پھل نہیں گرا بادشاہ نے فقیر کو آکر ساری
کیفیت بیان کی۔ فقیر نے دوسری لکڑی بادشاہ کو دی اور کہا کہ لکڑی سے درخت
سے پہلی لکڑی نکال کر مجھے لادو بادشاہ نے اس لکڑی سے پہلی لکڑی نکالی پھر پھل
اور دونوں لکڑیاں لا کر فقیر کے حوالے کردیں۔ فقیر نے پھل بادشاہ کو دیا اور کہا
کہ بابا تمھارے نصیب میں ایک ہی اولاد ہے یہ پھل لے جاؤ تم دونوں میاں بیوی۔
نہا کر ایک کمرہ کو صندل کے برادے سے لیپو اور وہاں دونوں اس پھل کو کھاؤ۔
بادشاہ نے اپنے محل کو دھلوا کر صاف کیا باوضو شہزادی کو پھل دے کر تمام قصہ
بیان کیا۔ دونوں میاں بیوی نے اسی وقت ایک کمرے کو صندل سے لیپوایا اور وہاں
بیٹھ کر دونوں نے اس پھل کو کھایا۔

یہ خبر کسی طرح وزیر زادی کے پاس گئی۔ وزیر زادی نے فوراً نوکروں کو
بھیج کر بادشاہ اور شہزادی کے کھائے ہوئے پھل کا چھلکا اور گٹھلی منگوائی اور
پھر وزیر اور اس کی بیوی نے نہا کر ایک کمرے کو صندل سے لیپ کر چھلکا اور گٹھلی
کھالئے خدا کی قدرت سے دونوں حاملہ ہوئے اور نو مہینہ گزرنے کے بعد دونوں
کے یہاں لڑکے پیدا ہوئے۔ تمام شہر میں خوشیاں منائی گئیں۔ بادشاہ نے

نجومیوں کو طلب کر کے ان بچوں کے حالات دریافت کئے نجومیوں نے ایک زبان
ہو کر کہا ان بچوں کو بارہ برس تک جو حکم ہے ان کو نہ باہر نکالنا اور نہ کہیں جانے دینا
اور نہ ان کے روبرو شکار کا ذکر کرنا۔ بارہ برس تک بہت احتیاط سے رکھنا چاہیئے۔

بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ منادی کردو کہ ان بچوں کے سامنے کوئی شکار
کا نام نہ لے ان دونوں بچوں کو ایک ہی جگہ رکھا جائے۔

چنانچہ ان دونوں کا علیحدہ مکان بنوایا گیا جہاں کوئی نہ گزر سکے اور اسی
مکان میں دونوں بچے پرورش پانے لگے۔ ایک دن وزیر زادہ مکان کے روشن دان
سے باہر دیکھ رہا تھا۔ ایک بڑھیا کو دیکھا جو پانی کا گھڑا لئے جا رہی تھی وزیر زادے
نے ایک کنکر بڑھیا کے مارا۔ اس نے کہا مجھ بڑھیا سے مذاق کرنے میں کیا لطف
آئے گا۔ شکار کھیلو تب مزا آئے گا۔ یہ کہہ کر بڑھیا چلی گئی وزیر زادے نے
شہزادے سے شکار کا ذکر کیا اور کہا کہ ہم دونوں ضرور شکار پر جائیں گے۔ آپس
میں عہد کر لئے اور دونوں نے کھانا پانی چھوڑ دیا۔ یہ خبر بادشاہ کو معلوم ہوئی تو فوراً
لڑکوں کے پاس آیا اور کھانا نہ کھانے کا سبب پوچھا شہزادے نے کہا کہ ہم کو شکار
کی اجازت دیجئے۔ جب تک اجازت نہ ملے گی ہم کھانا نہ کھائیں گے۔ بادشاہ
نجومیوں کی بات بھول گیا اور شہزادے سے کہا یہ کیا بڑی بات ہے میں تم کو شکار کی
اجازت دیتا ہوں۔ تم کھانا کھالو شکار کی اجازت ملتے ہی دونوں نے کھانا کھالیا اور
شکار کی تیاریاں ہونے لگیں۔

فوج اور جمعیت کے ساتھ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر شکار کو روانہ
ہوئے جنگل میں جانے کے بعد ایک ہرن دکھائی دیا دونوں نے ہرن کے پیچھے

گھوڑا اڑالا اور بہت دور تک ہرن کا پیچھا کیا۔ ہرن نظروں سے غائب ہو گیا۔ شہزادہ اور وزیر زادہ ہرن کے پیچھے نکل گئے دونوں نظروں سے غائب ہو گئے۔ لشکر والوں نے دیکھا بہت دیر ہوگی۔ دونوں ابھی واپس نہیں آئے تمام سپاہیوں نے سارا جنگل چھان مارا دونوں کا کہیں پتہ نہ چلا آخر مجبور ہو کر شہر کو واپس ہوئے اور بادشاہ سے سارا واقعہ بیان کیا کہ وزیر زادے اور شہزادے صاحب ایک ہرن کے پیچھے نکل گئے۔ ہم سب نے تمام جنگل چھان مارا لیکن دونوں کا کہیں پتہ نہیں چلا، ادھر شہزادہ اور وزیر زادہ ہرن کے پیچھے بہت دور نکل گئے۔ ہرن نظروں سے غائب ہو گیا۔ شہزادہ بہت تھک گیا اور وزیر زادہ سے کہا کہ مجھے بڑی شدت کی پیاس لگ رہی ہے کہیں سے پانی تلاش کر کے لاؤ وزیر زادے نے کہا بہت اچھا۔ آپ یہاں تشریف رکھئے۔ میں پانی لینے جاتا ہوں اور یہ کہہ کر وزیر زادہ پانی لینے چلا گیا۔ تمام جنگل چھان مارا پانی کہیں دستیاب نہ ہو سکا۔

ایک عورت کو دیکھا جو تربوز لئے بیٹھی تھی۔ وزیر زادے نے پوچھا یہ کیا چیز ہے۔ اس نے کہا اسے تربوز کہتے ہیں یہ کھانے کی چیز ہے اور اس سے پیاس دور ہوتی ہے وزیر زادے نے اسے ایک اشرفی دے کر ایک تربوز مول لیا اور کاٹنے کے لئے لکڑی کا ٹکڑا لیکر تربوز کو ایک رومال میں باندھ کر چلا۔ ایسی تیز ہوا آئی کہ دنوں چھو گئے دیکھا تو شہزادہ غائب ہے۔

ادھر بادشاہ نے چاروں طرف اپنے آدمیوں کو روانہ کیا کہ دونوں کو تلاش کر کے لے آئیں کچھ دور جانے کے بعد انھوں نے دیکھا کہ وزیر زادہ چلا آرہا ہے۔ وزیر زادے کو بادشاہ کے سامنے حاضر کیا۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ شہزادہ

کہاں ہے۔ جواب دیا کہ میں خود ان کو تلاش کر رہا ہوں نہیں معلوم کدھر نکل گئے بادشاہ نے پوچھا رومال میں کیا ہے۔ وزیر زادے نے کہا اس میں تربوز ہے لیکن جب رومال کھولا گیا تو اس میں شہزادے کا سر نکلا اور لکڑی کے جائے چھری تھی بادشاہ یہ دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ وزیر کو بلوا بھیجا شہزادے کا سر دکھایا وزیر نے کہا جہاں پناہ آپ کے بیٹے کی جان سے بڑھ کر میرا بیٹا نہیں ہے آپ اسے جو چاہیں سزا دے سکتے ہیں۔

بادشاہ نے کہا۔ آج اسے قید رکھو کل صبح اس کی گردن ماردی جائے گی چنانچہ رات بھر اسے قید رکھا اور شہر بھر میں منادی کردی گئی کہ کل وزیر زادہ کی گردن ماردی جائے گی۔ دیکھنے کے لئے ایک مجمع کثیر اکٹھا ہو گیا۔

جب صبح کو اس کی گردن مارنے کے لئے لے جانے لگے تو اس نے کہا اب میں مرتا تو ہوں اے بادشاہ اتنی اجازت دیدے کہ میں نہا دھو کر اپنے خالق کی ۲ رکعت نماز ادا کرلوں۔ اس پر ایک پیر مرد بولا کیوں ایسا کہتے ہو اس کو نماز پڑھ لینے دو آخر کار سب راضی ہو گئے۔

سامنے باؤلی تھی وزیر زادہ باؤلی میں اتر گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ باؤلی میں ایک لوٹا ہے اس کی بارہ ٹوٹیاں ہیں چاند لوٹے کے منہ سے اندر داخل ہوتا ہے۔ اور ٹوٹیوں میں سے نکلتا ہے وزیر زادہ حیرت زدہ ہو کر دیکھنے لگا آخر لوگ اوپر سے پکارنے لگے کب تک نہائے گا جلدی وقت ہو رہا ہے۔ اس نے جلدی نہا کر نماز ادا کی اور اس کیفیت کو پیر مرد سے بیان کیا۔ پیر مرد نے کہا کہ تو نے تیسری تاریخ کا چاند دیکھا ہے اسی لئے تو اس مصیبت میں گرفتار ہے۔ مگر کہانی کسی کو معلوم ہو تو

سن ورنہ تو خود ہی تو اپنا احوال بیان کر وزیر زادہ نے اپنا سارا قصہ من و عن بیان کیا اور ان کے ساتھ ایک خلقت جمع تھی۔ جلاد اس کی گردن مارنے ہی والا تھا کہ جنگل میں ایک گرد و غبار اٹھا۔ اس میں ایک شخص گھوڑے پر سوار نمودار ہوا وہ شخص مجمع کو چیرتا پھاڑتا داخل ہوا اور پوچھا کہ یہاں سب لوگ کیوں جمع ہیں۔ یہاں کیا ہو رہا ہے سبھوں نے کہا کہ وزیر زادے نے بادشاہ زادے کو قتل کر دیا ہے اس لئے اس کی گردن ماری جا رہی ہے شہزادہ نے جلاد سے کہا یہ بے گناہ ہے اسے مت مارو یہ کہہ کر وزیر زادے کا ہاتھ پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لے گیا۔ اور کہنے لگا ابا جان آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ اگر میرے آنے میں ذرا بھی دیر ہوتی تو ایک خون ناحق آپ کی گرن پر ہوتا۔

بادشاہ نے حیرت زدہ ہو کر رومال کی پوٹلی منگوائی جب اس کو کھولا تو اس میں تربوز اور لکڑی نکلی وزیر نے آگے بڑھ کر کہا جہاں پناہ آپ کی سلطنت آپ کو مبارک آپ سنبھالئے میں اپنے بچے کو لے کر کہیں چلا جاؤں گا۔ دنیا میں مجھے سب چیز ملے گی مگر اولاد نہیں ملے گی بادشاہ نے کہا غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے یہ سلطنت تمھاری ہے کیا مجال تم پر کوئی نظر اٹھائے اس کے بعد وزارت کی چابیاں وزیر کو واپس کر دیں اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

کہانی کہنے کے بعد کہنا نذر مولا علیؑ اور سورۂ الحمد قل ھو اللہ اور انا انزلنا پڑھ کر محمد و آل محمد پر صلواۃ کہے اور کہے کہ مجھ پر تیسری تاریخ کے چاند کا اثر نہ ہو اور اس کا نحوست زائل ہو۔ آمین (صلوٰۃ)

☆☆☆

سید نذر عباس